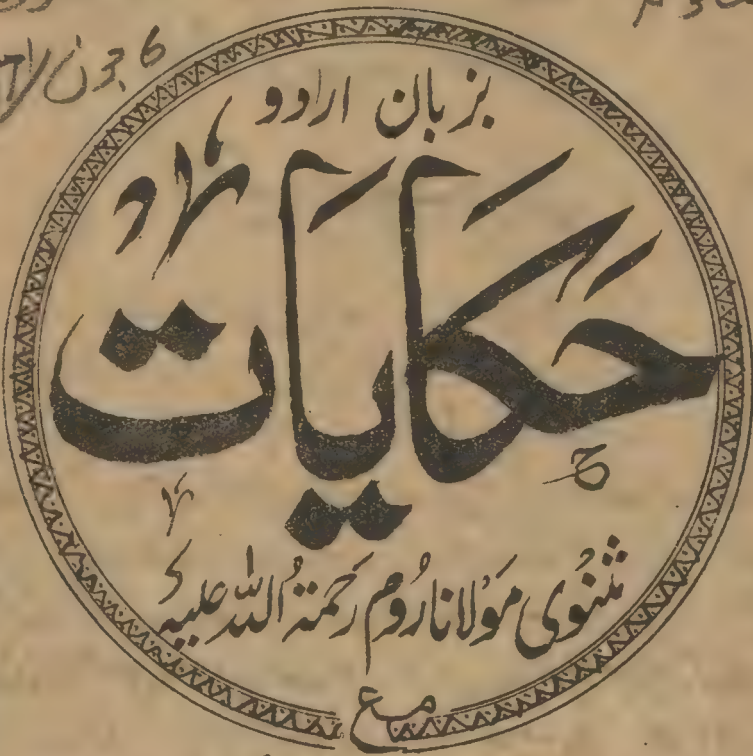


اِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصِصُ الْحَقُّ ط

مثنوی عرفان حق کی ہے بہار
اس کے ہر قصہ سے حق ہے آشکار
صاحب
مسلو

۶ جون ۱۳۰۶



سوانح حیات حضرت مولانا جلال الدین محمد المعروف مولانا روم

عالیجناب پیر غلام دستگیر صاحب نامی

نایب نیکو معطر و مدبر ہمنورہ گنجی
نایب نیکو معطر و مدبر ہمنورہ گنجی
نایب نیکو معطر و مدبر ہمنورہ گنجی
نایب نیکو معطر و مدبر ہمنورہ گنجی

فرم منشی عزیز الدین تاجر کتب و پیشتر لاہور بازار کشمیری

کتابت محمد الرحمن دہلوی صاحب گنجی

عرض حال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نوشتہ آں باشد کہ ستر دلیاں

گفتہ آید در حدیث دیگر ایں

علمی اور اخلاقی مضامین کی تعلیم کے لئے بہت سی کتابیں لکھی گئیں مگر کسی کو شنوی مولانا روم جیسی قبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان کی طبیعت دقیق مضامین اور باریک مسائل پر دماغ سوزی سے گھبراتا ہے۔ مولانا علیہ الرحمۃ چونکہ حکیم امت تھے۔ اور قرآن شریف کا طرز بیان ان کے دل میں گھر کر چکا تھا۔ اسلئے آپ نے ناواقفوں کو الہیات۔ صفات باری۔ نبوت اور روحی۔ ملائکہ۔ معجزہ و کرامات۔ روح معاد۔ جبر و قدر۔ تصوف۔ توحید۔ وحدۃ الوجود۔ سلوک۔ فنا عبادات۔ جہد و توکل وغیرہ وغیرہ شکل مضامین سمجھانے کے لئے قصص و حکایات قلمبند کیں۔ اور ان سے اخلاقی سبق پیش کر کے مسائل و سرنشین کئے۔ چونکہ انسان فطرتاً قصے کہانیوں کو شوق سے سنتا ہے۔ اسلئے مولانا علیہ الرحمۃ کا اسلوب سب کو بھایا اور یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔ کسی کتاب میں ایسے دقیق نازک اور عظیم الشان مسائل و اسرار نہیں مل سکتے۔ جو شنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسکی طرف پہلے علما اور ارباب حق نے توجہ کی۔ اور پھر اس کے لکات و دقائق معلوم کئے۔ اور پھر اس کا پرہیز خواہ میں بھی ہو گیا۔

یہ صاحب کمال کے قدر دانوں کے ساتھ رہا۔ مولانا کا ہونا بھی الہدی ہے آفتاب کی روشنی سب کیلئے مفید ہے۔ مگر اتنا اور چمکاؤ کو بری معلوم ہوتی ہے۔ چاند کی روشنی سے سب کی آنکھیں نور و سرور حاصل کرتی ہیں مگر کتنے اسکی طرف منہ کر کے نہیں دیکھتے ہیں۔ اور اسکا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ شنوی کے ایک حامد کا پتہ علامہ شبلی نے دیا ہے۔ وہ حامد کہتا ہے۔

کہ چونکہ گناہ میں لذت ہوتی ہے۔ اسلئے شنیوی میں بھی لذت ہے۔ پھر اپنی شنیوی میں ولو
کی تعریف اور مولانا علیہ الرحمۃ کی شنیوی کی مذمت میں لکھتا ہے کہ
اس کلام صوفیاں شوم نیست شنیوی مولوی روم نیست
کہاں یہ بکواس اور کہاں عاشق جمیب خدا مولانا جامی علیہ الرحمۃ کا مولانا رومی کی نسبت
یہ ارشاد کہ نیست پیغمبر وے از کتاب اور شنیوی کے متعلق یہ رائے کہ ہرست
قراں در زبان سپاہی۔ بات کچھ نہیں۔ صرف ابو جہل اور صدیق رضی اللہ عنہ
کی طرح نظر کا فرق ہے۔

خود مولانا علیہ الرحمۃ کے عہد میں ناواقفوں نے شنیوی کے متعلق اعتراض کئے کہ
شنیوی کا طریقہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ کفر اور سلوک کے جو مقامات ہیں۔ بتل اور فنا سے لیکر
وصل تک سب تفصیل اور تہذیب الگ الگ بیان کئے جاتے مگر بجائے اسکے مولانا
نے اس میں طفلانہ قصے بھر دیئے۔ مولانا نے شنیوی سی میں اس کا جواب دیدیا ہے کہ کفار
نے قرآن مجید پر بھی یہی اعتراض کئے تھے۔ کہ یہ اساطیر و افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں نہ
کوئی تحقیق ہے۔ نہ تحقیق۔ یہ کتاب بچوں کے پڑھنے کے لائق ہے۔ اس میں سوائے اسکے اور
کوئی ذکر نہیں کہ یہ کام کرو وہ نہ کرو۔ یا اسمعیل کی قربانی کا ذکر ہے کعبہ اور اصحاب قبل کا قصہ ہے
بلقیس سلیمان۔ داؤد زبور۔ طاووت شعیب۔ یونس۔ لوط اور ان کی قوم کا ذکر ہے اور بس۔
کافروں کا یہ اعتراض نقل کر کے مولانا جواب دیتے ہیں۔ اے مہربانو! تم نے قرآنی قصوں کو
سننا۔ مگر ان کے اسباق و نتائج پر غور نہ کیا۔

حرف قرآن را مداں کز ظاہر است زیر ظاہر باطن ہم قاسم است
زیراں باطن یکے بطنے دگر خیرہ گردد اند او فکر و نظر
ہچنین تا ہفت بطن اے بوالکرم فے شمر تو اس حدیث معتصم
صاحبو! شنیوی کو قصوں کی کتاب نہ سمجھو۔ بلکہ ان قصوں سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں۔
ان پر غور اور عمل کرنے کی کوشش کرو۔

ہیں مضامین اس قدر اسکے بلند عقل کی پرواز بھی ہے جن میں بند
عالمان و فیلسوفان جہاں دنگ ہیں سب مثل طفل۔ بے زبان
صوفیان و عارفان باکمال! معترف ہیں عجز کے بے قیل و قال

اچھے اچھے اہل علم اہل شعور دور تھے ہیں پھر بھی راجاتے دور (عرف)

میں اس سے پہلے انصافی کہانیوں کی کتاب گنجینہ اخلاق لکھ چکا ہوں جو بالکل آسان عبارت میں ہے۔ اور جسے پوچھتی پانچویں جماعت کے طلبہ بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کتاب اس سے ذرا مشکل ہے۔ مگر اسے بھی معمولی اردو دان بآسانی پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔ مثنوی شریف کی متعدد تشریحات لکھی جا چکی ہیں۔ اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک دو صاحب نے حکایات کو اردو نظم میں بھی بیان کیا ہے۔ ایک کتاب منظوم خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب صدیقی مرحوم ریٹائرڈ جج کے مطالعہ کا مجھے بھی شرف حاصل ہو چکا ہے۔ مگر میری رائے ہے کہ اگر نظم کا مطالعہ کرنا ہو۔ تو اصل مثنوی سی کو پڑھنا چاہئے۔ نہیں جو بہنوں کو مانع سوزی کی ہے۔ مثنوی کی قیمت اور دوسروں کو فائدہ پہونچانے کیلئے کی ہے۔

میں نے یوں تو مثنوی چھیالیس سال سے لیکر رکھی تھی۔ مگر اس کے مطالعہ کا شوق مولانا مولوی محمد یار صاحب بجاو لپوری کے وعظ سکر ہوا۔ آپ نے محمود و ایاز کی پوستین والی حکایت کئی محبتوں میں اس انداز سے بیان فرمائی کہ سامعین عیش عیش کر اٹھے۔ آپ کا بار بار دہرایا ہوا مصرعہ ”اے ایاز اے پوستین را یاد دار“ اور یہ اشعار

شاہ شامان است بلکہ شاہ ساز از برائے چشم بدنامش ایاز

ماں وہاں ترک حسد کن بابہاں تانہ اہلیے شوی اندر بہاں

ابھی تک گوش دل میں گونج رہے ہیں

میں نے حکایات اسلئے قلمبند کی ہیں۔ کہ قاریین کے دلوں میں بعد مطالعہ اصل مثنوی پڑھنے اور اس کے مطالب عالیہ سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہو۔

یہ حصہ ناتمام حکایات مجموعہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہے۔ مگر نیت یہی ہے کہ یہ سلسلہ جاری رکھوں۔ تا آنکہ سب حکایات سلیس اردو میں تحریر ہو جائیں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ط ع

سبھا از بندہ و تمام از پروردگار

غلام دستگیر تاحی

ذوالفقہہ ۱۳۶۸ھ

مطابق ۶ اپریل ۱۹۴۷ء

میں بجاو پرانوار حضرت سید احمد توفیہ زندی۔ پلہ بیاباں۔ لاہور۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نسب

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ۱۳ھ

عبدالرحمن

عبداللہ

قاسم محمد

عبداللہ

مسب

محمد (عادل کمر)

قاسم

احمد

حسین

بہاؤ الدین محمد ۶۲۸ھ

مولانا جمال الدین محمد ۶۴۲ھ

اس شجرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مولانا روم حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق اکبر کی اولاد سے ہیں۔ یعنی قریشی صدیقی۔ یہ عبدالرحمن ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ پس مولانا سات پشت کے واسطے سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جانتے ہیں۔ علامہ ابن قتیبہ نے مسیب بن عبد اللہ کا نام نہیں لکھا۔ محمد خوارزم شاہ سے رشتہ داری۔ سلجوقی سلطان ملک شاہ جو شہرہ فیک ایشیا کو چیک (روم) میں حکمران رہا، کی طرف سے غزنی کا ایک ترکی غلام انوشنگین صوبہ خوارزم کو گورنر مقرر کیا۔ اس کا بیٹا قطب الدین محمد بختاب خوارزم شاہ باپ کا جانشین ہوا اور اکتیس سال یعنی ۵۸۵ھ تک فرمانبردار اس کے پوتے (اہل ارسلان بن التیسر) کے پوتے علاؤ الدین محمد ابن توکوش نے اپنی آبائی سلطنت دہو دریا کے سبھون تک پھیلے ہوئی تھی۔ اور جس میں خراسان درے اور اصفہان کے صوبے بھی ملائے گئے تھے۔ اور وسعت دی۔ اور ۵۹۵ھ میں ایران کا بہت سا حصہ فتح کر لیا۔ بخارا اور مرقند مسخر

کر کے غورخاں کے ملک تر کھینے پر حملہ آور ہوا۔ اور اس کے صدر مقام انڈر پر مسلط ہو گیا۔ ۸۹ھ میں
افغانستان میں داخل ہو کر غزنی کو فتح کیا۔ ۹۰ھ میں اس نے بغداد کی طرف فوج کشی کی۔ مگر بغدادی
کی وجہ سے ناکام رہا۔ اس کے بعد چنگیز خانیوں نے اس کی فتوحات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور وہ ان وحشیوں
کے سیلاب کے سامنے ٹھہرا نہ رہ سکا۔ ادھر ادھر بھاگ کر انہر بحیرہ کا پین کے ایک جزیرے میں
پناہ لے کر رہ گیا۔ (میں کہوں گا کہ اسے مولانا بہاؤ الدینؒ سے حسد کرنے کی سزا ملی،

علامہ شبلیؒ "سوانح مولوی رومیؒ" میں لکھتے ہیں کہ حسینؒ مولانا کے دادا، بڑے صوفی اور
صاحبِ حال تھے۔ سلاطین وقت اس قدر ان کی عزت کرتے تھے کہ محمد توارم شاہ نے اپنی بیٹی
کی ان سے شادی کر دی تھی۔ بہاؤ الدین اسی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے محمد توارم
شاہ بہاؤ الدین والد مولانا کا ماموں اور مولانا کا نانا تھا۔ میرے خیال میں ماموں غلطی سے لکھا
گیا ہے۔ خسر لکھنا چاہیے۔ وہ ماموں جب بن سکتا ہے۔ جب اسکی بہن سے مولانا بہاؤ الدین کا
نکاح ہو مگر اس صورت میں وہ مولانا رومیؒ کا نانا نہیں بن سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بچے
خسر کے ماموں ہو کر پیدا ہو گیا ہے۔

ولادت مولانا۔ محمد شاہ توارم کے دور حکومت کے آٹھویں سال مولانا نے ۹۱۰ھ میں سر
زمین بلخ کو ظہورِ اہمال سے شرف بخشہ یعنی سلطان صلاح الدین غازی کی رحلت سے ۵۱ سال
بعد۔ اس وقت ایشیائے کوچک سلطنت روم کہتے ہیں۔ وہاں سلجوقی خاندان کو ایک سو پچیس
سال (۱۰۴۷) سال پہلے سے حکمران تھا۔ اب اس کے گیارہویں سلطان کیخسرو اول کے
دور حکومت کا سال سوم تھا۔ بغداد میں انیس سال سے زبردست عباسی خلیفہ الناصر الدین اللہی
حکومت تھی۔ شمالی افریقہ اور اسلامی ہسپانیہ (سپین) پر موحدین کے خلیفہ محمد ناصر کی حکمرانی کا زمانہ
سال تھا۔ حلب وغیرہ پر سلطان صلاح الدین کے فرزند کی حکومت تھی۔ ہندوستان میں دو سال
سے قطب الدین ایک کا طوطی بول رہا تھا۔

ہجرت آپ کے والد۔ بہد بھی بڑے بلند پایہ تھے۔ علامہ فخر الدین رازی جیسے فاضل اہل
بھی ان کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔ آپ کے درس میں ہزاروں میں عقیدتمندوں کا مجمع رہتا۔ اس
سے بادشاہ کو اپنی سلطنت کا خطرہ پیدا ہوا۔ اس لئے اپنے نذرانہ کی کنجیاں آپکی خدمت میں اس پیغام
سے روانہ کیں کہ تمام خلعت کا رجوع آپ کی طرف ہے میرے پاس خزانہ ہی باقی رہ گیا ہے اسے بھی
آپ سنبھال لیں۔ یہ صورتِ حالات دیکھ کر اور اس مقولہ پر عمل کر کے کہ "تو تجھے ڈرے تو اس سے بچ گیا" اور

کہ نقصان پہنچاویے۔ آپ بلج سے اپنے اہل و عیال کو لیکر حین میں مولانا شمس سالہی شامل تھے۔ روانہ ہو پڑے۔ نیشاپور میں ان سے شیخ فرید الدین صاحب عطار ملے اور مولانا کے بشرہ سے آثار سعادت ملا تھ کر کے شیخ بہاؤ الدین صاحب کو تاکید فرمانے لگے کہ اس ہونہار فرزند کی تربیت سے غافل نہ ہونا۔ چنانچہ آپ نے آپ کو اپنے فاضل مرید سید برہان الدین صاحب محقق کی آغوش تربیت میں دے دیا۔

نیشاپور سے بغداد پہنچے وہاں کی برسی قیام رکھا۔ وہاں سے تھارہ چھترام پھر زنجان میں وارد ہوئے اور وہاں سے کئی شہروں کی سیر کرتے ہوئے سلجوقیہ خاندان کے بارہویں سلطان علاؤ الدین کی قیادت کی درخواست پر جویشیاد کو بیک المشہور بروم کی وسیع سلطنت کا بڑا ذی عظمت و پر جلال بادشاہ روم میں اقامت قونیز میں در ۶۲۲ھ مکین ہو گئے۔ سلطان نے آپ کو بڑی تعظیم سے خود ساتھ پیادہ چل کر شہر میں داخل کیا۔ بڑا عالی شان مکان مجھے ضروری سامان رہنے کو دیا۔ اور بعد ازاں بھی فیض حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتا رہا۔

اس وقت مولانا کی عمر ۸ سال تھی۔ شادی ہو چکی تھی۔ خدا نے آپ کو ۶۲۳ھ میں فرزند رشید عطا فرمایا جس کا نام سلطان ولد رکھا گیا۔ اس سے ایک سال بعد ڈاکو بادشاہ چنگیز خاں مر گیا۔ چار برس بعد ۶۲۵ھ میں مولانا کے والد بزرگوار رحلت فرما ہو گئے۔

تکمیل عالم آپ تکمیل علم کے لئے حلب میں جا مکین ہوئے اور وہاں سے دمشق پہنچے جہاں سات برس رہے۔ اس عرصہ میں تمام علوم درسیہ کے فاضل اہل بن گئے جب کوئی مشکل مسئلہ کسی سے حل نہ ہوتا۔ تو لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے۔

جب تک مولانا مصروف کی حضرت شمس تبریزی سے ملاقات نہیں ہوئی آپ پر ظاہری علوم کا رنگ غالب رہا۔ علوم دینیہ کا درس دیتے۔ وعظ کہتے اور فتوے لکھتے سماع وغیرہ سے سخت پرہیز تھا۔

شاہ شمس تبریزی شاہ شمس تبریزی صاحب باطن بزرگ تھے سودا گراں کی وضع میں سیاحت کرتے۔ جہاں جاتے سرے میں اتر کر حجے کا دروازہ بند کر لیتے اور مرقبہ میں مصروف ہو جاتے۔ آزار بندین اور بیکہ کفاف مہیا کرتے۔ ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ یا اللہ اپنا کوئی خاص بندہ ملا جو میری صحبت کا منتحل ہو سکے۔ عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کو جاؤ۔ اسی وقت چل پڑے ہوئے اور قونیز پہنچ کر مولانا رومی سے ۶۲۶ھ میں ملاقات کی اور دونوں

بزرگ چھ ماہ تک برابر صلاح الدین زکریا کو بکے حجرہ میں چلہ کش رہے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ نہ کسی سے ملاقات کی۔ مولانا کے اس طرح گوشہ نشین ہو جانے سے لوگ بڑے ملول ہوئے اور سب شیخ تبریزی کے دشمن بن گئے۔ کہ اس دیوانے نے مجاہد کر کے آپ کو زانو پر نشین کر دیا ہے شاہ صاحب قونیہ سے چپکے نکل کر دمشق پہنچے۔ مولانا صاحب نے فراق کو بڑا محسوس کیا اور شیخ صاحب نے دمشق سے خط لکھ کر آپ کے شوق کو اور چمکا دیا۔ اور اپنے حلقہ نشینوں سے سخت ناراض ہوئے جبکہ آخر معافی مانگنی پڑی۔ اب رائے یہ قرار پائی کہ سب جھگڑو دمشق جائیں اور آپ کو منائیں۔ مولانا کے فرزند سلطان ولد جو اس وقت فریادیں برس کے تھے اس قافلہ کے سالار بنے دمشق پہنچے۔ مولانا کا منظوم خط دیا۔ اور ایک ہزار دینار سرخ بطونڈازانہ پیش کئے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: "بہ دام و دانہ گیرند مرغ داتا را" مجھے ان حرف ریزوں کی ضرورت نہیں مولانا کا پیغام کافی ہے۔ دمشق سے قونیہ کی طرف روانہ ہوئے سب سوار تھے مگر سلطان ولد بوجہ ادب تمام راہ پایادہ آئے۔ مولانا نے بڑے ترنک و اختتام سے استقبال کیا۔ مدت تک بڑے ذوق و شوق کی محبتیں رہیں۔ چند ماہ بعد ۷۶۹ھ میں کسی وجہ سے ناراض ہو کر شاہ شمس چپکے سے قونیہ چل دیئے اور باوجود تلاش بسیار کچھ نتیجہ نہ ملا کہ کہاں ہیں۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ مولانا کے صاحبزادہ علاء الدین محمد نے ۷۶۹ھ میں انہیں بروئے حسد شہید کر دیا۔ الغرض مولانا صاحب کو قریباً دو برس شاہ صاحب سے شرف صحبت رہا جس سے آپ قالی سے حالی یعنی مولوی معنوی بن گئے اور دنیا کے استفادہ کے لئے باوجود روم میں بود و باش رکھنے کے فارسی میں ایسی کتب دستیوی شریف لکھ گئے۔

لا جواب تصنیف - جو اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اور فارسی کی کوئی کتاب مقبولیت میں اسکی ہم پایہ نہیں۔ یہ کتاب آپ نے اپنے ایک مرید جسام الدین چلی کی فرمائش پر لکھی تھی۔

اوصاف - مولانا بڑے عابد۔ زاہد۔ عاقل۔ سخی۔ متواضع اور حلیم تھے۔

انتقال - ۵ جمادی الاخریٰ ۷۷۰ھ کو بعمر ۶۷ سال شام کے وقت انتقال فرمایا۔ رات بھر تجنیز و تکفین کی تیاری ہوتی رہی۔ صبح کو جنازہ اٹھا۔ کوئی آنکھ نہ کھلی جو روتی نہ ہو۔ ہر طبقہ و فرقہ کے خرد و کلاں شریک جنازہ تھے۔ حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ بھی۔ صبح کے پہلے ہوئے شام کو قبرستان پہنچے۔ بعد از دفن چالیس دن تک زائرین کا مزار پر ہجوم رہا۔ مرقہ منور اب بھی قونیہ میں بوسگاہ خلائق ہے۔

اولاد۔ آپ کے دو بیٹے تھے۔ علاؤ الدین محمد (قاتل رشید) اور سلطان ولد بوسلہ میں اپنے والد ماجد سے اکیس سال زیادہ عمر پا کر فوت ہوئے۔ ان کے چھپے چار فرزند رہے۔ عارفہ، حامد، زائد اور واحد۔ ہر ایک کے نام کے ساتھ چلی۔

فرقہ مولویہ۔ مولانا کے سلسلہ باطنی میں منسلک لوگ فرقہ مولویہ کے نام سے ایشیا، یورپ، شام، مصر، اور قسطنطنیہ میں موجود ہیں۔ جنکے ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے۔ کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں ایک شخص ٹکڑا ہو کر ایک ہاتھ سینہ پر اور ایک ہاتھ پھیلائے رقص شروع کرتا ہے اگر کسی شخص نے بڑھتے ہیں بلکہ ایک ہی جگہ جم کر متصل ٹکڑے لگاتے ہیں۔ یہ مولانا کی تقلید میں کیا جاتا ہے۔ جو اکثر عالم بے خودی میں رقص فرمایا کرتے تھے۔

حلقہ مولویہ میں وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں۔ جو چالیس چالیس دن مسند رہ کر ذیل خدمات بحال لائیں۔

(۱) چار پائیوں کی خدمت (۲) فقراء کے دروازے پر چھاڑ دینا (۳) پانی ڈھونڈنا، فرش چھاڑنا اور بچھانا (۴) ایندھن لانا (۵) درویشوں کا کھانا پکانا (۶) بازار سے سودا سلف لانا (۷) فقراء کی مجلس کی خدمت کرنا (۸) دار و نہ گری۔ اس ۹۸۴۰ = ۳۶۰ دن یعنی سال بعد خدمت فقراء کرنے کے بعد خادم کو ہٹایا اور خاص لباس پہنایا جاتا ہے۔ اور تمام محرمات سے توبہ کرنا کر حلقے میں داخل کر لیا جاتا ہے۔

معاصرین مولانا۔ شیخ سعدی، شیخ فی الدین غری، شیخ فرید الدین عطار، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ بوعلی قلندر۔ سلطان حمید الدین حاکم مادی، اور بہت سے مشہور مشائخ و مؤرخین مولانا موصوف کے ہم عصر تھے۔ یہ زمانہ ہلاکو اور چنگیزی فتنہ کے سبب مسلمانوں کیلئے (جو نوے لاکھ کی تعداد میں شہید کئے گئے) بڑا پر آشوب زمانہ تھا۔ مگر اسلامی علم و فن کے صاحب کمال اسی زمانہ میں پیدا ہوئے جنکے دم قدم کی برکت سے اسلام پھر زندہ ہوا۔ اور جن ترکوں نے مسلمانوں کے خون کے دریا بہا دیے تھے۔ اللہ نے ان ہی کو اسلام کا خادم بنا دیا۔

کرامت ایک دفعہ ہلاکو خان کے سپہ سالار بیچو خان نے مولانا کے شہر قرہ نہ پر حملہ کیا۔ اور شہر کے ہر چار طرف افواج پھیلا دیں۔ شہری محاصرے سے تنگ آکر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ایک ٹیلے پر جو سپہ سالار کی خیمہ گاہ کے سامنے تھا۔ جا کر مصیبت بچھا دیا۔ اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ تا تا رہی مولانا کو ترک کر تیرا نے لگے لیکن کمائیں کھینچ نہ سکیں آخر

گھوڑے بڑھا کر تلوار سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ جگہ سے نہ ہلے تمام شہر میں غل ٹپ گیا۔ لوگوں نے بچو نماں سے جا کر یہ واقعہ بیان کیا۔ اس نے خیمہ سے نکل کر کئی تیر چلائے لیکن سب بچھٹکر ادھر ادھر نکل گئے۔ وہ جھلا کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور مولانا کی طرف چلا لیکن پاؤں اٹھ نہ سکے۔ آخر محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا۔ (مناقب العارفین، ص ۱۵۲)

فتنہ تاتاری چنگیز اور ہلاکو خان نے دنیا کے اسلام پر مصیبت کبریٰ نازل کر دی تھی۔ اس
تاتاری فتنہ کا ظہور ۶۱۵ھ میں ماوراء النہر پر ہوا۔ تاتاریوں نے بخارا اور سمرقند پر قبضہ کر کے
تمام باشندوں کو تہ تیغ کیا۔ اور عہد ان و فرزدین میں بھی ایسا ہی ستم و معایا سہرورد عراق پر
پہنچے آذربائیجان اور اس کے قرب و جوار کو خاک سیاہ کر دیا۔ در بند شروان۔ قفقاز۔ غزنی۔
بجستان۔ کرمان یہاں تک کہ لاہور میں بھی قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ ۶۵۶ھ میں ایک لاکھ
سپاہ لیکر بغداد پہنچے اور ملک حرام وزیر ابن علقمی کی سازش سے اس عظیم الشان شہر کی اینٹ
سے اینٹ بجا دی۔ ہزاروں بیگناہ انسانوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ خلیفہ مستعصم کو دھوکے سے ہلا کر
گدھوں کی طرح لاقب مار مار کر ہلاک کر دیا۔ پھر دمشق اور مصر کی طرف بڑھے مگر بروز جمعہ ۵ اہمضان
۶۵۸ھ کو نہر جالوت پر سخت شکست کھائی۔ ہزاروں تاتاری تہ تیغ ہوئے۔ ۶۶۱ھ میں بہت
سے تاتاری مشرق باسلام ہو گئے۔ اور مستامن ہو کر ممالک اسلام میں رہنے لگے۔ ان کے وزیر
اور وظیفہ مقرر ہو گئے۔ اور ان کا شر کم ہونا شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو اسلام کا
معلقہ بگوش اور خامد بنا دیا۔ چنانچہ انہی کے بھائی بندوں میں عثمانی ترک سینکڑوں سال حرمین شریف
کی خدمت گذاری کو اپنے لئے باعث فخر و مباہات سمجھتے رہے۔

میں کہوں گا کہ یہ تاتاری فتنہ اس مغرور اور خوارزم شاہ کی سلطنت مٹانے کیلئے اٹھا جس
 کے حسد کی وجہ سے مولانا کو ترک وطن کرنا پڑا۔ یہ فتنہ مولانا کی زندگی ہی میں پیدا ہوا اور زندگی
 ہی میں مٹ گیا۔ جس رومی سلطنت نے مولانا صاحب کو خوش آمدید کہا وہ اس فتنہ سے مامول
 رہی اور آپ کی ولادت سے قریب سو سال بعد بھی اس کا وقار قائم رہا اور خدا نے سلجوقی فرماں
 رواؤں کا ہاشمین عثمانی ترکوں کو کیا۔ جنہوں نے اسلامی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ اور اب بھی
 وہ دنیا کے آزاد فرمانرواؤں میں داخل ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

شیخ نجم الدین گبری قدس سرہ کا حضرت ابو النجیب عبدالقادر السہروردی
 تاتاریوں کے خلاف جہاد

زیادہ با اثر اور مشہور و محترم بلکہ اسلامی چھٹی صدی کے تمام اولیائے کرام و صوفیائے عظام کی مقدس جماعت میں ایک ممتاز درجہ اور نوالی شان رکھنے والے بزرگ سلسلہ اکبرویہ کے پیشوا حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ہیں جن کا لقب خواجہ ولی نراش ہے۔ آپ نے جب تاتاریوں کو بلاد اسلامیہ پر ہاتھ صاف کرتے اور مسلمانوں کو تہ تیغ ہوتے دیکھا۔ تو آپ خلوت سے باہر تشریف لائے اور اپنے مریدوں کو جمع کر کے فرمایا کہ آتش کفر پوری تیزی سے بھڑک اٹھی ہے کہ اسلام کو جلا کر رکھ دے۔ اسے بجھانے کیلئے چند جاں باز مسلمانوں کے خون کے چھینٹے درکار ہیں۔ اس جہاد میں کون میرا ساتھ دیتا ہے مردان باخلاص نے عرض کیا کہ ہم آپ کے ساتھ اسلام پر قربان ہونے کو تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا صرف وہی اس کام کے لئے تیار ہوں جنہیں اپنی جان کی پروا نہ ہو۔ مریدوں نے کہا۔ انشاء اللہ ثابت قدم رہیں گے۔

الغرض آپ اپنے مٹھی بھر مریدوں کو لیکر تاتاریوں سے لڑنے کو عجب شان سے نکلے۔ خود وزیرہ کا تو کیا ذکر تلوار بھی میسر نہ ہوئی۔ سب نے اپنی زینبیوں میں پتھر بھر لئے اور تاتاریوں کے لشکر میں پہنچ گئے۔ اور اعلان کیا۔ کہ چونکہ تم محض دشمنی اسلام کی وجہ سے بلاد اسلامیہ کو تہ و بالا کر رہے ہو۔ اور کلمہ توحید کو مٹانا اور کفر اور بت پرستی پھیلانا چاہتے ہو۔ اسلئے ہم پر جہاد فرض ہو گیا ہے اور ہم تم سے لڑنے کے لئے آئے ہیں۔ دیکھا کہ ریعب قسم کے مجاہد ہیں۔ لڑتے ہیں مگر ہاتھ میں تلوار نہیں ہے یہ کوئی تجونی سے درویش ہیں۔ یہ کیا لڑینگے۔ بھوان کو سالار فوج کے پاس لے چلیں۔ چنانچہ وہ انہیں فائدہ لشکر کے پاس لے آئے۔ اس نے ان کا بیان سنا کہہا۔ کہ اے درویشو! جاؤ اپنی خانقاہوں میں جا کر بیٹھو تمہیں لڑنے سے کیا کام۔ شیخ صاحب آگے بڑھے اور بولے اس وقت لا الہ الا اللہ خطرے میں ہے ہم تم سے لڑینگے۔ فتح ہوئی تو غازی در نہ شہید تو ہونگے یہ کہتے ہی پتھر زینبیل سے نکلے اور تاتاریوں پر برسائے شروع کر دیئے۔ جب دشمن نے دیکھا کہ یہ واقعی لڑنے لگے گئے تو وہ تلواریں لیکر بچھٹے اور سب کو شہید کر ڈالا۔ یہ سلسلہ کا واقعہ ہے۔

ان باخلاص مسلمانوں کے اس طرح شہید ہونے کا تاتاریوں کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ اور ان میں سے سعید روح اسخاص اسلام کی حقانیت کے قائل ہو کر مشرف باسلام ہونے شروع ہوئے اور چند سال میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور جیسا کہ بیان ہوا۔

عثمانی ترک خادم اسلام بن گئے۔ وہی تلوار جو اسلام منانے کے لئے بلند ہوئی تھی۔
کفر شکنی کے لئے وقف ہو گئی۔ سہ

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے

پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانیسے



غلام دستگیر ناہی

حکایاتِ مثنوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حضرت نوح اور ان کا بیٹا !

جب حضرت نوح علیہ السلام کی صد سال کی تبلیغ کا بھی سرکشوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تو آپ نے کافروں کی ہلاکت کے لئے اللہ سے دعا مانگی۔ حکم ہوا کہ ایک کشتی بناؤ اور اس میں مومنوں کو سوار ہونے کا حکم دو۔ جو تیری کشتی کی پناہ نہ لے گا۔ ہلاک ہو جائیگا۔

حضرت نوح نے کشتی تیار کی۔ آپ کا بیٹا کنعان بھی دشمنانِ دین کے ساتھ تھا۔ حضرت نوح کی ہر پیری ہوش میں آئی۔ آپ نے طوفان سے پہلے اس سے فرمایا۔ بیٹا ! میری کشتی میں سوار ہو جا۔ تاکہ تو غرق نہ ہو۔ اس نے کہا۔ مجھے کشتی کی پرواہ نہیں۔ میں بہت بڑا تیراک ہوں۔ میں ڈوب نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا ! اس طوفان ہلاکی خطرناک موجوں میں کسی سیراک کی پیرا کی مدد نہیں کر سکتی۔ اس میں شناور کے ماتھے پاؤں تل ہو جائیں گے۔ قہر الہی کی شمع کش آندھی کے سامنے شمع حق کے سوا اور کوئی شمع بجھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کنعان بولا۔ میں پہاڑ پڑھتا ہوں۔ یہاں مجھے طوفان ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

نوح بولے۔ آج کوہ کاہ ہے۔ آج وہی بچے گا۔ جو حبیب خدا ہو گا۔

کنعان نے کہا۔ بابا بھاموش رہ۔ میں نے آج تک تیری بات مانی ہے نہ اب مانوں گا۔ مجھے تیری بات باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ میں دونوں جہان میں تجھ سے بڑا رہوں۔ نوح نے جواب دیا۔ بیٹا یہ ناز کا موقع نہیں۔ موقع بڑا نازک ہے۔ اب ناز چھوڑ دے اللہ تعالیٰ کی ذات رشتہ داری کے تعلقات سے بری ہے۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ باپ ہے نازِ فرزنداں کجا خواہ کشید نازِ بابایاں کجا خواہ شنید

اس وقت اس کا قہر موجزن ہے۔ اے میرے نافرمان بیٹے کا کچھ لحاظ نہ ہو گا۔ اسکو بندگی پسند ہے۔ پیغمبر زادگی درکار نہیں۔

بڑا مصنوع و بندگی واضطرار اندر میں حضرت نثار داغبار
کنعان نے کہا۔ تو ایسی نصیحتیں کرتا کرتا بوڑھا ہو گیا۔ مگر کوئی قائل نہ ہوا۔ اور ہر ایک سے تو
نے جواب سر دی سنا۔ میں نے بھی جان لیا ہے۔ کہ تیری باتیں قابل پذیرائی نہیں۔
حضرت نوحؑ نے فرمایا۔ اے جان پدر کیا حرج ہے کہ اگر تو اب میری نصیحت مان لے
اور نجات پالے۔ مگر اس کہنے کا بھی کنعان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وہ بڑی سختی سے حضرت
نوحؑ کی بات رد کرتا رہا۔

اندر میں گفتن بدند و موج تیز بر سر کنعان زود شد ریز ریز
فوراً ایک تیز موج آئی۔ اور کنعان کو بہلے گئی۔
نوحؑ گفت اے بادشاہ بردبار مر مرا آخر مرد و سیت بردبار
وعدہ کردی مر مرا تو بارہا کہ بیاد اہلت از طوفان رہا
دل نہادم بر امیدم اے سلیم پس پیرا بر بود سیل از من گلیم
حضرت نوحؑ نے عرض کی۔ یا اللہ یہ کیا کیا۔ تیرا وعدہ تھا۔ کہ تیرے اہل و عیال کو بچا
لوں گا۔ آہ نہ میرا گدا بچا نہ اسباب ہے

گفت او از اہل و خویشات بنود خود نہ دیدی تو سفیدی از کبود
چونکہ دندان ترا کرم اوستاد نیست دندان بر کنش اے اوستاد
تا کہ باقی تن نہ گردد زار ازو گر چہ بود آن تو شو بزار ازو
اے نوحؑ! وہ لڑکا چونکہ تیرا نافرمان بردار تھا۔ لہذا اسے اہل میں سے نہ سمجھ۔ دیکھو جو دانت
کرم خوردہ ہو جائے۔ اسے اپنا دانت نہ کہنا چاہئے۔ بلکہ اسے فوراً اکھیر پھینکنا چاہئے۔
تا کہ باقی تن آزار سے بچ جائے۔ حضرت نوحؑ نے عرض کی۔ میں اس بیٹے سے بزار ہوا
میں تیرے حکم کا بندہ ہوں اور تیری تقدیر کے سامنے سر فگندہ۔ اگر تو مجھے بھی عرق کرے
تو بھی مجھے شکایت نہیں ہے

عاشقِ صنّع تو ام در شکر و صبر عاشقِ مصنوع کے باشم جو گبر
عاشقِ صنّع خدا با فر بود عاشقِ مصنوع او کا فر بود

حضرت جبریلؑ اور خلیل اللہؑ

حضرت جبریل علیہ السلام ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچا کر اپنی طرف سے عرض کیا کہ اے خلیل اللہ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائی تاکہ میں تجا ملاؤں۔ اگر کوئی حاجت ہو تو بتائیں۔ تاکہ اسے پورا کروں۔ اس سچی آگاہی پر خلیل اللہ نے جواب دیا کہ مجھے بے شبہہ کئی حاجتیں ہیں۔ مگر خدا کسی اور کا در نہ دکھائے۔ اے جبریل بتا کہ بندے کی وہ کونسی حاجت ہے جس کا خدائے مالک و رزاق کو علم نہیں؟ وہ میری تمام ضرورتوں کو جانتا ہے۔ تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ اپنی حاجات تجھ سے بیا کروں۔

گفت ابراہیم نے رد از میاں واسطہ زحمت بود بعد العیان
کابل حروف واسطہ اے یار غار پیش واصل خار باشد خار خار
جو ما سوال اللہ سے علاقہ توڑ کر صرف اللہ سے لو لگا لیتا ہے اسکو کبھی کی پرواہ نہیں رہتی۔

بہار کی تباہی اور ایک بچے پر فضل الہی

ایک دفعہ خدا تعالیٰ نے عزرائیل (ملک الموت) سے پوچھا کہ تجھے کبھی جان قبض کرتے ہوئے رحم بھی آیا ہے؟ عرض کیا دل تو بار بار کرٹہنا ہے مگر مالک کے حکم کے سامنے غلام کو مجال دم زدن نہیں۔ ہاں ایک واقعہ کی یاد ابھی تک دل پر ساپ بن کر لوٹ رہی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک بہار سمندر میں سبک روی سے اس طرح جہاز ہٹا تھا کہ جہاز میں مرغابی نے فرمایا کہ جہاز کو بھور میں پھنسا دو۔ اور اسکا کیل کاٹا الگ کر دو۔ چنانچہ جہاز تباہ کر دیا گیا۔ اور اہل جہاز غرق ہو گئے۔ صرف دو دم سلامت رہے ایک ماں تھی اور ایک اسکا نو زائیدہ بچہ جو ایک تختے پر پڑے بیٹے جہاز پر تھے۔ آہ بچے کی چاندی شکل نہ بھولنے کی جواں کی چھپائی پر لیٹے ہوئے بڑے ناز سے دودھ پی رہا تھا۔ اسکی ماں بھی جب بچے کو دیکھتی تھی تو اسکا دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔ اور وہ اسی خطرناک حالت کو بھول جاتی تھی۔ جیسے وہ پڑی ہوئی تھی آخر تختہ کنارے پر لگا۔ میں خوش ہوا کہ ماں بچے کی جان بچی۔ مگر مجھے حکم ہوا کہ میں بچے کی ماں کی جان قبض کروں۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل میں جان تو نکال لی مگر تینم لاوارث بچے کی کس مہربانہ حالت کا صدمہ اتیک میرے دل میں ہے۔ اب بھی جب کبھی خیال آجاتا ہے۔ زخم دل تازہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا در حقیقت داستان تو ضرور پرالم ہے مگر تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ پھر وہ بچہ کس حالت میں رہا عزرائیل نے عرض کیا۔ اللہ عالم الغیب والشہادہ ہے

ظاہر باطن سب کچھ اس پر عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم نے موج کو حکم دیا کہ اسکو اٹھا کر
 فلاں ساحل پر ڈال دے جہاں سہانا مغز اڑھتا۔ اور رخسار و گل یکیاں تروتازہ نظر آتے تھے۔
 عشق پیچہ اور سبزہ ہم بغل ہو کر زمین پر لوٹنے لگے۔ اور آب شیریں کے بے شمار چشمے رات دن کھیلنے
 لگے۔ چنبیلی گو حکم دیا کہ اس بچے کے نیچے پھولوں کی سیج بچھا دے۔ سورج سے کہا کہ وہ چمکے۔ گرجے
 کو گرمی سے ضرور نہ پیو جائے۔ ہوا کو تاکید کی تھی کہ وہ بہت ہلکی ہلکی چل کر اسے جسم پر لگے۔ بادل
 کو فرماں تھا۔ کہ وہ اس کے گرد زرافا صلی پر برسے تاکہ بچے کو خشکی تو پہنچے۔ مگر اس کے جسم کو نمی سے
 تکلیف نہ ہو۔ وہاں کے درخت پھلوں سے اسقدر لدے تھے۔ کہ شاخیں جھک کر پھل
 خود بخود اس کے منہ میں ڈال دیتی تھیں۔ وہاں ایک شیر فی تازہ میاں بی تھی۔ سینے اس کے
 دل میں رحم ڈال دیا۔ وہ سرور کئی بار آتی اور اسے دودھ پلا دیتی۔ اسے خوف سے کوئی
 اور جہانور اسے گزند نہ پہنچا سکتا۔ جب بچہ اس طرح بڑھا تھا۔ ایک بادشاہ ہرن کے کچھ گھوڑا
 دوڑاتے ادھر اٹھا۔ بچہ کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ اسے اٹھا کر بیگم کے پاس لے گیا۔ ان
 کے ہاں کوئی میٹا نہ تھا۔ انہوں نے اسے بیٹا بنا کر پالا۔ پل کر وہ شیر جیسا جوان ہوا۔ آخر وہ مالک
 تاج و تخت بن گیا۔ اور غرور تکبر سے ہمارے بندوں کو لوٹنے مارنے لگا۔ اور یہاں تک
 بڑھا کہ خود خدا بن بیٹھا۔ اور اپنے بت بنوا کر سجدے کروانے لگا۔ اس نے ایک بڑے میدان
 میں اپنی تمام رعایا کو جمع کیا۔ اور حکم دیا کہ اسے سجدہ کریں۔ جو سجدہ نہ کریں گے انہیں آگ میں
 جلا دوں گا۔ غوام الناس تو رہے ایک طرف اس نے ہمارے پیارے خلیل (ابراہیم) کو بھی
 آگ میں بھونک دیا۔ مگر ہم نے نار کو تختہ کلار کر دیا۔

اے عزرائیل اب بتا کہ جس پر تجھے رحم آیا ہم نے اس کے ساتھ کون سا براسول کیا کہ خاک
 کافی تیرا ہمارا شریک بن بیٹھا۔ عزرائیل بوئے۔ اے مخلوقات کے خالق اور مالک تو ہی
 بھیدوں کو جاننے والا ہے۔ تجھ سے بڑھ کر بندوں پر اور کون مہربان ہو سکتا ہے میں نے
 تو واقعی خطا کی کہ اس سرکش بچے کی حالت سے بے خبر ہو نیکی و ہرے دل میں خیال ملال لاتا رہا۔
 ان ان اگر کوئی کمال حاصل کرے تو اسے چاہئے کہ غرور تکبر نہ کرے۔ کیونکہ اسکی
 کچھ ہستی نہیں۔ خدا ہی کو کبریائی زیادہ ہے۔

گرگ در ماند است نفس بد یقین
 چہ بہانہ نے ہنخی بر ہر فتریں

حضرت یوسف اور حسن کا نظارہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک دوست بڑی مدت کے بعد ملا۔ وہ بڑے ملکوں کی سیر اور تجربہ حاصل کر کے آیا تھا۔ حضرت کے سامنے اس نے مجرور کے تمام عجائب و غرائب بیان کئے۔ جب بائیس ہو چکیں تو صدیق نے فرمایا کہ میرے لئے تم کیا سوغات لائے ہو، وہ بولا۔ آپ دین دنیا کے بادشاہ۔ میں آپ کے لئے کیا تحفہ لاتا۔ قطرہ دریا کے پاس اور زرہ صحرا کے پاس کیا بد یہ پیش کر سکتا ہے۔ اے میرے صدیق یوسف! آپ کا حسن و جمال لاثانی ہے ہر ایک اس کی دید سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ مگر آپ خود اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے ہیں ایک ایسی چیز لایا ہوں جس سے آپ اپنے حسن کا نظارہ کر سکیں گے۔

یہ کہہ کر اس نے آئینہ نکال یوسف کے سامنے کر دیا۔ آپ اپنے حسن کا ملبوہ دیکھ کر گر پڑے۔ بی بی زلیخا نے سنا تو کہا ہے
اب تو میری قدر پہچانے گا تو عاشقوں کے درد کو جانے گا تو
تو کہا کرتا تھا سودائی مجھے میں نظر آتی تھی دیوانی تجھے
اب پتہ تجھ کو لگا اے بے خبر حسن کا ہوتا ہے کیا دل پر اثر
دوسروں کی عیب جوئی وہی کرتا ہے۔ جسے اپنی خبر نہ ہو۔

موت سے بھاگنے والا موت کے منہ میں

از کہ بکر نیم از خود ایں محال از کہ برتاہیم از حق ایں وبال
حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک بڑھا آدمی اپنا کاپتا آیا۔ خوف سے اس کے پہرے کانگ زرد تھا۔ اور مونٹ نیلے۔ حضرت سلیمان نے پوچھا یہ تیرے منہ پر سو اٹھیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔ تجھے کس نے اس قدر خوف زدہ کر دیا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ یا حضرت! مجھے آج ملک الموت نظر آیا ہے۔ اسکی مہیب صورت سے میں اس قدر خائف ہوا کہ رنگ فق ہو گیا۔ خدا نے جنت اور ہوا کو آپ تاہم فرما کر دیا ہوا ہے۔ براہ کرم مجھے یہاں سے دور ہندوستان میں پہنچانے کا انتظام کریں تاکہ میری جان میں جان آئے اور دل سے عزرائیل کا درد دور ہو۔ حضرت سلیمان نے ہوا کو حکم دیا اور وہ شخص اسی دن ہندوستان پہنچ گیا۔ دوسرے دن صبح کو حبیب سلیمانی دربار لگا تو حضرت عزرائیل بھی حاضر ہوئے۔

سلیمان نے اس خوف زدہ شخص کا حال پوچھا۔ ملک الموت نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کا ہندوستان میں کل ہی مرنا مقدر تھا۔ میں نے جب اسکو یہاں پایا تو تعجب سے اسکی طرف غور سے دیکھا اور سمجھا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ موت کا فرشتہ دیکھ کر اس کا پریشان ہونا قدرتی امر تھا۔ پس وہ آپ کے پاس آیا کہ آپ اسے ہندوستان پہنچا دیں تاکہ اس کا خوف دہراں دور ہو۔ اس نے بڑے غم خود موت سے بچنے کی تدبیر کی بودراصل اس کے مقام موت پر پہنچنے کی تقدیر تھی۔ پس میں نے اسکی دیں جان قبض کی جہاں مشیت ایزدی میں اس کو مرنا تھا۔ انسان موت سے بچنے کی تدبیر کرنا ہوا موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

ہوا اور مچھروں کا مقدمہ

مچھروں نے باغ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ ہوا کا کچھ بندوبست کرنا چاہئے کیونکہ یہ ہمیں کہیں ٹٹنے نہیں دیتی۔ ہم پیوند زمین ہونے سے رہے۔ فضا میں جب کبھی ہم جا کر پڑھوالتے ہیں اور پانچ دس ایک جگہ جمع ہو کر رقص و سرود کی محفل گرم کرتے ہیں تو یہ بے رحم ہوا جھٹا کر ہمیں پرالندہ کر دیتی ہے۔ ہمارا باہم مل بیٹھنا اسے ایک گھڑی نہیں بھاتا۔ آخر بڑی فیملی و قال کے بعد یہ تجویز پاس ہوئی۔ کہ حضرت سلیمان کے پاس مقدمے جانی۔ الغرض مچھر حاضر و بار ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یا حضرت ہم پر ظالم کا ظلم مد سے بڑھ گیا ہے ہم کمزور بیکس ہیں۔ ہمارا دشمن قوی ہے ہمارے بازو مضبوط کر دیجئے۔ ہماری دستگیری فرمائیے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اس ظالم کا کیا نام ہے۔ کس کی جرات ہے کہ میرے عہد میں کسی پر جور و تعدی کر سکے۔ مچھر بولے حضرت اس کا نام ہوا ہے۔ جسے خدا نے آپ کا تابع فرمان کیا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے یک لخت غور کر کے فرمایا میرا بدستور ہے۔ کہ جب تک فریقین یعنی مدعی اور مدعا علیہ کے سوال و جواب نہ سن لوں۔ میں کچھ فیصلہ نہیں کیا کرتا۔ تنہا پیش قاضی رومی راضی آئی۔ مشہور ضرب المثل ہے یہی دوسرے فریق کی بات سے بغیر کیا حکم لگاؤں۔ ہوا کے خلاف اگر میں نے ڈگری دے دی تو وہ اگر نہ کہے گی کہ حضرت! کیا آپ کو باطل است! آپ مدعی گویا کے قول کی بھی ضرورت تھی کہ میرا اندر سے بغیر فیصلہ کر دیا، حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ ہوا! اور عدلی کے دعوئی کا رد پیش کر۔ ہوا حکم سننے ہی پہلے لگی۔ مچھروں نے راہ گریز اختیار کر لی۔ حضرت بولے۔ مچھرو!

کہ مصر جاتے ہو۔ ٹھہرو۔ تاکہ میں تم دونوں کا بیان لیکر فیصلہ کروں۔ پھر بولے یا حضرت
ادھر ہوا آئی اور ادھر ہم ہوا ہوئے۔ ہمارے پاؤں اسکے سامنے نہیں جم سکتے۔ اسکی سستی
ہماری نیتی ہے۔ یہ حکایت بیان کر کے مولانا فرماتے ہیں سہ

بچیں جو یائے درگاہ خدا ہوں خدا اید شود جو بندہ لا
گر چہ ازل و صلت بقا اندر بقا است لیگ از اول بقا اندر فنا است
سایہ ہائے کہ بود جو یائے نور نیست گرد و چوں کند نورش ظہور
یعنی جب بندہ خدا پا لیتا ہے۔ تو خود اس کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے۔ جب سایہ
کی طرف نور آتا ہے۔ تو سایہ خود معدوم ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ کی ولادت اور فرعون کی ہلاکت

فرعون نے ہزاروں بخونی اور بھاؤ گر ملازم رکھے ہوئے تھے۔ جو اپنے علم و عقل کے
مطابق اسے نیک و بد سے مطلع کرتے۔ ایک رات فرعون نے بڑا وحشت خیز خواب دیکھا
بمجموں سے اس نے تعبیر پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ ایک شخص پیدا ہوگا۔ جو تجھے ہلاک کر
دیگا۔ اس نے پوچھا کہاں پیدا ہوگا۔ جواب ملا۔ خود تیرے شہر مصر میں۔ اس پر اسے بڑا غم ہوا۔
اور بولا کہ کوئی تدبیر کرو کہ قصائل جلائے۔ انہوں نے کہا۔ اے بادشاہ ہم نے علاج سوچ لیا
ہے۔ پوچھا وہ کیا۔ بولے فلاں رات تیرے دشمن کی ولادت کے سامان ہونگے تو سامان کے
انکان کو روک دے۔ حکم دے کہ اس سے قبل صبح ہی کو تیرا تخت کھلے میدان میں بچھا دیں
شیر کے گوشے گوشے میں منادی کر دی جائے کہ بادشاہ اب امر ایکیوں پر مہربان ہو گیا ہے
اسی وہ حکم منوخ کر دیا ہے۔ جسکی رو سے وہ بادشاہ کا منہ نہیں دیکھ سکتے تھے اور اگر بادشاہ کی
سواری بازار میں سے گزر رہی ہوتی تو انہیں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جانا حکم تھا۔
اور اسکی غلاف و رزی کرنے والے کیلئے سخت سزا مقرر تھی۔ اب اے امر ایکیو! بڑی خوشی
سے میدان میں جمع ہو۔ بادشاہ کا دیدار کرو۔ اور ایکے انعام و اکرام سے مالا مال ہو۔ خبردار کوئی
مرد شہر میں نہ رہے۔

لوگ فرعون کی دید کے بھوکے تھے۔ وہ بوق در بوق میدان میں جمع ہونے شروع ہوئے
بادشاہ اپنے مطلب کے لئے انکے سامنے جلوہ گر ہوا۔ ان سے ملکر بڑا اظہار مسرت کیا۔ اور

دلداری و بخشش و عطائے اپنی میربانی کا سکہ ان کے دلوں میں بٹھا دیا پھر کہہ میری خوشی
 ہے کہ تم سب اس میدان میں شب بانش رہو اور گھروں کو نہ جاؤ۔ انہوں نے کہا بادشاہ کے
 غلام ہیں ایک رات کیا ہم ایک مہینہ یہاں رہنے کو تیار ہیں۔ فرعون ان کو میدان میں بٹھرا
 کر شادمان محل کو واپس آیا۔ ایکے ساتھ اسکے خازن عمران والد حضرت موسیٰ بھی تھے۔ یہ
 بھی بنی اسرائیل میں سے تھے مگر ان پر فرعون بڑا مہربان تھا۔ فرعون کو اعتبار تھا کہ وہ کوئی
 ایسی بات نہ کرے گی۔ جو اس کے خلاف ہوتا ہم احتیاطاً فرعون نے ان سے کہا کہ آج
 اپنے گھر جا کر نہ سونا۔ انہوں نے کہا بسرو چشم۔ چنانچہ وہ فرعون کی بارگاہ میں ہی سو رہے
 ادھی رات کو ان کی بیوی خود چل آئی پاس پہنچ گئی ہے

گفت عمران ایں زماں چوں آمدی گفت ارمشوق و فضا ئے ایزدی
 در کشیدش در کنار از مہر مرد بر نیاید با خود اک دم در بند
 بخت شد با و امانت را سپرد پس بگفت ای زن نہ ایں کار است نزد
 اپنے بر سنگ زو زاد آتشے آتشے از شاہ و ملکش کنش کشتے
 من چو ابرم۔ تو زمین موسیٰ نبات حتی ستہ شطرنج و ماما تیم و مات
 آنچہ ایں فرعون سے رسید ازو بہت شد ایں دم کہ گشتم بخت تو
 باز گرد و پیچ از نیب دم مزین تا نیاید بر من و تو صد حزن !

یعنی عمران نے حضرت موسیٰ کی امانت اپنی بیوی کو سپرد کر دی۔ اور کہا کہ جس بات
 سے فرعون مخالف تھا وہ ہو گئی۔ مگر خبردار اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا ورنہ نہ تیری حبان
 کی خیر ہے نہ میری کی۔ اب جا اپنے گھر جا کر لیٹ رہ۔

اس کے بعد میدان سے بڑی درواغیز آوازیں آنے لگیں جنہیں سکر فرعون ننگے پاؤں
 باہر آگیا۔ اور عمران سے پوچھنے لگا۔ کہ یہ کیا شور و غوغا ہے۔ وہ بولے کہ بنی اسرائیل
 تیری نوازشوں سے شادمان ہو کر خوشی کے نعرے مار رہے ہیں۔ فرعون نے کہا شاید ایسا
 ہی ہو مگر وہم و اندیشہ سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔

اس صدا جان مرا تغیر کرد از غم و اندوہ تلخم پیر کرد
 اصل بات یہ تھی۔ کہ وہ شور و غوغا جو میوں کا تھا۔ جنکو معلوم ہو گیا تھا کہ
 حضرت موسیٰ کا ستارہ آسمان پر روشن ہو گیا ہے۔

ہر پیمبر کہ در آید در رحم
نجم او در چرخ گردد منتجم
بر فلک پیدا شد این ستارہ اش
کوربی فرعون دگر و چارہ اش
جب دن چڑھا۔ فرعون نے کہا۔ عمران! بہاؤ اور خیر لاؤ کہ میدان سے نعرے کیسے بلند
ہو رہے تھے۔ چنانچہ عمران گئے اور پوچھا کہ کیا مابراختیار یہ سنگربنجم منہ پیٹے۔ سر پر خاک
ڈالتے اور بال نوچتے ہوئے۔

عذر آوردند و گفتند اے امیر
کرد مارا دست تقدیر بش اسیر
ایں ہمہ کردیم و دولت تیرہ شد
دشمن شہ ہمت گشت و چہرہ شد
کہنے لگے کہ اے امیر! تقدیر نے ہماری تدبیر خاک میں مادی۔ اور بادشاہ کا دشمن بہت
ہو کر غالب آگیا۔ یہ مگر عمران نے بھی دکھاوے کے طور پر افسوس سے سر پیٹ لیا۔ اور
فرعون کے پاس واپس آکر کہا۔ بادشاہ! بخوبی بڑے جھوٹے ہیں۔ انہوں نے ناہی بادشاہ
کو تکلیف دی۔ روپیہ مفت مصالح کرایا اور بنی بنائی عزت بھی برباد کی۔ انکے بلند بانگ
دعوائے فضول ثابت ہوئے۔ اور بادشاہ کو فکر و غم سے کچھ نجات نہ ملی بلکہ اندیشہ اور پختہ
ہو گیا فرعون یہ سنگربنکھڑا غصہ بنا کر ہوا۔ بخومیوں کو طلب کیا اور ان پر برس بڑا اور کڑک بولا۔ اے
نامرادو! تم نے مجھے سخت دھوکا دیا میں تمام عمر تمہیں زر و دولت سے مالا مال کرتا رہا۔ کہ وقت
پر عقل سے کام لیکر میری معاونت کرو گے۔ مگر میری کچھ مدد تم نہ کر سکے۔ بلکہ الٹا مجھے یہ بتانے
آئے کہ دشمن کا ستارہ اوج فلک پر طلوع ہو گیا تم نے مجھے دشمنوں کا مضحکہ بنا دیا۔ آج رات
تمام اسرائیلی اپنی عورتوں سے الگ رہے۔ مگر مجھ بھی میرا جان لیوا ہستی یہ ہو گیا یہ ہے
تمہارا ہی رائے تدبیر! یہ ہے تمہارا علم نجوم۔ تم مکار ہو۔ بد بخت اور شوم ہو۔ میں تمہارے
ہونٹ ناک اور کان کٹوا کر تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا۔ اور پھر جلا کر خاک کر دوں گا۔ بد بختو!
تم مفت میں عیش کرتے رہتے اور کچھ یاوری نہ کر سکے۔

فرعون کے یہ الفاظ سنگر بخوبی لرز گئے اور مارے خوف کے اوندھے گر پڑے اور کہنے
لگے اے بادشاہ! مجھے ہمیشہ تیری بلا میں دفع کی ہیں اور مجھے قبل از وقت حوادث سے
مطلع کرتے رہے ہیں۔ مگر اب جو واقعہ ہوا ہماری عقل و فکر سے باہر ہے۔
فوت شد از ما و حملش شد پدید
نطفہ اش جست و رحم اندر خزید
مگر اب بڑی ہوشیاری سے اس کے روز ولادت کا دھیان رکھیں گے اور مجھے بروقت

مطلع کر دیگے تاکہ وہ پیدا ہوتے ہی مار دیا جائے۔ اگر ہم جب بھی ناکام رہیں تو پھر نہیں بے شک مذاہبوں سے مار ڈالنا۔

فرعون نے نو مہینے دن گن گن کر کاٹے تاکہ قاتل کو پیدا ہوتے ہی کلا گھونٹ کر مار ڈالے مگر وہ بے عقل نہیں جانتا تھا۔ کہ تقدیر الہی کے سامنے تدبیر کی ہند چلتی ہے
برقنا ہر کوشیخوں آورد سہنگوں آید سر خود را خورد
بچوں مکاں بر لامکاں حملہ برد خون خود یزد بالا را خورد
بچوں زمیں با آسماں خصمی کند شورہ گرد سر ز مرگی بر زند
نقش بافتاش پنجرے زند سہستان وریش خود برے کند

جب نو مہینے پورے ہو چکے تو پھر فرعون نے دوسری بار مصر میں منادی کرائی کہ بادشاہ اب عورتوں اور بچوں پر اسی طرح خود دگر کم کی بارش کرنا چاہتا ہے جس طرح وہ نواہ شیشہ مردوں پر فرما چکا ہے۔ پس ہر عورت اپنے بچہ کو جو ایک مہینے کے اندر پیدا ہوا ہو لیکر میدان میں پہنچے۔ بادشاہ کا دیدار کرے۔ اور انعام و اکرام سے بہرہ اندوز ہو۔ بادشاہ نے بچوں کے لئے زریں ٹوپیاں تیار کرائی ہیں۔ جو انہیں میدان میں پہنائی جائیگی۔ یہ حکم سن کر عورتیں بچوں کو لئے ہوئے خوش خوش میدان میں چلی آئیں۔ بچہ پاویں کو کیا خبر تھی کہ ان پر کیا کیا ستم ڈھائے جائینگے۔ جب جمع ہو گئیں تو سب کے لڑکے چھین کر جلا دوں کے سپرد کر دئے گئے۔ جنہوں نے ایک ان میں ان کے سر کاٹ کر رکھ دیے۔ فرعون خوش تھا۔ کہ ان میں اسکے دشمن کا سر کٹ گیا۔ مگر وہ بیوقوف نہیں جانتا تھا۔ کہ جس کے ہاتھوں اسکی تنہا ہی مقدس ہے وہ نہیں مر سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ میدان میں آئی ہی نہ تھی۔

فرعون نے مزید احتیاط کے طور پر جاسوس عورتیں مقرر کیں کہ وہ خانہ بجانہ چکر دکھیں کہ کوئی لڑکا زندہ تو نہیں رہ گیا۔ چنانچہ انہیں پتہ لگا۔ کہ ایک گویہ میں ایک عورت کا بڑا پر فن لڑکا موجود ہے۔ فرعون نے فوراً سپاہی بھیجے کہ گھر کی تلاش کرو۔ اور لڑکے کو لا کر میرے سامنے قتل کر دو۔ جب سپاہی دروازے پر پہنچے۔ حضرت موسیٰ کی والدہ نے دیکھتے ہوئے تنور میں بچے کو امر الہی سے ڈال دیا۔ اسے یقین تھا کہ بے لڑکا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی نسل سے ہے آگ میں نہیں جل سکتا۔

امراؤ سوئے زن از داد گز کر از اصل آن غلیل است ای سپر
در تنور انداز موئے را تو زود تا نگہ دارم آتش از مرنا و دود
زن بوجی انداخت اورا در تنور بر تن موئی نہ کرد آتش اثر

سپاہی گھر میں گھسے پہنچا تلاش کیا مگر لڑکا کہیں نہ ملا۔ آخر باپوس ہو کر پچے گئے۔ ان کے بھائی
بعد ماں نے بچے کو تنور سے نکال لیا۔ اور وہ پھر گھر میں پہنچے اور پھیلنے لگا۔ جاسوس فرعون
نے پھر جاکر فرعون کو رپورٹ دی کہ بچہ موجود ہے۔ ماں نے اسے کہیں پھیل دیا تھا۔ فرعون نے
پھر آدمی بھیجے کہ نہ صرف اس گھر کی تلاشی لو۔ جس میں بچہ ہے بلکہ پاس کے تمام گھروں کا کوئی
کوئی چھان ڈالو۔ اور لڑکا فوراً قتل کے لئے حاضر کرو۔

جب متلاشی گھر کے قریب پہنچے۔ تو حضرت موسیٰ کی والدہ ماجدہ کو خدا کا حکم پہنچا کہ اپنے
لخت جگر کو دریائے نیل میں ڈال دے۔ اور ہم یہ بھروسہ رکھو۔ ہم تجھے بچے کے خوش و خرم
ملا دیں گے۔

باز وحی آمد کہ در آبش فگن روئے در امید دارد مو من
در فگن در نیش و گمن اعتماد من ترابا اور سامن روسفید
مادرش انداخت اندر رود نیل کار را بگذاشت بانعم الوکیل
ماں نے بچے کو رود نیل میں ڈال دیا۔ اور نعم الوکیل خدا پر توکل کر کے بیٹھ گئی۔ فرعون نے
جو بھی چال چلی ناکام رہی۔ اس نے حضرت موسیٰ کے مارنے کے لئے سیکڑوں بیگناہ
معصوم بچے قتل کر ڈالے مگر حضرت موسیٰ کا بال بھی بنیکا نہ کر سکا۔

صد ہزاراں طفل فی کشت از برون موئے اندر صدر خانہ در درون
از جنوں میکشت ہر جہاد جنیں از خیل آن کو رچشم دور بین
اژدہا بود و عصا شد اژدہا اس بخورد آن را بتوفیق خدا
جیلہا و چارہ ہا گر اژدہا است پیش الا اللہ انہا جملہ کا است

حضرت موسیٰ ابھرتے بہتے فرعون کے محل میں پہنچے۔ اسکی بیوی نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا
آپ کی ماں کو بلا کر دایہ مقرر کیا۔ فرعون نے اپنے قاتل کو خود اپنے گھر میں پالا۔ جوان ہوئے
تو بار نبوت سپرد ہوا۔ ساختہ ہی حکم ملا کہ اپنے پرورش کنندہ کو جاکر سمجھا کہ بندہ ہو کر خدائی
کا دعویٰ نہ کرے۔ معجزہ عصا عطا ہوا۔ آپ فرعون کے پاس آئے اسے تبلیغ کی۔ وہ جھٹلایا

مقابلہ کے لئے ہمارے گئے۔ جہنوں نے سانپ بنا کر دوڑا ڈالے۔ حضرت موسیٰ نے عصا
ڈالا۔ جو اڑ رہا بنکر مصنوعی سانپوں کو چٹ کر گیا۔ فرعون اس وقت خوفزدہ ہو کر توبہ کیلئے تیار
ہو گیا۔ مگر پھر وزیر ہامان نے بہکا دیا۔ کہ اتنے برس خدائی کی اب بندگی کا اقرار کرو گے تو بڑی
کر کر دی ہوگی۔ فرعون پھر اکر گیا۔ حضرت موسیٰ کے تعاقب میں لشکرے کر روانہ ہوا۔ دریائے
نیل پر پہنچے۔ تو حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ عصا مارو۔ دریا بھٹ کر ادھر ادھر ہو گیا۔ خشک
راستہ نکل آیا۔ مومن پار اتر گئے۔ فرعون نے بھی راہ خشک دیکھ کر لشکر سمیت اندر قدم رکھا
تو دریا پھر اٹلا۔ اور فرعون اور فرعون کی سب غرق ہو گئے۔

نیل را بر قطبیاں حتی خوں کند سبطیاں را از بلا محصوں کند
آب بر فرعون در دم خوں شود بر کلیہ قذ ناممنوں شود
لطف او عاقل کند مرہیل را قہر او ابلہ کند قابیل را
نیل کا پانی بنی اسرائیل کے لئے نعمت بن گیا اور فرعونوں کے لئے قہر جب کوئی فرعونی
پینے لگتا۔ تو پانی خون ہو جاتا۔ اور سبطی کے لئے نوش خوشگوار۔ ایک دفعہ ایک قطعی (فرعونی)
نے اپنے موسائی دوست سے بصد منت پانی مانگا۔ اس نے دریائے نیل سے ایک پیالا
بھرا پیلے خود پیا پھر قطعی کے منہ سے لگایا کہ پیو۔ مگر اسکے لب کے ساتھ لگتے ہی پانی نے
خون کی صورت اختیار کر لی۔ اس نے پوچھا بھائی سبطی یہ کیا معاملہ ہے۔ وہی پانی تو پیے تو
اصلی شکل پر قائم رہے۔ میں پینے لگوں۔ تو لہو بن جائے۔ سبطی نے کہا۔ حضرت کلیم اللہ
کا دوست بن جاتا کہ تیرے لئے آب خون نہ ہو۔

قوم موسیٰ شو بخور این آب را صلح کن بائمہ بین مہبتات را
اے موسیٰ شو کہ تیرے خوب نیت جہلہ ات بادہتی پیمودنی است
کے طفل میں شوی و راعترا ف چوں ترا کفرے است ہچو کوہ قاف
تو بدیں زیر چوں نوشی ازاں چوں حوامش کرد حتی بر کافراں
جس چیز سے اللہ تعالیٰ کسی کو محروم کر دے۔ وہ اس کی قیمت نہیں ہو سکتی۔

جہانوں کی بولیاں سیکھنے والا نوجوان

ایک نیک بخت جوان ہر وقت حضرت موسیٰ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن

اس نے کلیم اللہ سے عرض کیا کہ مجھے جانوروں کی بولیاں سیکھنے کا شوق ہے دعا کیجئے کہ مجھے یہ علم حاصل ہو جائے۔ حضرت موسیٰؑ نے بہت دفعہ ٹالا۔ مگر وہ نہ ٹالا۔ اور آپ کے سمجھانے کا اسے کوئی اثر نہ پڑا۔ انسان کا خاصہ ہے کہ جس چیز سے اسے روکا جائے وہ اسی کی طرف لپکتا ہے۔

جب اس اصرار سے گزر گیا۔ تو حضرت موسیٰؑ نے بارگاہ ایزدی سے اجازت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہم نے ان کو عقل اور اختیار دیا ہے۔ وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ اسکو حیوانوں کی بولیاں سکھا دو۔ چنانچہ اسے یہ علم عطا کر دیا گیا۔ دوسرے دن جب شام کا آنا کھا کر یہ شخص اپنے گھر کے آگن میں پھر اٹھا۔ اسکی نادمانہ دتر خان بھڑا اس سے ایک بوٹی گری۔ کتا لینے کو پکا۔ مرغ پاس ہی بٹھا تھا۔ اس نے وہ بوٹی اڑالی۔ کتا منہ بکھار گیا اور مرغ سے کہنے لگا۔ ہڈی بوٹی میرا حق ہے اور دانہ زکا تیرا۔ تو نے میرا حق مار کھایا۔ مرغ بولا صبر کرو۔ کلی آقا کا بیل مر جائیگا۔ پیٹ بھر کر سیر نہ لینا۔ نوجوان نے یہ بات سنتے ہی بیل بیچ ڈالا۔ کتے نے مرغ کو بٹھلایا۔ اس نے کہا میں نے جو کہا تھا۔ وہ ٹھیک تھا۔ آقا نے بیل کے ٹکے سیدھے کر لئے اور وہ دوسرے گھر جا مرا۔ اب پرے اس کے گھوڑے کی خیر نہیں۔

نوجوان نے یہ بات بھی سن لی اور فوراً گھوڑے کے دام بھی گھرے کر لئے۔ کتا مرغ سے کہنے لگا۔ گھوڑا نہ مرا۔ اور میں پھر گوشت کو ترستا ہی رہا۔ مرغ نے کہا۔ آقا نے غلطی کی۔ کہ جو بلا بیل اور گھوڑے پر پڑ کر ملتی تھی۔ وہ اپنے سر ڈال لی۔ اب کل آقا کی باری ہے۔ اس کے مرنے پر نہان و صواچکے گا۔ جس سے ضرور بھی جھٹکے گا۔ یہ بات سن کر نوجوان کے ہاتھ کے ٹوٹے اڑ گئے۔ وہ موت کی خبر سن کر بدحواس ہو گیا۔ اور حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں جا کر عرض کرنے لگا۔ کہ میری خطا معاف کر دیں اور جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا علم سب کر لیں۔ مجھے موت سے بچائیں۔

گفت تیرے جہت ازشت ایسے پر نیت سنت کا یاد واپس دگر
حضرت موسیٰؑ نے کہا اللہ کی تقدیر نہیں ملتی۔ میں بہانتا تھا۔ کہ یہ علم تیری ہلاکت کا باعث ہوگا۔ مگر تو نے میری بات نہ مانی۔ اور اپنی موت کا سامان خود خریدا ہے
درست را بر اثر دہا آن کس زند کہ عصا راستش اثر در ہا کند

ہر غیب اُن را سزد آموختن کہ ز گفتن لب نواند دوختن
 در نور در یازند جز مرغ آب فہم کن واللہ اعلم بالصواب
 ہاں میں خدا سے دعا کروں گا۔ کہ تجھے دنیا سے با ایمان اٹھائے
 چونکہ ایمان بردہ باشی زندہ چونکہ با ایمان روی پائندہ
 یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ اس حالت دیگر گوں ہو گئی۔ اسے ایک قے آئی۔ حبان
 کے لائے پڑ گئے۔ لوگ اٹھا کر اسے گھر لے گئے۔ اور وہ جان بحق تسلیم ہو گیا۔ مولانا فرماتے ہیں
 پسند موسیٰ نشوئی نشوخی کنی خوشیتن بر تیغ فولادی می زنی
 شرم ناید تیغ را از جان تو آن تست آیں اسے برادر آن تو
 یعنی جو نبی کا کہا نہیں مانتے۔ وہ ہلاکت میں پڑتے ہیں۔ آدمی کو نقصان مال پر غم نہیں
 کرنا چاہئے۔ بلکہ سمجھنا چاہئے۔ کہ یہ نقصان اس کی جان کا فدیہ ہو گیا ہے اور مال پر
 بلا لگ گئی ہے۔ ہر انسان کو علم غیب نہ عطا ہونا بھی حکمت الہی پر کمینی ہے۔ اگر
 اسے یہ مل جاتا۔ تو اس پر زندگی و مال ہو جاتی۔ اور وہ ہر وقت وقف غم و اغم میں رہتا ہے
 تابدانی کہ زیان جسم و مال سود جہاں باشد رہا نذر وبال
 حضرت موسیٰ اور گڈریا

مادر وں را بنگریم و حال را مایروں را سنگریم و قال را
 حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن جنگل میں جا رہے تھے۔ آپ
 نے دیکھا کہ ایک بھڑکریاں چرانے والا گڈریا یا سر دیار منہ کے دست بستہ کھڑا ہے۔
 اور بڑے شوق سے کہہ رہا ہے کہ اے خدا میرے پاس آکر بیٹھ۔ تاکہ میں تیری جوتی سیوں
 تیرے سر میں لگائی کروں۔ تیری جوتییں ماروں۔ میں تیرے ہاتھ پاؤں دھوؤں۔ تجھے
 نہلاؤں۔ صاف ستھرے کپڑے پہناؤں۔ اور تجھ پر قربان ہو جو جاؤں۔ اگر تو میرے پاس
 آئے تو میں اپنا کبیل بچا کر تجھے اسی پر بٹھاؤں۔ اور بکریوں کا تازہ تازہ گرم گرم دودھ
 تجھے پلاؤں۔ اگر تو بیمار ہو جائے تو میں تیری انہوں کی طرح خدمت کروں۔
 تیرے ہاتھ چوموں تیرے پاؤں دبا کر تجھے میٹھی ٹینڈسلاؤں۔ جب صبح خواب استراحت سے بیدار
 تو تیرے دھلاؤں تیرے کھانے کے لئے فوراً قلیا۔ پلاؤں پینیر۔ کوٹھے۔ کھن ملانی اور

بکریاں کر اوں۔ اپنے ہاتھ سے تجھے کھلاؤں۔ اگر تو مجھے اپنا گھر دکھاوے۔ تو
میں تازہ زندگی صبح و شام تیرے ہاں دودھ اور مکھن پہنچا دیا کروں۔ میری تمام بھڑ
بکریاں تجھ پر تسویان رہیں۔

اے فدائے تو ہمہ بزرگائے من اے بایات ہے ہے دہیائے من
حضرت موسیٰ نے اسکی یہ مستانہ باتیں سنیں اور قریب جا کر پوچھا۔ کہ تو کس سے یہ
باتیں کر رہا ہے۔ تو کس کا میزبان بننا چاہتا ہے۔ تجھے کس کو اپنے ہاں دعوت پر بلانے
کی اس قدر آرزو ہے۔ گڈریا بولا۔ میں اس سے ہم کلام ہو رہا ہوں۔ جو میرا پیدا کر نیوالا ہے
جس نے مجھے بولنے کی زبان دی۔ مجھے یہ بھڑ بکریاں عطا کیں۔ جنکے دودھ کو میں اپنی
غذا اور جن کی پٹم سے میں اپنا لباس بناتا ہوں۔ جس نے مجھے یہ چیزیں دی ہیں۔ میں
اسی کے دئے سے اسکی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ مجھ غریب کے گھر تشریف لے
آئیگا۔ تو میں خوشی سے پھولانہ سماؤں۔ میری آبر و بڑھ جائے گی۔ اور اسکی شان
شان میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

حضرت موسیٰ نے کہا۔ گڈریے! نیز کلام بڑا گستاخانہ ہے۔ تو خدا سے ایسی باتیں
کر رہا ہے۔ وہ تو سب کار از حق ہے۔ اسے کسی کھانے کی احتیاج نہیں نہ وہ ٹھکتا
ہے۔ نہ اسے نیند آتی ہے۔ تو اس کے پاؤں کیا دبائے گا۔ تو کیا سمجھا کہ اس کا تیرے
جیسا جسم ہے جہاں لے اور یقین کرے کہ اسکا کوئی رجم نہیں۔ اسے تیرے جیسے ہاتھ
پاؤں نہیں وہ سب چیزوں سے بے نیاز ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ وہی سب
کا حاجت روا ہے۔ وہ تیرے پاسی کبیل پر بیٹھ کر تیری بکریوں کا دودھ نہیں بی سکتا
دیکھ فاطمہ عورتوں کے لئے کیسا برگزیدہ نام ہے۔ اگر تو کسی مرد کو فاطمہ کہہ کر پکارے
تو وہ یقیناً تیرے گلے کا مار ہو جائے۔ بس ایسے بے ادباز کلام سے تو بے فکر
حضرت موسیٰ نے اس غریب گوائے کو اس قدر دبا دیا کہ وہ بالکل سہم گیا اور کہنے
لگا اے موسیٰ! تو نے میری زبان بند کر دی۔ میرا منہ سی دبا اور پشیمانی پیدا کر کے میرا دل
جلا دیا۔ پس وہ چیخ مار کر اور کپڑے پھاڑ کر ایک طرف جنگل کو نکل گیا۔ اور سنی وقت
کا حکم سن کر اس نے اللہ سے اپنی شوق بھری ہم کلامی چھوڑ دی۔ اور اپنا ارمان دل ہی
میں دبا کر بیٹھ رہا۔

وہ گڈریا لکھا پڑا آدمی نہ تھا۔ کہ سوچ سمجھ کر شائستہ بات کرتا۔ ہاں اس کے دل میں
خدا کی محبت ضرور تھی۔ اور وہ کمال شوق سے اسی کا اظہار کر رہا تھا۔ خدا کو اسکی یہ ذوق
شوق کی باتیں پیاری لگتی تھیں۔ جب وہ ان سے رک گیا تو اللہ تعالیٰ کو ناگوار معلوم
ہوا فوراً اس نے اپنے کلیم و حضرت موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تو نے ہمارے ایک محب
کو ہم سے جدا کر دیا۔ اے موسیٰ! سمجھتے تھے اسلئے نبی بنایا تھا کہ تو بندوں کو ہم سے ملائے
مگر تو نے اپنے فرض منصبی کو چھوڑ کر اور راہ اختیار کر لی۔ اے موسیٰ! ہم نیتوں کو دیکھتے ہیں
عملوں کو نہیں دیکھتے۔ ہماری نظر حال پر ہے قابل پر نہیں۔ ہمیں دلی سوز کی قدر ہے۔
لفظوں کا خیال نہیں۔ جا اور ہم سے جدا کردہ شبان کو پھر اپنے شغل میں لگا کہ ہم کو وہی
محبوب ہے۔ مولانا نے جن مؤثر اشعار میں مضمون بالا کو ادا کیا ہے۔ ان کا نقل کرنا
نہایت ضروری ہے۔

تو برائے وصل کردن آمدی	نے برائے فصل کردن آمدی
تا توانی پامنہ اندر فراق	البعض الانشیاء عینہی الطلاق
مہر کے را سیرتے بہنہادہ ایم	مہر کے را اصطلائے دادہ ایم
در حق او مدح در حق تو ذم	در حق او شہد در حق تو سہم
بابری از پاک و ناپاکی ہمہ	از گراں جانی و چالاکي ہمہ
من نہ کردم خلق تا سودے کنم	بلکہ تا بر بندگاہودے کنم
من نگردم پاک از تبیح شان	پاک ہم ایشان شوند و در فشان
مابروں را شکر نیم و قتال را	مادروں را بنگریم و حال را
موسیا آداب دانان دیگر ند	سوختہ جهان و روانان دیگر ند
عاشقا ترا ہر نفس سوزیدنی است	بردہ ویراں خراج و عشر نیست
گر خطا گوید و را خاطر طی مگو	گر شود پر خون شہید اں را مشو
خون شہیداں را ز آب آبی تراست	ایں خطا از صد صواب اولی تراست
در درون کعبہ رسم قبلہ نیست	چہ غم از غواص را با پچہ نیست
ملت عشق از ہمہ دینا جداست	عاسقان را ملت و مذہب خداست

حضرت موسیٰ یہ حکم الہی سنکر پھر جنگل کو آئے۔ اور بعد از تلاش بسیار اس گڈریے کو

ڈھونڈا۔ اور کہا بھائی! اپنی مناجات میں لگے رہو۔ اور جو میں نے تمہیں روکا تھا۔ اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ تمہاری محبت اور سوز میں ڈوبی ہوئی باتیں خدا کو پارسی لگتی ہیں اپنے شغل میں مصروف رہو۔ اور مجھے معاف کرو کہ میں تمہارے وظیفہ میں خلل انداز ہوا۔
 بیچ آدابے و ترتیبے مجھ ہر چہ نے خواہد دل تنگ لگو
 کفر تو دین است و دینت نور باں ایمنی و ز تو ہانے در اماں
 اللہ تعالیٰ نیتوں کو دیکھتا ہے۔ ظاہری اعمال پر اسکی نظر نہیں۔

حضرت موسیٰ اور ایک بکری

حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبری ملنے سے پہلے بکریاں پال کر قوت حلال کیا کرتے تھے۔ ایک دن ریوڑ سے ایک بکری پیچھے رہ گئی۔ اور رات بھر جنگل میں بھٹکتی پھری حضرت موسیٰ کو اس کی حالت پر رحم آیا کہ اگر وہ رات کو باہر رہی تو اسے کوئی بھڑیا پھیر پھڑ ڈالے گا۔ اور بیماری کی جان ہفت میں بھائیگی۔ اسی ہمدردی کے جذبے سے متاثر ہو کر آپ اسکی تلاش کو نکلے۔ تمام رات ڈھونڈتے رہے۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور آبلوں نے کانٹوں سے چھوٹ کر پاؤں کو زخمی کر دیا۔ تکان اور کوفت سے بدن سر ہیا درد بنگیا۔ ٹانگیں سوج کر جواب دے بیٹھیں۔ صبح کے وقت ایک جگہ بکری ملی جو تھک کر بیٹھی ہوئی تھی۔ کوئی چرواہا ہونا تو بکری کو مار مار کر آدھ مو کر دینا کہ کجنت تو نے تھکا تھکا کر مجھے مار ڈالا۔ مگر حضرت موسیٰ مطلق ناراض نہ ہوئے۔ بلکہ اسے پیار کرنے لگے۔ اپنے ماتحتوں سے اس کے منہ سے رال صاف کی۔ بال بھاڑے اور پاؤں دابے اور فرمانے لگے اے بکری تاجھ سے کیا خطا ہوئی۔ کہ تو میرے گلے سے بھاڑ ہو گئی۔ میں نے مان لیا کہ تجھے میری پرواہ نہ تھی۔ مگر تو نے اپنی تکلیف کو بھی نہ دیکھا۔ بکری کے دست و پا سردی سے اکڑے ہوئے تھے وہ پھل پھر نہ سکتی تھی۔ آپ نے اسے گود میں ایسی الفت سے اٹھا لیا جیسی کہ ماں کے دل میں بھی نہ ہو۔ خدا کو اپنی ایک بے زبان مخلوق سے حضرت موسیٰ کی یہ ہمدردی بہت بھائی۔ اس نے فرشتوں سے کہا دیکھا موسیٰ کا توصلہ ہے
 شایاں اسکو قوم کی ہے سردی یہ ہے بے شک لائق پیغمبری
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ سَيِّدُ الْقَوْمِ سَيِّدُ دِمَائِهِمْ

قوم کا سردار ہے وہ نیک تو قوم کا خادم جو حبانے آپکو
 اسی ارشاد نبوی پر حضرت ابو بکر و عمرؓ نے عمل کیا اور ظاہر و باطن میں اسلام کا سکہ بٹھا
 دیا۔ جب یہ سنت شیخین پر عمل چھوڑا رشتہ عمر عدل ٹوٹا
 مصطفیٰ فرمود خود کہ ہر بی! کرد چو پائش برنا یا صبی!
 بے شبانی کردن و آن امتحان حتی ندانش پیشوائی بہاں!
 تاشود پیدا وقار و صبر شاں! کردشاں پیش از بنوت حتی شاں
 یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی نبی نہیں ہوا۔ جس نے خواہ حالت طفلی
 یا جوانی میں چو پائی (گلہ بانی) نہ کی ہو۔ جب انبیاء و گلہ بانی کے امتحان میں پاس
 ہوئے اللہ تعالیٰ نے انکو بنوت عطا کر دی۔

حضرت عیسیٰ اور ایک احمق

راحمقوں بگڑی چوں عیسیٰ گر خیت صحبت احمق بے نوہا بر خیت
 ایک شخص نے ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنگل میں بڑی تیزی
 سے دوڑے جا رہے ہیں۔ اور پیچھے مڑ کر اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی کسی کے خوف
 سے بھاگا ہوا شخص دکھتا ہے۔ دم بڑھتا ہوا ہے قدم نکھ کر رہے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی حضرت
 مسیحؑ کہیں دم نہیں لیتے۔ اس شخص نے پوچھا حضرت! یہ کیا جا رہا ہے۔ آپ پھر بھی نہ
 ٹھہرے بلکہ زیادہ تیزی سے دوڑنے لگے۔ یہ مرد بھی دھن کا پکا تھا۔ وامن باندھ کر پیچھے
 بولیا۔ جب اسکی ٹانگوں نے جواب دیدیا۔ عرض کیا اے روح اللہ! آپ کو اللہ کی
 قسم جو آپ اب ایک قدم آگے بڑھیں۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ اس نے پوچھا کہ کیا تعاقب
 میں کوئی شیر یا بھڑیا تھا۔ یا کسی دشمن نے پیچھا کیا ہوا تھا۔ کہ آپ اس طرح دوڑے جا رہے
 تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے یہ سنکر قہقہہ مارا۔ اور کہا کہ میں چلا جا رہا تھا۔ کہ مجھے ایک احمق دکھائی
 دیا۔ میں اس سے تیر کی طرح بھاگا۔ یہ سنکر وہ شخص بڑا حیران ہوا۔ اور کہنے لگا۔ یا
 حضرت! آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے آپ کو وہ اسم اعظم
 یاد ہے۔ جس سے ہر مصیبت ٹل جاتی ہے۔ آپ قہر یا ذنی داندھ میرے حکم سے
 کہہ دیں تو مردے جی اٹھیں۔ لنگرے لو لے۔ اندھے۔ دیوانے۔ جھڑائی (کوڑھی) آپ

کی ایک چھو سے جھلے پنگے ہو کر چلنے پھرنے لگیں۔ کیا احمق کا علاج آپ نہیں کر سکتے!
 یہ سکر حضرت مسیح نے جواب دیا۔ جو کچھ تو نے کہا سب سچ ہے۔ مجھے خدا نے
 مردوں کو جلائے کی قوت دی ہے۔ لا علاج امراض کے رفع کرنے کی طاقت بخشی
 ہے مگر حق دے وقوفی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ بیماری ایک مصیبت ہے
 جسے دیکھ کر خدا کو بھی رحم آتا ہے۔ مگر حق خدا کا قہر ہے۔ مقبور شخص ہمیشہ خسہ
 حال رہتا ہے۔ اسے میری چھو اور دعا کا رگڑ نہیں ہو سکتی۔
 یہ مرض کی ہے دو لیکن حماقت کی نہیں۔ عقل کے اندھوں کی ہوا صلاح! لیکن ہی نہیں

شیر کی زندگی اور انسان کی موت

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز جنگل میں جا رہے تھے ساتھ
 ایک شخص تھا عرض کرنے لگا۔ حضرت! مجھے بھی مردوں کو زندہ کرنے کا ڈھب بتا دیجیے
 آپ نے فرمایا معجزات عطا کرنا اللہ کے اختیار میں ہے جسکو وہ اہل سمجھتا ہے عطا کرتا ہے
 ہر شخص عصا پھینک کر اژدہا نہیں بنا سکتا۔ نہ اژدہا کے منہ سے ہاتھ ڈال کر اسے پھر لاکھی بنا
 سکتا ہے۔ اژدہا کے منہ میں ہاتھ دسی ڈالتا ہے جسے اژدہا بنا کر آتا ہے۔

یہ سکر وہ بولا۔ یا روح اللہ اگر میری یہ عرض قابل پذیرائی نہیں تو میرے سامنے مردہ زندہ
 کر کے دکھا دیجیے۔ یہ بڑیاں پڑی ہیں ان میں قہرِ باری اللہ کبکروں پھونک دیجیے حضرت
 عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ یہ شخص بڑا ہندی ہے اپنا نفع نقصان نہیں سوچتا نہ احکم
 ہو تو اسے معجزہ دکھا دوں۔ حکم ہوا جب یہ اپنی ہلاکت خود خریدتا ہے تو تمہاری الذمہ ہو۔ عرض
 حضرت عیسیٰ نے ان بڑیوں پر قہرِ باری اللہ پڑا تو ایک بڑا غضبناک سیاہ شیر نکلا اٹھ کھڑا ہوا
 اور اسی نے جست کر کے اس شخص کے سر پر ایسا سخت پنجہ مارا کہ اسکا بھیجی نکل کر باہر جا پڑا
 اور وہ شخص تڑپ کر ایک دم میں سرد ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ نے شیر سے کہا۔ تو نے اٹھتے ہی اسکا
 کام کیوں تمام کر دیا۔ شیر بولا۔ اسلئے کہ اس نے آپ کو ناسحق تکلیف دی۔ روح اللہ علیہ السلام
 نے پوچھا پھر تو نے اسکا خون کیوں نہیں پایا۔ شیر نے جواب دیا میرا رزق دنیا سے اٹھ چکا ہے
 مولانا یہ حکایت بیان کرتے ہیں۔

سید خود نا خوردہ رفتہ از جہاں

اسے کہا کس پتھر آں شیر زیاں

جمع کردہ مال رفتہ سوئے گور دشمنان در ماتم او کردہ شور
یعنی دنیا میں بہت سی مثالیں ملیں گی۔ کہ طمع سے مال جمع کرتے رہے مگر کھانا قیمت
نہ ہوا۔ پھر فرماتے ہیں کہ تو اس شیر کے مارے ہوئے کی طرح اپنے کتے نفس کی زندگی
کا کیوں طالب ہے یہ نفس تجھے آخر ہلاک کر کے چھوڑے گا۔ تو کہتا نہیں ہے پھر بڑی
پر کیوں عاشق ہے تیری آنکھ نکلی ہے کہ اس میں مینا کی نہیں۔ بزرگوں کا امتحان
نہ ہے۔ اسی لئے رسوائی کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ہیں سگ نفس ترا زندہ خواہ گزردے جان تست از دیر گاہ
خاک بر ہمارا استخوانے را کہ اں مانع این سگ بود از صید جان
سگ نہ برا استخوان چوں عاشقی دیو بہر وار از چہ بر خون عاشقی
اچہ چشم است آنکہ مینا کی اش نیست ز امتحان ہا جز کہ رسوائی اش نیست

یہودی وزیر نے کس طرح عیسائی بنکر عیسائیوں کو تباہ کیا

جب حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی تعلیم کی اشاعت ہونے لگی۔ تو
یہود نے سخت مخالفت شروع کر دی۔ ان کے ایک بادشاہ نے تنبیہ کر لیا کہ جو عیسائی نظر
آئے اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے لاکھوں نصرانی ظلم سے قتل کر ڈالے اس
یہودی بادشاہ نے جہالت سے موسیٰ اور عیسیٰ کو دو سمجھ لیا۔ حالانکہ وہ دونوں خدا کے
برگزیدہ بنی تھے۔ یہ بادشاہ چشم بصیرت سے اتول (بھینکا) تھا۔ اس نے اس بھینکے شاگرد
کی طرح (جسکی حکایت دوسری جگہ درج ہو چکی ہے) حضرت عیسیٰ کی طرف کا آئینہ عقیدت
بی نہ توڑا۔ بلکہ روح اللہ سے عداوت کا اظہار کر کے حضرت موسیٰ سے عقیدت کے آئینہ
کو بھی پکنا پور کر دیا۔

شاہ اہول کرد در راہ خدا اُن دود مسانہ خدائی را جدا
شیشہ یک بود و چشمش دوم بود چوں شکست اُن شیشہ را دیگر بنود
خشم و شہوت مرد را اہول کند ز استقامت روح را مبدل کند
چوں غرض اندہ نہ پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

شاہ یہود کا یہ ستم دیکھ کر عیسائیوں نے دین چھپانا شروع کر دیا۔ بادشاہ کا ایک یہودی وزیر

بڑا عیار اور مکار تھا۔ جو مکر سے پانی میں بھی گرہ لگا دیتا۔ اس نے کہا، بادشاہ! قتل کرنے سے دین عیسے نہیں مٹ سکتا۔ لوگ بظاہر موسائی ہو جائیں گے اور باطن میں عیسائی رہیں گے۔ اور تجھے خبر بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ انسان اسی مذہب پر کار بند ہوتا ہے۔ جسے وہ دل سے پسند کرے۔ جبر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ دین کی بومشکد، غنبر کی طرح نہیں کہ تو سو گھم کہ کسی کا مذہب معلوم کرے۔

کم کش ایشان را که کشن سودنیت دین ندارد بے مشکد و نمودنیت
سرسپاں است اندر صد خلاف ظاہرش بآنت و باطن برخلاف

بادشاہ نے پوچھا پھر کیا تدبیر کرنا چاہیے۔ کہ کوئی کفرانی دنیا میں سرے نہ رہے نہ ظاہر نہ پوشیدہ وزیر نے کہا میری جان دین موسیٰ پر قربان۔ میں اپنی جان پر کھیل کر دین عیسوی کا نام و نشان مٹا دوں گا۔ میں تفتیہ سے دین عیسے قبول کر لیتا ہوں تو اس پر اظہار ناراضی کر اور بطور سزا میرے کان اور آنکھ کاٹ دے اور ناک اور ہونٹ چیر کر حکم دے کہ مجھے چوراجے پر موسیٰ پر چڑھائیں۔ دار پرے ایک سفارش کرنے والا مجھے تجھ سے مانگ لے تو بڑی مشکل سے میری جان بخشی پر راضی ہوا اور حکم دے کہ اس بدکردار مزدور کو میری آنکھوں سے دور کسی اور شہر میں لیجاؤ۔ میں اسکی شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس کا روانی کے بعد دیکھنا کہ میں کس طرح تفاق ڈاکران کو شیعہ در شیعہ متفرق کرتا ہوں۔ الغرض شاہ نے وزیر کو مشکہ کر کے دوسرے شہر میں بجا دیا۔

وزیر کی یہ گت بنی دیکھ کر عیسائیوں کو اس سے بدرجہا کان بھر رزی پیدا ہو گئی۔ وہ اس کے گرد پروانہ وار اجمع ہوئے۔ اور اسے اپنا پیشوا بنا لیا۔

دورون سینہ مهرش کاشند ناک عیسے اش سے پنداشتند
وزیر پرتزور نے عیسائیوں کو خلوت میں دین عیسے کی تعلیم دینا شروع کر دیا مگر اسکی تعلیم شیطان کی طرح مکاری اور عیاری پر مبنی تھی۔
نکبتاے گفت او آمیختہ در جلاب و قد زہرے رکتہ

اسکی چکنی چیر پی باتوں پر بارہ نصرانی امرا اپنے اپنے شیعہ سمیت فریقہ بن گئے اور اسے تخت سے تارکوں سے ثابت یہ کہ رض کا وہ چار بھی (ابن سائید) دی تھا جس نے تفتیہ و تفتیہ مساکین جو رواج حق کا جو ایمان ہے ہوسے ہیں تعلیم اسلامی میں داخل کر کے اس بھودی وزیر کی طرح مسلمانوں کو میرٹھ کے لئے دست و گریبان کر دیا۔ کاشی مشہور دست کی بات کی تہ کو بیچ جائیں۔

جیسے کانائب تسلیم کر لیا۔ اسکا وعظ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مگر بلحاظ نتیجہ وہ بالکل گمراہ
کن تھا۔ دیکھو چاندی دیکھنے میں کیسی سفید ہے مگر وہ دست و جامہ کو سیاہ کر دیتی ہے
اگ اپنی چنگاریوں سے کیسی سرخرو ہے مگر اگلے فعل کا تاریک نتیجہ دیکھو۔ کہ تمام اشیاء کو
خاکستر بنا دیتی ہے۔ بجلی اپنی چمک سے کیسی نورانی صورت دکھائی دیتی ہے۔ مگر جہاں
گرمی خاک سیاہ کر گئی۔

وزیر کو جب نصرانیوں میں عمل و دخل پائے چھ سال ہو گئے۔ تو بادشاہ نے اسے کہلا
بھیجا کہ میں انتظار سے تنگ آ گیا ہوں۔ ان کو جلد تباہ کرنے کی تیاری کرو۔ اس نے جواب
دیا۔ کہ میں عنقریب دین عیسائی میں وہ فتنہ ڈالوں گا کہ حشیم فلک سے دیکھا نہ ہوگا۔ چنانچہ
اس نے بارہ امیروں کیلئے الگ الگ صحیفے تیار کئے اور ہر صحیفہ میں الگ الگ احکام لکھے
مثلاً ایک میں لکھا کہ مجاہدہ دریا صنت سے آدمی نجات پاتا ہے۔ دوسرے میں تحریر کیا کہ
بھوک اور ریاضت بے سود ہے۔ نجات کا مدار خیرات و صدقات پر ہے۔ تیسرے میں بیان
کیا کہ کچھ نہ کھانا اور دنیا دلانا اللہ کا کام ہے۔ جو انسان ایسا کرتا ہے وہ گویا خدا کا شریک
بنتا ہے لہذا وہ مشرک ہے۔ نجات تو توکل اور تسلیم میں ہے نہ کہ عبادت میں جو بھٹکے میں
لکھا کہ عبادت کرو توکل کو پزیر نہیں۔ پانچویں تحریر کیا کہ شریعت میں جو اچھے کام کرنے
اور برے روکنے کا ذکر ہے اس پر نہ عمل ہو سکتا ہے نہ ہونا چاہئے ایسے احکام سے انسان
پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے بطن کو پہچان لے اور جو چاہے کرے چھٹے صحیفہ میں
مسطور کیا کہ انسان اپنے آپ کو عاجز نہ سمجھے کیونکہ وہ قادر ہے اگر وہ اپنے تئیں عاجز سمجھا
تو کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوگا۔ دہامت کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ بندہ اختیار و قدرت میں
اللہ کا محتاج ہے مگر اعمال میں وہ خود مختار ہے۔ یعنی وہ کاسب افعال ضرور سے نہ کہ خالق
(افعال) ساتویں میں لکھا کہ تیر و قدر کا جھگڑا ہی فضول ہے جو اس میں پڑا وہ راندہ درگاہ
ازدی ہو گیا (اہل حق کے نزدیک جو بائیں داخل عقائد ہیں ان پر غور و فکر کرنا اور ان کو دل
میں حکم رکھنا ضروری ہے) آٹھویں دفتر میں لکھا کہ دینی امور میں غور و فکر سے کام لینا فرض
ہے۔ کیونکہ یہ شعل راہ ہدای ہے۔ اس غور و فکر کی شمع کو بجھانا اپنے آپ کو گمراہی میں
ڈالنا ہے۔ نویں صحیفے میں تحریر کیا کہ انسان کو دینی امور میں عقل سے کام نہیں لینا
چاہئے۔ جس نے شمع عقل بجھائی وہ روحانی ترقی حاصل کر کے محبوب خدا بن گیا کیا

تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص دنیا ترک کر کے زندہ اختیار کر لیتا ہے دنیا اسکے پیچھے دوڑی آتی ہے۔ دوستوں و فتر میں بیان کیا کہ انسان کو جو کچھ ملے اور جس طریقہ سے ملے لے لے ہی ناسحق اور حلال حرام کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ خدا نے سب کچھ انسان کیلئے پیدا کیا ہے۔ گیارہویں صحیفہ میں تعلیم دی کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس سے دست بردار ہو جاؤ۔ کیونکہ خواہش و پسند سے حاصل کی ہوئی شے ابھی نہیں ہوتی۔ دیکھو ہر ایک گروہ اپنے مذہب کو اچھا سمجھتا ہے۔ حالانکہ سچا مذہب ایک ہی ہے پس پسند کرنے کا فعل ہی برا ہے۔ بارہویں دفتر میں کہا کہ دل جس بات کو پسند کرے وہ حلال ہے اور جسے ناپسند کرے وہ حرام۔ مرشد پکڑنے کی ضرورت نہیں جب انسان مرشد کو شناخت کر سکتا ہے۔ انسان کو مرد بن کر خود اپنی فکر کرنا چاہیے مرشد کا بیکاری بن کر حیران ہونا شان خود داری کے خلاف ہے۔ ایک اور صحیفہ میں رقم کیا کہ مرشد کے بغیر حق کی دریافت ناممکن ہے۔ جس اندھے کے ہاتھ میں لاسٹی نہ ہو وہ ضرور کنویں میں گر پڑیگا۔ جن لوگوں نے انبیاء و مریدین کی تعلیم کے سوا کوئی اور طریقہ اٹکل سے قائم کر لیا وہ جہنم کا اندھن بن گئے۔ اسی خود مختار اندر روش نے مختلف باطل مذاہب کی بنیاد ڈال دی ہے۔ اور یہ سب بے مرشدی کا کرشمہ ہے۔

زیں منظر زیں نوع وہ طومار دوو برنوشت اُس دین علیے راعلو

یعنی اس دین علیہ کے دشمن نے بارہ صحیفے لکھ ڈالے جو ایک دوسرے کی ضد تھے اس سے فارغ ہو کر وہ گوشہ نشین ہو بیٹھا اور وعظ و نصیحت ترک کر دی۔ اس حالت میں جب چالیس چالیس دن گزر گئے تو معتقدوں کے دل میں شوق دیدار کی آگ بھڑک اٹھی وہ سب حاضر خدمت ہوئے اور بالخاصہ وزاری کہنے لگے کہ ہم اندھے ہیں اور تو ہمارا عصا ہے۔ خدا کیلئے ہمیں عرق ہونے سے بچالے اور ہمیں نور ہدایت سے محروم نہ کر جب وزیر نے انکی نہ سنی تو وہ اپنے بارہ امیروں کو سفارش کیلئے لائے جنہوں نے اگر سفارش کی کہ اللہ اس خلوت سے باہر نکلے خلقت آپ کے واعظ و نصیحت کی بھوک کی ہے ہر ایک فراق میں ماری بے آب بن کر تڑپ رہا ہے۔ دیدار و کلام سے ان کے بے جان جسموں میں جان ڈالئے۔

وزیر نے جواب دیا کہ میرا دل دوستوں کے ساتھ ہے۔ مگر میں حکم الہی سے مجبور ہوں اور خلوت نہیں توڑ سکتا۔ اے ظاہری گفتگو کے فریفتہ! ظاہری جسم کے کان میں رونی

دے تو تاکہ باطنی کان کی کھڑکی کھل جائے۔

جس وجہ گوش و بے فکریت شوید تا خطابِ ارجحی را بشنوید
سرداروں نے کہا یا حضرت! جب آپ نے شروع میں ہمیں اپنی خدمت کیلئے قبول
کیا تو آخر تک ہمیں خدمت کا موقع نہ کیجئے۔ ہمیں زیادہ تر تڑپا ہے۔ آپ کے ملفوظات
سے شیطان بھگتا ہے۔ آپ کا کلام ہمارے کانوں کو سراپا ہوش بنا دیتا ہے۔ آپ
کے فیض سے ہم آسمان سے بھی سر بلند ہو گئے۔ کیونکہ ہماری روح آپ نے پاک کر
دی ہے۔ خدا کے لئے ہمیں مایوس نہ کیجئے اور جہلوت میں اگر ہمارا ایمان تازہ کیجئے
وزیر نے جواب دیا۔ ان جحتوں سے باز آؤ۔ اور میری نصیحت سنو۔ اگر تم مجھے امین
سمجھتے ہو تو میری بات صحیح جان کر مان لو۔ اور اگر ایسا نہیں سمجھتے تو مجھے الگ ہو جاؤ۔
میں گوشہ نشینی نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ میں باطنی مشاغل میں مصروف ہوں۔

معتقد ہوئے۔ حضرت! ہمیں آپ کے کمالات کا انکار نہیں ہے۔ ہم تو آپ کے
فراق سے چشم پر آب ہیں۔ ہماری مثال اس بچہ کی سی ہے جو اپنی تکلیف سے روتا ہے
دایہ سے تنازع کرنا اس کا مقصد نہیں ہوتا۔ اسے تو نیک و بد کی تمیزی نہیں ہوتی۔ ہم
سارنگی ہیں اور آپ زخمہ (مضرب) ہم آپ کی وجہ سے رو رہے ہیں۔

وزیر نے کہا میں مجبور ہوں۔ مجھے جناب روح اللہ کا اب بھی حکم ہے کہ میں تنہائی
اختیار کئے رکھوں اور کسی سے نہ ملوں الودع۔ الودع۔ میں اب بعد مر ہواؤنگا اور چوتھے
آسمان پر حضرت عیسیٰ سے جہالوں گا۔

اسکے بعد اسنے ان بارہ امیروں کو باری باری خلوت میں بلایا اور ہر ایک سے کہا
کہ میرے بعد تم ہی میرے خلیفہ اور جانشین ہو۔ دوسرے امیر تمہارے تابع اور سب
عیسائی تمہارے شیعے ہیں۔ جو امیر تمہارا حکم نہ مانے اس سے لڑو اور اسے قید کرو خواہ
قتل۔ مگر جب تک میں زندہ ہوں راز حاش نہ کرنا۔ میرے بعد سترہویں تمہاری ہے۔

یہ لو صحیفہ اسی کے احکام کے تبلیغ کرنا۔ اگر کوئی اور دوسرا صحیفہ پیش کرے تو اسے بال
سمجھنا۔ الغرض ہر امیر کو علیحدہ علیحدہ طلب کر کے اس نے الگ الگ صحیفہ سپرد کئے اور حجرے
کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ گیا اور چالیسویں روز اس نے خود کشتی کر لی۔ اسکی لاش پر
تمام عیسائی روتے پڑتے جمع ہوئے اور اپنے بال نوچنے لگے اور کپڑے پھاڑنے لگے جب اسے

دفن کر چکے تو اسکے دروہدائی نے اور زور پکڑا اور سب خاک قبر سر میں ڈالنے لگے اور
 جہینہ بھر توبت پر بیٹھ کر روتے پٹیتے رہے۔ اسکے بعد قوم نے کہا کہ حضرت روح اللہ
 کے حواری کا کوئی جانشین مقرر کرنا چاہئے جسے ہم اپنا امام مان کر اسکی اطاعت فرض
 سمجھیں :- ۷

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ چارہ بنود بر مقامش جز چراغ
 چونکہ شد از پیش دیدہ روئے بار نلبے باید از و ماں یادگار !
 چونکہ گل بگذشت و گلشن شد خراب بوئے گل را از کہ جویم از گلاب

جب سورج ڈوب جاتا ہے۔ تو چراغ روشن کرنا پڑتا ہے۔ جب موسم گل گذر جاتا ہے
 تو خوشبوئے گل گلاب سے ہی حاصل کرنا ہوتا ہے یہ سکر ایک امیر اگے بڑھا اور بولا
 اے قوم نصارے! میں ہوں وزیر کا جانشین۔ یہ دیکھو اسکا صحیفہ جو وہ مجھے عطا کر گئے۔
 میں جو میری سرداری نہیں مانے گا اور اس صحیفہ پر عمل نہیں کریگا میں اس سے لڑونگا
 یہاں تک کہ وہ قید یا قتل نہ ہو جائے۔ اسکی بات سکر دوسرا امیر اٹھا اور اس نے کہا یہ
 بھوٹ کہتا ہے۔ اسکا نائب میں ہوں اور واجب العمل وہ صحیفہ ہے جو میرے پاس ہے۔
 جو نہیں مانے گا قتل کر دیا جائے۔ اسبطرح بارہ کے بارہ امیر و عویدار بیکر میدان میں اتر
 تنازع نے طول کھینچا اور جدال و قتال کی نوبت آئی۔ ایسی سخت جنگ ہوئی کہ کشتوں
 کے پستے تلگ گئے۔ اور خون کے دریا بہنے لگے۔ وزیر نے جو فساد کا بیج بویا تھا وہ پھل لایا
 اور نصارے کے سرانکے اپنے ہی ہاتھوں اسطرح توڑے گئے جسطرح کوئی انروٹ لیکر
 توڑ دے۔ ان کشتوں میں بعض صالح لوگ بھی تھے جنکا قتل انکے لئے موجب راحت
 بن گیا۔ اور وہ دنیا کی قید سے بھوٹ کر اور نجات پا کر میٹھی نیند سو گئے۔ ۸

کشتن و مردان کہ بر نقش تن است چوں انار و سیب را بشکستن است
 آئینہ پر معر است چوں شک است پاک دایمہ بوسیدہ است بتود غیر خاک
 آئینہ بامعنی است خود پیدا شود و آئینہ بمعنی است خود رسوا شود
 یعنی مرنے کے بعد انسان کی حقیقت کھلتی ہے۔ اللہ والے مرکز زندہ ہو جاتے
 ہیں اور دنیا دار خاک ۹

رو بمعنی کوش اے صورت پرست زانکہ معنی برتن صورت پر است

انسان کو باطنی کمالات حاصل کرنا چاہئے اس کے لئے پرہیزگار سے عروج کمال کی بلندی پر پہنچا دیتے ہیں۔ اولیائے اللہ کے مزارعات پر ہوا تو وہاں زندگی کے استعارہ نظر آئیں گے اور اہل دنیا کی قبریں موت کا منظر پیش کریں گی۔

وہ لڑکا جس پر آگ گلزار ہو گئی

حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد ایک مشرک بادشاہ نے جبراً لوگوں کو بت پرست بنانے کی ٹھان لی اس نے میدان میں بڑی تیز آگ جلائی پاس ایک بت کھڑا کیا اور حکم دیا کہ جو شخص آگ پر بت کو سجدہ کرے وہ آگ میں جھونک دیا جائے اس وقت انتقال رکھنا بڑے دل اور گردے کا کام تھا۔ کئی لوگوں کو زندہ جلنے کے خوف سے بت کو سجدہ کرنا پڑا ایک دلیر خدا پرست عورت کی باری آئی تو اس نے کہا یہ ہو نہیں سکتا کہ میں بت پرست کی بت کی بندگی کروں جہاں بیماری ہے مگر ایمان جہاں سے بھی عزت و تیر ہے بادشاہ کو یہ کلمہ سنا کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے حکم دیا کہ اسکا لڑکا چھین کر آگ میں ڈال دیا جائے۔

جب لڑکا آگ میں پھینک دیا گیا عورت کے استقلال میں کچھ فرق آنے لگا۔ لڑکے نے پتہ سے آواز دی کہ ماں اپنا ایمان برباد نہ کر۔ اگر تو آگ دیکھے گی تو تجھے آگ کل گلزار نظر آئے گی۔ کافروں کے لئے یہ بے شک جلائی والی ہے۔ مگر مومنوں کیلئے حضرت ابراہیم کی طرح بردا و سلاما ہے۔ اس میں خشکی ہے گرمی نہیں اس باغ خلیل میں کوثر و سلسبیل جاری ہیں بے خوف آجا اور دوسرے مومنوں کو بھی ساتھ لے آ۔ اس میں خاصان خدا کے لئے مڑے ہی مڑے ہیں۔

اندرا آئے مادر میں جہاں خوشم	گر کچھ در صورت میان آتشم
اندرا اسرار ابراہیم میں	کو در آتش یافت درود یا میں
اندرا او دیگران راحم بخوان	کاندر آتش شاہ نہادست خوان
اندرا آید اے مسلماناں ہمہ	غیر عذاب دیں عذاب استاں ہمہ

یہ سن کر وہ عورت بھی آگ میں کود پڑی بچے اور عورت کو محفوظ دیکھ کر دوسرے ایمان دار بھی کود کر آتش میں جھاڑے۔

بادشاہ یہ دیکھ کر بڑا نادام ہوا۔ اس نے آگ ہو کر آگ سے کہا تیری جلا ڈالنے کی خواہشیت

کیا ہوئی ہم تجھے صد سال سے پوجتے ہیں تو ہمیں تو فوراً جلا دیتی ہے مگر اپنے منکر و نکو لئے تو تھنڈی پڑ جاتی ہے۔ آگ بولی تو آندرا کر میری حدت اور تیزی آزمائے میں جسکی بندی ہوں اسکے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جھاٹ کی کتیا جنگل میں کیسی کٹ کھنی ہوتی ہے۔ مگر جب مالک پاس ہو تو وہ بجائے کاٹنے کے اسکے فہمان کے قدموں میں لوٹنے لگتی ہے۔ میں بندگی میں کیا کتیا سے بھی گزر گئی ہوں کہ اپنے خالق و مالک کے عزیز بندوں کو جلاڈالوں؟ میں تجھے بے جان نظر آتی ہوں یہ تیری نظر کا قصور ہے میں اپنے مولیٰ کے زیر حکم ہوں۔

گفت آتش من بہانم آتشم اندر آتوبہ بینی تابشتم
طبع من دیگر گشت و عنصرم تیغ حقم ہم بدستور می برم
باد آتش مے شود از امر حق ہر دو سر مست آند از خمر حق
گر بنودے واقف از حق جان باد فرق کے کردے میان قوم عاد

آگ۔ ہوا۔ پانی اور خاک اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔ آگ کو اس نے ابراہیم پر گلزار کر دیا۔ ہوائے قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔ مگر حضرت ہود کے پیرو کو محفوظ رکھا۔ پانی نے فرمان اور فرعونوں کو غرق کر دیا۔ مگر حضرت موسیٰؑ اور اسکے لشکر کو سلامت پارا تار دیا۔ خاک نے قاروں اور اسکے خزانوں کو نکل لیا۔ مگر حضرت کلیم اللہ کے تابعداروں کو اپنے اپنے سینے پر محفوظ سلامت رکھا۔

یہ عجائبات ایزدی دیکھ کر بھی وہ یہودی بادشاہ ایمان نہ لایا اور برابر اپنی ضد پر اڑا رہا بلکہ جن وزیروں اور مشیروں نے اسے توبہ کرنے کو کہا انہیں بھی اس نے قید کر دیا فوراً غیب سے ایک آواز آئی کہ اے کتے سبصل جا۔ ہمارا قہر آتا ہے۔ چنانچہ آگ چالیس گز تک پھیل گئی اور بادشاہ اور اسکے ساتھیوں کو جہنم رسید کر گئی۔

آتشی بودند مو من سوز و بس سوخت خود آتش مرا ایشان خوش
اصل ایشان بود آتش ابتدا سوئے اصل خویش افتد اترہا
جو شخص اہل حق کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ آخر خود ہی ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔

خدا کے غضب سے بچنے کی تدبیر

ایک دانا نے حضرت علیؑ روح اللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ دنیا میں سب سے سخت اور خوفناک شے کونسی ہے۔ روح اللہ نے جواب دیا۔ اللہ کا غضب سب سے زیادہ خوفناک ہے۔ دانا نے کہا بالکل بجا فرمایا۔ اس سے بچنے کی کوئی تدبیر بھی بتا دیجئے ارشاد ہوا۔ وہ شخص خدا کے قہر و غضب سے محفوظ رہتا ہے جو اپنے مخلوقوں پر غصے نہ ہو اور مظلوموں پر ظلم نہ کرے۔ جو غصہ پی جاتا ہے وہ اللہ کی رحمت میں جگہ پاتا ہے۔

حضرت حسن کی شان احسان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبط اکبر سیدہ فاطمہ کے تحت جگر امیر المؤمنین سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن لوگوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ غلام شور بے کا باد یہ لیکر حاضر ہوا۔ مگر اتفاقاً ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ شور بہ حضرت کے کپڑوں پر گر اور انکو خراب کر گیا آپ نے غلام کو غصہ سے گھورا جس سے وہ کانپ اٹھا۔ مگر اسے فوراً قرآن کی آیت یاد آئی۔ اس نے پڑھا وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظُ آتٍ فِيهِمْ فِي عَصَةِ ابْنِ اٰدَمَ۔ جب اس نے کہا وَالْعَافِينَ عَنْ النَّاسِ آپ نے فرمایا میں نے غصہ پی لیا۔ جب اللہ یحب الْمُحْسِنِينَ اس کے منہ سے نکلا۔ حضرت پورے جہاں میں نے تجھے آزاد کر دیا۔ جو لوگ خطا کاروں کی خطا معاف کرتے ہیں اللہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔

ابوہریرہ اور صدیق کی نظر کا فرق

بادشاہ وقت کو شوق پیدا ہوا کہ جس لیلے کے عشق نے قیس کو مجنوں بنا دیا ہے اسے ضرور دیکھنا چاہئے۔ وہ لیلے سے ملا مگر وہ اسکی نظر میں نہ جھی۔ اس نے لیلے سے پوچھا کہ کیا تو بیاہ وہ عورت ہے۔ جس پر قیس سو جان قربان ہے تجھ میں کوئی ایسی انوکھی شان دلبری نہیں جس سے تو دوسری حسین عورتوں سے ممتاز نظر آئے قیس تیرا مجنوں کیوں ہوا۔ یہ سنکر لیلے نے نہایت مختصر اور برہنہ جواب یہ دیا کہ خاموش تو مجنوں نہیں ہے۔ مجھے دیکھنے کے لئے قیس کی آنکھ لا۔ اور دیکھ کہ مجھ میں کتنا جنون انگیز جذبہ موجود ہے۔ از دگر خوبیاں تو افسردہ نیستی گفت خاموش چوں تو مجنوں نیستی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ و اصبیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تو ابوہریرہؓ

جان بن گیا۔ ایک دن سامنے آکر کہنے لگا کہ تم جیسا بصورت بچاؤ آج تک کسی قریشی عورت نے
 نہیں جانا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ اسکے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ
 عنہ آئے۔ آپ نے حضور کے جمال جہاں آرا کی طرف دیکھا تو کہا کہ آپ جیسا حسین آپ
 جیسا جمیل مجھے کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ چاند سورج تارے سب آپ کے نور کے
 مقابل ماند ہیں۔ آپ دنیا کے لئے رحمت اور زمر کفر کے لئے تریاق ہیں۔ حضور نے سرفریا
 کہ صدیق سچ کہتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے سرفرض کیا یا رسول اللہ صدیق کا قول تو بالکل راست
 ہے مگر ابو جہل کا زب کس طرح سچ کہہ سکتا ہے؟ حضور نے فرمایا اللہ کے رسول آئیے کی طرح
 ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی اپنی صورت دکھائی دیتی ہے۔ ابو جہل نے اپنے کفر کی جھونپی
 تصویر کو دیکھ کر مجھے زشت زدہ کیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صدق و صفا کا مظہر
 کر کے مجھے خوب و بتایا۔ دونوں نے ٹھیک مشاہدہ کیا۔ لہذا میں نے ہر ایک کی صداقت کہہ دیا۔
 دشمن کو مہر بھی عیب دکھائی دیتے ہیں اور دوست کو عیب بھی مہر نظر آتے ہیں
 محنوں کی محبت بھری نگاہ میں ایسے کامر خط و خال خوبی و محبوبی کا مرقع تھا اور ابو جہل
 کی بدیہی نظر میں محبوب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی خوبرونہ تھے۔ لہذا بادشاہ
 کو ایسے نے مولانا کے الفاظ میں یہ مسکت جواب دیا ہے

دیدہ محنوں اگر بودے ترا ہر دو عالم بخاطر بودے ترا
 با خودی تو لیک محنوں بخود است در طریق عشق بیداری بد است

محمد کے نام کی پنجوقتی نوبت اور مدامی سکھ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں میں تبلیغ شروع کی تو انہوں نے
 سمجھا کہ یہ شخص ہماری سرداری چھیننا چاہتا ہے۔ وہ سب جمع ہو کر آپ کے پاس آئے
 اور کہنے لگے محمد! اگر تو سردار قوم بننے کے لئے تبلیغ کر رہا ہے۔ تو ہم تجھے سرداری سے کچھ
 حصہ دے دیتے ہیں۔ بات کر بے شک کھا مگر ساری نہ آڑا۔ آپ نے فرمایا سب اللہ سرداری
 بخشے۔ اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ وہ بولے تیرے پاس کیا ہے سردار تو درحقیقت ہم
 ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری سرداری چند روزہ ہے اور میری مدامی ہے
 میری من تاقیامت باقی است میری تو عاریتی خواہد شکست

سرداروں نے کہا اس کیلئے دیں! آپ نے فرمایا نہ ابھی ظاہر کر دے گا۔ اسی وقت
ابو جہل اُسمان ہوا۔ اور اس قدر مینہ برسا کہ تمام الامان والحفیظا پکار اُٹھے۔ سب نے شہر
کارخ کیا۔ آپ نے فرمایا اب امتحان کا وقت آپہنچا۔ اب اپنی امیری کے بل پر سب کو
رو کو تمام امیروں نے بندش سب کے لئے اپنے نیزے زمین میں گاڑ دیئے۔ پانی کی ایک
روائی۔ اور تمام نیزے پر گاہ کی طرح بھاڑے گئی۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا
عصا پانی پر ڈال دیا۔ جو سطح آب پر قائم رہا۔ اسکی برکت اور اثر سے طوفان فوراً ٹھم گیا۔
اور اسکا رخ شہر کی طرف سے بدل گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر بہت سے امیر ایمان لے آئے مگر ابوبہل
اور ابو جہل یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ بڑی جادوگری ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تم نے امیروں کو نیزے کاڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو عصا کاڑتے نہیں دیکھا۔ تو اتنا تو دیکھو کہ اتنا نیک نام کس کا باقی ہے دشمنان محمد
کا نام مٹ گیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ زندہ و پائید ہے آپ کے نام کی نوبت
ہر روز دنیا کے ہر حصہ میں پانچ وقت بختی ہے اور قیامت تک بختی رہے گی۔ مگر آپ کے
دشمنوں کا کوئی نام لیوا نہیں۔ مگر گئے مردود۔ نہ فاتحہ نہ درود نہ

نام شانِ راسخ تیز مرگ برد	نام او و دولت تیزش نمود
پنج نوبت سے زندہ رہو دوام	پچیس ہر روز تار و ز قیام
نیک نام شاہاں ہے گرد و دگر	سبکہ احمد بہ ہیں نام مستقر

ابو جہل کی بد نصیبی

ابو جہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ ایک دن مٹی کے سارے
ہوا اور بولا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمتا رہا دعوے سے کہ تم پیغمبر ہو اور رازِ آسمانی سے واقف
اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ۔ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ میں بتاؤں کہ تمہارے میں کیا ہے یا جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے وہ بتا دے
کہ میں کون ہوں؟ ابو جہل بولا کہ دوسری بات تو اور بھی نادر ہے۔ حضور علیہ السلام
نے فرمایا۔ میرا خدا بڑا قادر ہے۔ ہاں میں بتائے دیتا ہوں۔ کہ نیزے ہاتھ میں تھو سکر رہے
ہیں۔ اب کان لگا کر سن لے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ ابو جہل نے جو سنا تو اس کے ہاتھ ہر شش

حجر پارے کہہ رہے تھے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ
 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْكَافِرَاتِ گوہر احمد رسول اللہ صفت
 وہ مردود ازلی اتنا بڑا بجاری معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا۔ اور کنگروں کو ہاتھ سے پھینک
 بڑبڑاتا ہوا چل دیا کہ محمد (سعاذ اللہ ابہت بڑا نجادوگر ہے۔ ابوہل کے متعلق مولانا
 فرماتے ہیں ہے

خاکا بر فرتش کہ بد کور و لعین چشم او ابلیس آمد خاک میں
 جو سیاہ باطن مردود ازلی ہو۔ وہ رحمتہ للعالمین جیسے ہمدرد بنی نوع انسانی کے
 باب رحمت سے بھی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صدیق اکبر کی راستی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے ظلم سے تنگ اور انکی بدسلوکی سے ناراض ہو
 کر ہجرت کا غزم کر لیا۔ آپ کے بستر پر حضرت علی مرتضیٰ حضور کی پادرتان کر لیٹ رہے۔ تاکہ دشمن
 دھوکے میں رہیں۔ اور سمجھیں کہ حضور سو رہے ہیں۔ دشمنوں نے پہرہ بدلکا کر دیا۔ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم صدیق اکبر کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں چل دئے۔ وطن سے رخصت ہوتے وقت
 دل تو بہت کڑھا۔ مگر مقتضائے وقت یہی تھا کہ ہجرت کی جائے۔ ایک جگہ ناکر پہرہ دار تھے
 وہ دور سے دیکھ کر کہنے لگے ”تم کون ہو؟“ حضور نے اپنے یار غار سے فرمایا یہ امتحان کا وقت
 ہے جھوٹا ہرگز نہیں بولنا چاہئے۔ ہماری جان کا حافظ خدا ہے۔ اسے جان نثار
 صدیق! جھوٹ بول کر مجھے قیامت کے ستر مسار نہ کرنا۔ دروغگوئی اور کذب بیانی
 سے جان نہیں بچ سکتی۔ جن و انس کی جانوں کا محافظ اللہ ہے۔ ابوبکر! تیرا نام صدیق
 ہے۔ سچ کہہ دے۔ کیونکہ جھوٹ بولنا مردوں کا کام نہیں۔ چنانچہ پہرہ داروں کو صدیق
 اکبر نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم ہم دونوں محمد اور ابوبکر ہیں۔ یہ لکھو وہ تمہارے مار کر سنے اور دشمن
 کی بات سنیں میں اڑا دی۔ پہرہ دار پسگردہ کہنے لگے۔ یہ تمہارے ایسا کہتے ہیں اور ہماری ہنسی
 اڑاتے ہیں۔ اگر یہ واقعی محمد و ابوبکر ہوتے تو اپنا نام کیوں بتاتے۔

اس وقت ان کو جان کا پورا خطرہ تھا۔ مگر دونوں نے مصیبت وقت کی کچھ پروا نہ کی
 اور ایسے خطرناک وقت پر بھی جھوٹ نہ بولا۔ خدا نے انکو دشمنوں سے بچالیا۔ اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ سچا

آنجنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کرنے والا کج دہاں

حضرت رحمۃ اللعالمین کے زمانہ میں ایک بے ادب مسخر مختار۔ اس نے شامت اعمال سے ایک دن شرارت سے اپنا منہ بیڑھا بنایا۔ اور اس ٹیڑھے منہ سے بطور مسخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام (احمد) لیا۔ خدا نے اس کو وہیں بے ادبی کی سزا دے دی اور اس کا منہ واقعی ٹیڑھا ہو گیا۔ اپنی بدنما صورت دیکھ کر وہ سخت گھبرایا۔ اور ایسی حرکت پر پڑا شرمندہ ہوا۔ دل نے کہا اسی کی درگاہ میں جا کر خطا معاف کر او۔ جس کی ذات رؤف ورحیم ہے۔ اور جو ہر بار رحمت ہے۔ پس وہ کج دہاں اپنے فعل پر اظہارِ ندامت کرتا ہوا حاضر دربارِ نبوی ہوا۔ اور گڑگڑا کر یوں معافی طلب کرنے لگا۔

در پہ آیا ہوں میں تیرے مصطفیٰ	بخشدیجے سب میرے جرم و خطا
تجھ پہ ہیں علمِ نفا کے در کھلے	واسطے تیرے سما کے در کھلے
جو پھر تجھ سے ہوا فوراً فنا	سہجہ کیا جس نے وہ کیندن ہوا
جو کیا میں نے حماقت تھی وہ سب	جو کہا میں نے بہالت تھی وہ سب
مجھ سے سولی سخت نادانی ہوئی	دل میں پیدا اب پشیمانی ہوئی
رحم کرے رحمتہ اللعالمین	اب میرا تیرے سوا کوئی نہیں

جب وہ اپنے کئے پر نادم ہو کر طلبِ معافی ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دریاے رحمت جوش میں آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جا میں نے تیری خطا بخشدی چنانچہ اس کا ٹیڑھا منہ عفو کا حکم صادر ہوتے ہی سیدھا ہو گیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر جو آگرا۔ وہ نجات پا گیا۔ مولانا فرماتے ہیں یہ	چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درو
میلش اندر طعنے پا کاں برو	در خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند در عیب معیوبان نفس	چوں خدا خواہد بباری کند
سین مارا جانب زاری کند	اے خنک چشمتے کہ اں گریاں اوست
دے ہمایوں دل کہ اں بریان اوست	آخر ہرگز بہ آخر خندہ ایست
مرد آخر ہی مبارک بندہ ایست	

ہر کجا ارب رواں سبزہ بود ! ہر کجا اشکے رواں رحمت بود
اشکے خواہی رحم کن بر اشکبار لطف خواہی بر ضعیفاں رحم آر

اللہ کا کلی پوش حبیب ﷺ

شب بیدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک رات کہیں اٹھ لگ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو حکم دیا کہ اے روح الامین جا اور بیٹھ کر میرے حبیب کے توبے سہارا اور اس طرح جگا کر کان میں عرض کر کہ اللہ بعد از سلام کہتا ہے کہ **يَا أَيُّهَا الْمَوْضِلُ** (اے کلی والے پیارے ہمیں تیری خواب پسند نہیں۔ بلکہ بیداری محبوب ہے۔)

سرکش اندر کلیم و رو می پوش
ہیں فجر آئیں کہ شمع اے بہام

بے فروخت روز روشن ہم شب است
باش کشتیاں دریں بحر صفا

نصرو قتی غوث ہر کشتی توئی
وقت خلوت نیست اندر جمع آ

بدر بر صدر فلک شد شب رواں
طاہناں ہیچوں سگاں بر بدر تو

ہر کہ اوچل کام کورے را کشد
پس یکش تو زیں جہان بے قرار

کار ہادی این بود تو ہادی ای
ہیں رواں کن اے امام متقین

ہر کہ در مکر تو دارد دل گروا
بد کہ کوریش کور بہا نہم

خیز در دم تو بصورت نہمناک
چوں تو امر افسل وقتی راست خیز

پسینے ساز پیش از دستخیز
اپنی کلی سے سر باہر نکال۔ کیونکہ تیرے سونے سے جہاں سو باہر آگاہ۔ تو دنیا کے سرگردان

کے بھائی کے سرگردان

جسم کے لئے ہوش ہے۔ تو شمع ہے۔ شمع کا کام کھڑے ہو کر روشنی پہنچانا ہے نیز نور ضیا
پاش نہ ہو۔ تو روز روشن تار یک نظر آئے۔ تیری پناہ ہو۔ تو شیر کو خرگوش قید کر لے۔ اے سفر
وقت نوح کی طرح کشتیابان ہو کر لوگوں کو ہلاکت سے بچا کر نکال لے جا۔ اور اسی پرواز کر کہ
دشمن تیری مخالفت کرتے ہیں۔ تو ہادی ہے ہدایت کئے جا۔ دیکھ جائز آسمان پر طلوع
کر کے نور برساتا ہے اور کتے بھونکتے ہیں۔ مگر جانکد کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسی طرح تیرے
حاسد بھی تیرے کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے جو کوئی ایک اندھے کو ہالیں قدم آگے پہنچائے۔
وہ بخش جاتا ہے۔ تجھے تو اندھوں کی قطاروں کی قطاریں منزل مقصود پر پہنچانا ہے جو کوئی
تیری راہ میں روڑے اٹکائے گا۔ ہم اسی گردن توڑ کر رکھ دیں گے۔ جو تیری راہ ہمنامی سے
ممتنع نہ ہونا چاہے گا۔ ہم اسے پیٹ اندھا کر دیں گے۔ اگر وہ زہر کھانا ہی پسند کرے گا تو
ہم اسے زہر دے جائیں گے۔ اور وہ اسے شکر سمجھ کر کھائے جائے گا۔ پیارے جاگ انا کہ
نیرے جاگنے سے ہزاروں مردے جی اٹھیں۔ تو وقت کا امر اخیل ہے قیامت سے پہلے
قیامت برپا کر دے

ایہ رحمت ہے تو میرے حبیب	شافع امت ہے تو میرے حبیب
رحمت عالم ہے تو پیارے رسول	شوق سے تو کر دعا ہوگی قبول
اے محمد ہم نہیں کرتے پسند	یہ کہ پہنچے تیری امت کو گزند
استراحت کی نہ جانب میل کر	بہر امت کر دعا اب تا سحر
بخشنا اس کا ہے گرد دعا	اب امت کے لئے رحمت اٹھا

حضور علیہ السلام اس وقت اٹھے۔ اور غار حرا کی طرف تشریف لے گئے۔ اور وہاں
بجہ میں گر کر دعا مانگنے لگے

در پہ حاضر ہے تیرے اے ذوالجلال	بندہ افسردہ دل آشفتنہ حال
در پہ حاضر ہے یہ تیرا مقطفہ	در پہ حاضر ہے یہ غم کا مبتدا
جب تلک تو میری امت کے گنہ	اپنی رحمت سے نہ بخشے گا آلہ
یہ تیرا بندہ تیرا پیارا بنی ۲	کہ اٹھائے گا نہ سجدہ سے کبھی

اے امت محمدیہ اپنی خوش قسمتی پر ناز کر کہ تیری بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب
کو خواب استراحت سے جگا کر دعا کرنے کا حکم کرنا ہے کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہونا

کہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ اس کے حبیب کی امت کے عذاب اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بخشش اور اس پر حبیب خدا کی شفاعت سونے پر سونا لگ ہو گئی۔ یا اللہ ہم تیرے حبیب کی شفاعت سے تیری بخشش کے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ہمارے اعمال تو اس قابل ہیں کہ ہم دوزخ کا اندھن بنیں۔

حضرت عیسیٰ اور ایک بدگوشمن

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن وعظ فرما رہے تھے۔ ہر لفظ تاثیر میں ڈوبا ہوا تھا۔ سب لوگ اس سے متاثر ہو رہے تھے۔ ایک سفد خورشمن بھی وہاں کھڑا تھا۔ وہ بول اٹھا۔ لوگو! اسکی بات نہ سنا۔ اس نے مکر کا جال بچھا رکھا ہے۔ سب ظاہر داری ہے۔ اصل کچھ بھی نہیں۔ اس کے باپ کا بھی پتہ نہیں کہ کون تھا۔ مال و دولت بھی اس کے پاس نہیں۔ ہر وقت بے نواؤں کی طرح ادھر ادھر پھرتا رہتا ہے۔ مال کی خدمت کی بھی اسے پرواہ نہیں کبھی کہتا ہے شریعت پر چلو تو رکت کے احکام پر عمل کرو۔ بھی کہتا ہے خود دل میں آئے کرو۔ خدا کو تمہاری عبادت کی احتیاج نہیں۔ اسکا اصل مدعا یہ ہے کہ کہیں شاہی مل جائے۔ کبھی کہتا ہے قیصر کی اطاعت فرض ہے۔ میں تو آسمانی بادشاہ ہوں۔ تمہیں خراج دینا وی بادشاہ کو دینا چاہیے۔ الغرض اس کا تمام کام لا ابالی ہے۔ کہیں معقولیت کا نام نہیں ایسے آدمی کے چال چلن کا بھی کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کبھی زاہد بن بیٹھتا ہے کبھی شراب پیئے لگتا ہے۔ استراحت میں سے اس کا کوئی بھی رفیق نہیں۔ اس کے جال میں جو دس بارہ اٹو پھنسنے ہیں ان میں سے کوئی مچھو ا ہے کوئی دھوبی۔ کوئی جلاہا ہے کوئی نیلی۔

اس کی یہ تقریر سنا کر حضرت عیسیٰ نے جواب دیا۔ اے بھائی! خدا تجھ پر رحمت کرے۔ میں تیرا ممنون ہوں کہ تو نے مجھے میرے غیبوں سے مطلع کیا۔ اس پر اس بد معاش نے اور گالیاں دینا شروع کر دیا وہ دشنام دیتا آپ دعا دیتے۔ آخر ایک گھنٹہ بکواس کر کے وہ ٹھک کر چل دیا۔ ایک حواری نے روح اللہ سے عرض کیا۔ حضرت اس نابکار کی طرف سے یہ سختی اور جفا اور آپ کی جانب سے یہ نرمی اور

دعا؛ آپ کو جواب ترکی بر ترکی دینا لازم تھا۔ آپ نے فرمایا بھائی میں ناچار ہوں جو کچھ اندر ہو وہی باہر ہوتا ہے۔ مجھ میں خدا نے رحمت بھری ہے میں کسی پر سختی کس طرح کر سکتا ہوں؟
نیک سے نیک ہو اور بد سے بدی ظرف میں جو ہو گا پتکے گا وہی

رسول کریم صلی اللہ وسلم کی خدمت میں ایک گنہگار کی توبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نفس کے ہاتھوں بہت تنگ ہوں۔ سر سے لیکر پاؤں تک میں عرق گناہ ہوں مجھ جیسا کوئی گنہگار نہیں۔ عیسوں میں ادھی صدی گزر گئی اور بدی جزو عادت بن گئی میری دستگیری فرمائیے ورنہ گنہگاری ہی میں جہان نکل جائے گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا۔ تم میں کون کون سے عیب ہیں۔ اس نے عرض کیا پیارا! زنا (۲)، شرابی (۳)، سرور (۴)، دروغ گوئی۔ آپ نے فرمایا جھوٹ بولنا چھوڑو باقی عیب بھی انشاء اللہ جھوٹ جھانکے گئے۔ دیکھنا ارادہ مضبوط اور توبہ نہ ٹوٹے۔ وہ بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور آپ کے سر کی قسم میں عہد کرتا ہوں کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ اگر میری زبان سے دروغ سرزد ہوا تو میں اسے کاٹ ڈالوں گا۔

رات کو اس نے شراب پینے کا ارادہ کیا۔ پھر سوچا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ شراب پی تھی تو کیا جواب دوں گا۔ جھوٹ تو بول نہیں سکتا۔ سچ کہوں تو مجھ کو حد جاری ہوگی۔ ایک رسوائی۔ دوسرا عذاب یہ سوچ کر اس نے شراب نوشی سے بھی توبہ کر ڈالی اور شراب کے تمام برتن (دخم، مینا اور جام) توڑ ڈالے پھر اس نے زنا کا ارادہ کیا۔ مگر پھر سوچا کہ حضور پوچھیں گے تو سچ بولنا ہوگا۔ جس پر زنا کی سخت سزا (سنگساری) ملے گی ذلت بھی ہوگی اور جہان بھی عذابوں سے نکلیگی۔ اس گناہ سے بھی توبہ کرنا چاہئے چنانچہ وہ زنا کاری سے بھی باز رہا پھر اس کو چوری کا لالچ آیا۔ مگر یہاں بھی ترک کذب کا عہد مانع ہوا۔ دل نے کہا کہ اگر چوری کا اقرار کرو گے تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ اگر جھوٹ بولو گے تو عاقبت شراب ہوگی۔ آؤ اس سے بھی توبہ ہی کریں چنانچہ اس نے چوری سے بھی توبہ کر لی۔ ایک جھوٹ چھوڑنے سے اس کے سب عیب جھوٹ گئے۔ اسکے بعد وہ

ایک دن حضور پر انوار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پائے اقدس پر گر کر عرض کرنے لگا کہ
یا حضرت! آپ نے حکم سے میں نے ایک جھوٹ ترک کیا تو سب عیب چھوٹ گئے۔
الْحَقُّ قُيِّنِي وَالْكَذِبُ يَهْلِكُ۔ سچ بچاتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔

روشن دل بلال رضی اللہ عنہ

حضرت بلال عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاح فام جلشی تھے مگر اسلام
نے ان کے دل کو نورانی کر دیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اسکے دل میں گھر
کر چکی تھی اسلئے وہ ہر وقت حضور ہی کا ذکر کیا کرتے۔ اس سے بلال کا بیوی آقا چڑھتا اور طرح
طرح کی اذیتیں دیتا۔ مثلاً جلشی دھوپ میں گرم ریت پر نہنگاٹا دیتا اور خار دار شاخیں
دیکر مارتا۔ آپ کا بدن زخموں سے پھلنی ہو جاتا۔ مگر آپ احمد اور احمد کا ورد نہ چھوڑتے
ایک دن حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ کا اس طرف گزر ہوا اور اپنے روحانی خواجہ تماش
کو ایسی مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ بلالؓ کے پاس گئے۔ اور کہا بھائی
محبوب کی یادوں میں رکھو زبان پر نہ لاؤ۔ تو تکلیف نہ اٹھاؤ۔ بلالؓ مان گئے کہ اچھا
اب ضبط سے کام لوں گا۔ مگر جب پھر عشق کا غلبہ ہوا اور محبوب کی یاد نے ترمایا تو
ہوئے! اے محمدؐ اے عفو و توبہ! اظہار عشق حبیبؐ سے میری زبان نہیں رک سکتا
خواہ اس پر پٹے پیٹتے مری کیوں نہ جاؤں۔ الہی میں نے جو تیرے اور تیرے حبیبؐ
کے نام کا وظیفہ پڑھنے سے توبہ کی اس سے میری توبہ۔ آپ کے ظالم مانگ نے جب
یہ سنا۔ پھر وہی سخت سزا شروع کر دی۔

صدیق اکبرؓ پھر ملنے آئے اور دیکھا کہ عاشق حبیبؐ خدا بدستور گرفتار عذاب
ہے۔ تو آپ کا دل تڑپ اٹھا۔ فوراً بلالؓ کے آقا کے پاس گئے اور اس سے کہا یہ
کاہ ظالم! خاتم تیرے کام نہیں۔ تو اسے تھے رے دے اور اسکے بد سے تیرے عیب
خاتم سے۔ اس نے منکر دل سے کہا اور کچھ بد یہی سنا۔ صدیقؓ نے جواب دیا ہاں
کچھ نقد بھی دے۔ دوں گا ظالم! ان گیا۔ صدیقؓ فوراً اٹھ کر لوٹے اور اپنا خوب صورت
ندامت پر نظر روپیہ لے کر بیوی کے پاس آئے۔ بلالؓ کو ان کے عفو و توبہ
جب سوز و جفا کو بیوی تو قبضہ مار کر مہنا۔ صدیقؓ نے کہا یہ کھل کھلا کر مہنا کیسا

اس پر اس نے ایک اور قہقہہ لگایا اور کہا کہ تم جیسا بھی کوئی بھولنا بھلا خریدار ہو گا کہ
گورے چٹے غلام کو ایک کالے ناکارے غلام کے بدلے ہاتھ سے دے دے اور پھر اور
روپیہ بھی دے تو رات کی قسم کیا اگر تم اتنی بے تانی ظاہر نہ کرتے تو میں بلال کو مفت دیدیتا
پس جو ابش داد صدیق اے غبی گو ہرے دادی بخوزے ہوں صبی
اونبزد من ہے ارزو دو کون من بجانش ناظر استخنے بلون
صدیق بولے تجھے کیا معلوم کہ ہمارے نزدیک اس روشن دل بلال کی کتنی قدر و
قیمت ہے۔ ارے یہ تو دنیا بھر کی دولت سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ اس کے دل میں
سرور و وہماں کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ تو اندھا تھا تو نے اس کی قدر نہ
پہچانی۔ اگر تو اور اڑتا تو میں اس پر اپنا تمام مال و منافع قربان کر دیتا۔ تو نے ایک بچے
کی طرح ایک اخروٹ لیکر بے بہادر دیدیا۔ اے بد قسمت شخص! تو اپنی بد نصیبی پر ماتم کر۔
صدیق بلال کو بے گھر حاضر بارگاہ نبوی ہوئے حبیب خدا نے فرمایا خوش آمدید
محبوب کی آواز سکر بلال بے خود ہو کر گر پڑے۔ تصور نے اپنی آغوش رحمت میں لے
لیا۔ اور دونوں جہان کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے

مصطفیٰ آتش در کنار خود کشید تو پھر دانی بخششے کور رسید
اں خطا باتے کہ گفت اں دم نبیؐ گزند بر شب بر آید از شبی
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے طفیل ایک حبشی غلام احرار جہان کا سردار بن گیا
پس جو کوئی بھی حبیب خدا سے محبت رکھے گا داریں میں کامیاب و سرفراز و
نمناز ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ستونِ حنّانہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک خشک خرمائے درخت کے ساتھ کھڑے ہو کر مسجد میں
وعظ فرماتے تھے۔ پھر جب منبر بن گیا تو آپ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ منبر پر بیٹھے
ہوئے تھے رونے کی اس طرح آواز آئی جس طرح کوئی بچہ بے خود ہو کر گرے یہ وزاری
کرتا ہے مجلس وعظ میں حیرت چھا گئی کہ یہاں رونے والا کون ہے آخر معلوم ہوا کہ یہ
معدائے کریمین مسجد سے آرہے ہیں اور وہی حنّانہ (نالاں) ہے حضور منبر سے اتر کر ستون

کے پاس لے اور پوچھا روتے کیوں ہو۔ کیا چاہتے ہو اسی نے عرض کیا۔ حضور کے غم فراق سے دل خون اور آتش ہجر سے بھر جمل کر کباب ہو گیا ہے آپ میرے ساتھ ٹیک لگا کر قیام فرماتے تھے اب مجھے چھوڑ کر منبر پر جا بیٹھے۔ میں ردوں نہ تو اور کیا کروں۔ حضور نے فرمایا اے پیارے درخت تو بڑا خوش قسمت ہے۔ اب بتا کیا چاہتا ہے، اگر تو کہے تو میرے تجھے ہر بھر کر دیا جائے اور تو اس قدر بچھے کہ مشرق اور مغرب کے رہنے والے تیرے میوے سے شاد کام ہوں اور اگر نیری مرضی ہو تو تو دوسرے جہاں میں سر و سہی بنا دیا جائے تاکہ تو وہاں ہمیشہ نر و تازہ رہے۔ ستون جہان نے عرض کیا۔ مجھے بقائے دوام مطلوب ہے۔ حضور نے اسے زمین میں دفن کر دیا کہ وہ روز قیامت آدمیوں کی طرح محسوس ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خواہش بقائے دوام میں اسے غافل تو ستون سے کم نہ ہو۔ جو خدا کا بندہ بن جاتا ہے اسے اس دنیا کی کچھ محبت نہیں ہوتی۔ تابدانی ہر کہ ایزد اُن بخواند از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا دسترخوان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک دن دعوت تھی۔ ایک مہمان کا بیان ہے کہ کھانے سے فاسخ ہونے کے بعد میزبان صاحب نے دیکھا کہ دسترخوان میل سے زرد ہو رہا ہے آپ نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا کہ لے اس کندوری کو تنور میں ڈال دے۔ کینے نے اسے فوراً پتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ مہمان یہ دیکھ کر حیران ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ کب کندوری کا دھواں اٹھتا ہے۔ مگر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ ایک ساعت کے بعد وہ دسترخوان تنور سے نکال لیا گیا ہے نہ وہ جھلسا ہے نہ جھلا ہے بلکہ اسکی میل کچیل بالکل دور ہو گئی ہے۔ مہمانوں نے میزبان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ آگ نے اسے نہیں جھلایا ہے گفت زانکہ مصطفیٰ دست و دہاں بس بمالید اندر یں دسترخوان یعنی حضرت انسؓ نے کہا کہ اس دسترخوان سے کئی بار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اور منہ پونچھا ہے اسی لئے اسے آگ نہیں جلاتی۔

اے دل ترسندہ از نارد عذاب با چناں دست و بے کن اقرب
بھول جہادی را چنیں تشریف داد جان عاشق را چہا خواہد کثاد

یعنی اگر تمہیں آتش و دوزخ سے نجات پانے کی فکر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا فرمان سن کر وہ باب آپس نے بے جان پھیز کو جلنے سے بچا لیا تو اپنے عاشق کی جان
 کو اس طرح کیسے پہنچے دینگے۔

پھر انہوں نے اس خادمہ سے پوچھا کہ بتاؤ نے کیوں حضرت انسؓ کے کہنے سے
 بے سوچے سمجھے اسی قیمتی کندوری کو آگ میں ڈال دیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں حکم
 کی بندی ہوں۔ میرا کام حکم ماننا ہے۔ نیز مجھے یقین ہے کہ وہ جو حکم کریں گے وہ نقصان
 رساں نہیں ہوگا۔ یہ تو دسترخوان تھا۔ اگر وہ مجھے کہتے کہ خود تنور میں کود پڑو تو میں فوراً اپنے
 آپ کو اس میں ڈال دیتی۔ یہ حکایت بیان کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ

اے برادر خود بریں اکسیر زن کم نہاید صدق مرد از صدق زن
 یعنی اے بھائی تو صدق و ایمان میں عورت سے کم نہ ہو۔ مردان خدا کا دامن پکڑ
 مس سے کندن بن جا بگیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کافر مہمان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت مسجد نبوی واقع مدینہ منورہ میں اپنے اصحابؓ
 کے ساتھ بیٹھے تھے کہ چند نووارد کافروں آ گئے اور بولے کہ ہم مسافر ہیں۔ ہمارے
 طعام قیام کا بندوبست کر دیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے سنا ہے کہ آپ
 بڑے مہمان نواز ہیں۔ سب بادشاہوں اور بندوں کے دستگیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے یارانِ کبار کی طرف سے مطالب ہو کر فرمایا کہ اوہم سب ایک ایک مہمان آپس میں تقسیم کر
 لیں۔ چنانچہ سب اپنا اپنا مہمان لے کر کھروں کو روانہ ہو گئے۔ حضور کے لئے جو باقی رہا
 وہ بڑا بد مزاج اور پر خور و تا۔ وہ مسجد میں اس طرح پڑا رہا جیسے بام میں درو (میل)
 حضور علیہ السلام اسکو اپنے پاس لے گئے۔ اس وقت آپ کی سات بکریاں شیردار تھیں
 وہ تمام کا دودھ پی گیا۔ اور گھر میں جتنا کھانا پکا تھا۔ وہ بھی شرارت سے چٹ کر گیا۔ حضورؐ
 نے اسے علیحدہ سونے کے لئے حجرہ دے دیا۔ خادمہ کو اسی شرارت پر بڑا رنج تھا۔ وہ
 آئی اور دروازہ باہر سے بند کر گئی۔

اُدھی رات گزری تو اسے درو شک ہوا۔ اور دست آنے لگے۔ وہ اندر ہی ففسا گئے

حاجت کرتا رہا۔ اس نے تمام کپڑے بھی خراب کر دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح اگر دروازہ کھولا اور آواز دی کہ بیدار ہو۔ اور خود عدا ایک طرف ہو گئے تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو دروازہ کھولا دیکھ کر وہ آہستگی سے باہر نکلا اور نظر بچا کر بھاگ گیا۔

ایک شخص اس کافر کے غصے کردہ کپڑے حضور کے سامنے لے آیا اور بولا دیکھئے حضرت ایک شخص کے کتوت۔ آپ سنئے اور فرمایا کہ کچھ فکر نہیں۔ لاؤ میں ان کپڑوں کو اپنے ہاتھ سے پاک کروں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہماری جانیں اور جسم آپ پر قربان یہ ناپاک کپڑے ہم دھوئیں گے کیونکہ یہ ہاتھوں کا کام ہے دل کا نہیں۔ ہم دست دہائیں اور آپ جان و دل ہم آپ کی خدمت گزاری کیلئے زندہ ہیں حسبِ ایسا کرنے لگیں تو ہم کسے نہیں مبراے خدمت تو مے زیمیم جوں تو خدمت میکنی پس ماکنیم حضور علیہ السلام نے فرمایا جو تم کہتے ہو سچ ہے۔ مگر میرے دھونے میں ایک حکمت ہے جو ابھی ظاہر ہوگی۔

وہ شرمندہ اپنی ہیکل حجرے میں بھول گیا تھا۔ جب اسے یاد آئی تو تمام شب شرمندہ بالائے طاق رکھ کر واپس لوٹا۔ طمع بری بلا ہے نہ یہ حیا باقی چھوڑتی ہے نہ شرم۔ جب واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ خواجہ کون دمکان اپنے دست مبارک سے اس کافر کی نجات دھورے ہیں یہ دیکھ کر اس کے دل پر روبرو اثر ہوا اور بے اختیار اس کی چیخیں نکل گئیں اور افسوس سے اپنا سر پیٹنے لگا۔ حضور نے اٹھ کر اسے تسلی دی اور فرمایا کہ کوئی بات نہیں یہ لو اپنی ہیکل سے

چول زحد بیرون بلرزید و طہید مصطفیٰ اش در کنار خود کشید
یہ دیکھ کر وہ اور بھی شرمندہ ہوا۔ اور معافی مانگنے لگا اور بول اٹھا کہ اسلام برحق آپ کے رسول برحق ہیں۔ جھوٹا میرا دین (کفر) جھوٹا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہیں وہ مشرف باسلام ہو گیا۔ رات کو اس کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ تو اس نے بہت کم کھایا۔ اور کہا کہ حالت کفر میں میرا دوزخ شکم کبھی نہ بھرتا تھا۔ اب نور اسلام نے مجھے سیر کر دیا ہے۔
حرص و وہم و کافری نہ نزدیک شد از دہا از قوت مورے سیر شد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابرکرم اور بحر رحمت تھے دوست دشمن سب سے بھلائی ہی کرتے اسی لئے دنیا آپ کی تابع ہو گئی۔ کیا ہی خوب لکھا ہے۔ میرے بھائی

عاقی صاحب مرحوم نے ہے

کچھ انکے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیدائنے کر لی مسخر اس طرح دنیا شہ ابرار نے کر لی

حضرت عمرؓ اور قیصر روم کا ایلمچی

حضرت عمر فاروق اعظمؓ جب خلیفہ تھے تو آپ کی خدمت میں قیصر روم کا ایلمچی آیا۔ وہ سارے شہر میں تلاشی کرتا پھرا کہ کہیں اونچی محل نظر آئے اور وہ خلیفہ کا دیدار مگر اسے مدینہ میں کوئی محل نہ دکھائی دیا۔ لوگوں سے پوچھا تو جواب ملا کہ خدائے حفیظ کا حفظ عمر کا حصن حصین و مضبوط قلعہ ہے۔ اس شہر کو قصر کی صاحت نہیں عمر اگر امیر المومنین ہیں مگر انکے اور عام غریبوں کے گھر میں کچھ فرق نظر آئے گا۔ یہ سنکر قاصد کا شوق ملاقات اور بڑھا۔ اور وہ ہر طرف تلاشی میں پھرا۔ وہ تعجب کرتا تھا کہ اس قدر جلیل القدر نامور خلیفہ ہو اور شہر میں یوں چھپا رہے جس طرح جسم میں جان۔ آخر ایک بڑھیا نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نہیں عیال ہے وہ دیکھو خرمائے درخت تلے بیٹھا ہے۔ قاصد آگے بڑھا مگر بوہنی آنکھیں دوچار ہوئیں۔ قاصد کے پاؤں لرکھڑا گئے۔ دل پر رعب فاروقی غالب ہوا۔ لب پوچھنا موشی لگ گئی تپ تپ تن نو جوان خوف سے کانپنے لگا۔ وہ خود حیران تھا۔ کہ الہی بر کیا حال ہے میں نے قیصر و کسرت کے عظیم الشان دربار دیکھے بیسیوں لڑائیوں میں دوشجاعت دی دشمنوں کو مارا خود رضی ہوا بشرو کو زیر کیا۔ مگر کبھی چہرے کا رنگ نہ بدلا اور کبھی بدن کا جوڑ جوڑ اس طرح نہ کانپا بیشک اس شخص میں خدائی رعب و جلال ہے گدڑی میں ستر الہی نہیں ہے

ہمیت حق است ایس از خلق نیست ہمیت ایس مرد صاحب دلق نیست

ہر کہ ترسد از حق و تقوے گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

جسکے دل میں خدا کا خوف ہوا۔ وہ حق کے سوا کسی سے نہ ڈرے اس سے سب خوف کھاتے ہیں الغرض ایک گھڑی بعد حضرت فاروق اعظمؓ بیدار ہوئے۔ ایلمچی نے کہا۔ السلام علیک یا امیر المومنین! حضرت عمرؓ نے وہدیک السلام کہہ فرمایا۔ آگے آجاؤ۔ اور خوف و ہراس دل سے دور کرو۔

ہر کہ ترسد مرد را ایمن کنند مرد دل ترسدہ را ساکن کنند

اُس دل از ہارفتہ راول شاد کرد خاطر ویرانش را آباد کرد

شیخ کامل بود و طالب مشتی مرد بہا یک بود و مرکب در گہی
 دید آں مرشد کہ او ارشاد داشت تحم پاک اند زمین پاک کاشت
 یعنی قاصد کہ خدا ترین پاک حضرت عمرؓ نے فیض باطنی سے مالا مال کر دیا۔
 بعد ازاں گفتش سخنہائے دقیق در صفات پاک حق نعم الرفیق

ہلال عید کی دید میں دھوکا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ماہ صیام کی عید (یعنی عید الفطر) کا چاند
 چاند دیکھنے لگے۔ کچھ جوان پہاڑی پر چڑھ گئے۔ تاکہ پہلے وہی چاند کا پتہ دیں۔ انہیں سے ایک
 بول اٹھا کہ اسے عمرؓ میں نے چاند دیکھ لیا ہے۔ مگر وہ معمولی سے زیادہ باریک ہے۔
 آپؐ نے فرمایا۔ مجھے بھی دکھا۔ آپؐ کو نظر نہ آیا۔ آپؐ نے اوروں کو غور سے دیکھنے کو کہا
 مگر ہلال کسی کو دکھائی نہ دیا۔ حضرت عمرؓ فوراً تازہ گئے۔ کہ اس جوان کو دھوکا ہوا ہے آپؐ نے
 اسے کہا کہ اپنا ہاتھ ترک کر کے اپنے منہ پر ملے۔ تاکہ تیرے ابروؤں کی کچی نکل جائے۔ تیرے
 ابرو کا کوئی بال ٹیڑھا ہو گیا ہے جو تیری آنکھ کو چاند بن کر دکھائی دے رہا ہے۔
 چنانچہ اس نے منہ دھویا۔ اور اس کے موئے ابرو درست ہوئے تو چاند اس کی نظروں
 سے غائب ہو گیا۔ اب بہتہ آنکھیں بھجڑ بھجڑ کر دیکھا مگر کوئی ہلال نظر نہ آیا۔
 چوں یکے موکش شد از ابروے او شکل ماہ نمود آں موئے او
 موئے کتر چوں پردہ گردوں شود چوں ہمہ اجزات کتر شد چوں بود
 دیکھو ابرو کا ایک ٹیڑھا بال آنکھ اور آسمان کے درمیان پردہ بن گیا تو خیال کرو کہ جسکی ہر شے
 ٹیڑھی ہو وہ حق باطل میں کس طرح تمیز کر سکتا ہے جسکی کمر ہوسے دوستی ہوگی اسکی عقل میں ضرور
 کچی واقع ہو جائیگی۔

پیر چنگی اور لطف ایزدی

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک مطرب تھا۔ گانے بجانے میں بڑا استاد نظر میں
 رہتا۔ باطن میں نیک۔ جوانی میں اسکی ساری کی ہر طرف دھوم مچتی جس کے کان میں انکی گواز
 پڑ جاتی وہ بت نہ کھڑا ہو جاتا۔ اس کی خوش آوازی مردوں میں جان ڈالتی تھی اب وہ ستر برسی

کا بوڑھا تھا۔ رات نہ گریئے تھے گلے میں زور نہ رہا تھا۔ نہ وہ نواسازی تھی نہ خوش آوازی نہ لوگ اسکی آواز پر شیدا تھے۔ ساتھ چھوڑ گئے۔ اور وہ نان جویں کا محتاج ہو گیا دنیا کی ریونیائی دیکھ کر اسکا دل ٹوٹ گیا۔ آخر اس نے خدا کی طرف رجوع کیا۔ اور اسکی بہ کرام کے مدد جنت البقیع میں جا کر نہایت تعزین و نازاری سے گناہوں سے معافی مانگی۔ اور کہا خدا یا تیری بندہ نوازی کے قربان میں خطا کار رہا تو خطا پوش۔ میں گناہ گزار رہا۔ تو رزق دیتا رہا۔ میں کس کس احسان کا شکر کروں۔ میں کیا اور میری زبان کیا۔ وہ روتا روتا وہیں سو گیا۔

اسی وقت حضرت عمرؓ بھی خواب نے غلبہ کیا۔ عالم و بیا میں آپ کو الہام ہوا کہ البقیع میں ایک مرد با ہذا بیٹا ہے۔ عمر اس کے پاس سات سو دینار لیکر جاتا۔ اور اسکی ہر طرح دیکھتی کرو۔ حضرت عمرؓ جب قبرستان میں پہنچے تو انکو ہر جنگی کے سوا اور کوئی دکھانی نہ دیا۔ آپ پہلے حیران ہوئے پھر کہا رب کا کرم ہے جس پر پہنچا ہے۔ وہ سو رہا تھا۔ آپ اسے سامنے با ادب بیٹھ گئے۔ آپ کو زور سے پھینک جو آئی۔ تو وہ بیدار ہو گیا۔ اور فاروق اعظمؓ کو پاس بیٹھا دیکھ کر کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ تو مطلق خوف نہ کر۔ میں تیرے لئے خوشخبری لایا ہوں اللہ تعالیٰ تجھے سلام کہتا ہے۔ اسی نے یہ تیرے لئے مال بھیجا ہے اسے خرچ کر ختم ہو جائے تو اور لے لینا نیز اسی نے کہا ہے۔

کر تو کل ہم پر اور گاشوق سے جنگ نیری ہم نہیں کے ذوق سے یہ بشارت سنکر یہ جنگی سجدہ میں گر گیا۔ اور بالاح و زاری دعا مانگنے لگا کہ میں تیری گناہ بخش اور بندہ نوازی کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اب جب تو نے میری خطاؤں کو معاف کر دیا ہے۔ اور پاک ہو گیا ہوں۔ میں اس دنیا میں نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے اپنے پاس بلا لے یہ دعا اسکی فوراً قبول ہوئی۔ اور وہ سجدے میں ہی واصل بحق ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ انسان عبادت پر نازاں نہ ہو اللہ کو بخیر و نیاز پسند ہے عابدوں کا عز و پسند نہیں۔

مہدیمان توکل پر حضرت عمرؓ کی صحبت

یہں کے کچھ لوگ حضرت عمرؓ کو فاروق اعظمؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں منسوسے آئے۔ فرمایا تمہارا کیا پیشہ ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہم کوئی کام نہیں کرتے توکل پر گزارہ ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جواب دیا۔ یوں کیوں نہیں کہتے کہ حضرت نورسے ہو اپنا بار کو دوسروں

پر ڈالے ہوئے ہو۔ کماتے اور بیس کھاتے تم ہو۔ افسوس! ایسے نکلے اور ناکارے لوگ اپنے آپ کو متوکل کہیں۔ سنو! تم کسی تعریف کے مستحق نہیں۔ توکل کرنا دھن ہے سیکھو بول جوتا ہے۔ دانہ ڈالتا اور کھیت کو پانی دیتا ہے اور پھر اس قدر محنت و مشقت کے بعد اللہ پر توکل رکھتا ہے۔ کہ خدا اسکی محنت کا پھل دے۔ یا توکل پیشہ وہ سوداگر ہے جو لاکھوں کا مال کشتی میں ڈالکر اسے موج خیز دریا کے سپرد کر دیتا ہے تاکہ مال تجارت دوسرے شہروں میں پہنچ کر بیکے اور اسے نفع حاصل ہو۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا آپ نے پوچھا سواری کہاں چھوڑ آئے۔ کہا اونٹ باہر بٹھا آیا ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا اسکا زانو باندھ آئے ہو؟ جواب دیا کہ حضور! میں اسے توکل پر کھلا چھوڑ آیا ہوں۔ حضور نے فرمایا بر توکل زانو کے اشتربتہ بند، اونٹ کا پہلے زانو باندھو پھر توکل کرو۔

مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ کام کرے مگر بھروسہ کام پر نہیں۔ بلکہ اللہ پر رکھے۔ کیونکہ انجام کار اسی کے ماتھے میں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر رسول اللہ ﷺ پر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے منبر پر خطبہ کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے قیہے پایہ پر قدم رکھا۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ یا حضرت! یہ کیا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد از انبیا برہیں۔ دوسرے پایہ پر کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر فاروق اعظم نے پہلے پایہ پر مقام کیا۔ مگر آپ قیہے پر کھڑے ہو گئے۔ کیا آپ ان دو سے برتر ہیں؟

حضرت عثمان نے جواب دیا کہ بات یہ نہیں ہے۔ جو تم سمجھو اگر میں اول پایہ پر متمکن ہوتا۔ تو مسلمانوں کو وہم ہوتا۔ کہ میں فاروق اعظم کا ہم پایہ ہوں دوسرے پر جاگزین ہونیے گمان ہوتا۔ کہ میں صدیق اکبر کا ہم رتبہ ہوں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دونوں مجھ سے برتر تھے۔ میں نے نہ پایا۔ کہ میں ان کی جگہ پر قیام کروں۔ اور لوگ مجھ کو انکا ہم پایہ سمجھنے لگیں۔ پس میں نے یہی مناسبت خیال کیا۔ کہ میں اس جگہ کھڑا ہوں۔ جہاں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے۔ یہاں کھڑا ہونے سے کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا کہ میں سرور
عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا سمجھا جاؤں گا۔

بہت آس بالا مقام مضطرب
وہم مشغول نیست با آن شد مرا
پس آپ حضرت تک منبر پر خاموش لب کھڑے رہے۔ کیسی مجال نہ تھی کہ کہتا کہ یا حضرت! کچھ
فرمائیے۔ ورنہ ہم مسجد سے چلے جاتے ہیں۔ خاص و عام پر ہدیت چھائی تھی اللہ کے نور سے
صحن و بام پر تھے۔ آنکھوں والے اس نور کا مشاہدہ کر رہے تھے انہوں نے بھی ٹوکے
کر لیا کہ روشن آفتاب نکل آیا ہے لیکن اس آفتاب ایزدی کی گرمی دیدہ کٹا تھی۔
جس سے سنی ہوئی چیز مشاہدہ میں آگئی۔ اور اندھے خوشی سے بول اٹھے کہ ہم بنیا ہو گئے
گو یا حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا۔ کہ عمل سے نصیحت کرنا زبانی
نصیحت کر نیسے بہتر ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ایک مشرک کا مکالمہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک مشرک آیا اور کہنے لگا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ خدا
حافظ و ناصر ہے۔ زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے۔ اگر یہ درست ہے تو آؤ اسکا امتحان
کریں۔ آپ ذرا بلند مکان پر چڑھیں اور یا حافظ یا ناصر پکارتے ہوئے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں
میں پھر دیکھوں گا۔ کہ خدا آپ کی مدد کرتا ہے اور آپ کو مرنے سے کیسے بچاتا ہے! حضرت علیؑ
نے فرمایا تیرا یہ سوال بڑا احمقانہ ہے۔ کیا تیرا یہ مطلب ہے کہ میں بے ادب اور گستاخ بن کر
اپنے رب کا امتحان لوں۔ خدا کی قسم میں کبھی ایسی جرات نہیں کر سکتا یہ اختیار آقا کو حاصل
ہے کہ اپنے بندے کی وفا کا امتحان لے۔ علیؑ کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ اپنے مولا کو امتحان
میں ڈالے جو بندہ ایسا کرے گا اسے دنیا پاگل کہے گی۔

کے دسد مر بندہ را کو با خدا
از لاش پیش آرد زابتلا
اُن خدا راے دسد کو امتحان
پیش آرد ہر دے با بندگان
پوں نلجند او بمیزانِ خرد
پس ترازوئے خرد را بردرد

حضرت علیؑ اور ایک بے ادب حریف

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک دفعہ دشمن سے سامنا ہوا۔ دشمن زخمی ہو کر بھاگا حضرت
علیؑ نے دوڑ کر اسے چالیا۔ اور گرا کر اسکا سر تن سے جدا کرنے ہی کو تھے کہ اسنے نیپے پڑے
پڑے آپ کے منہ پر حقوک دیا۔ آپ فوراً اسکے سینہ پر سے اٹھ بیٹھے اور اسے چھوڑ کر الگ کھڑے
ہو گئے۔ وہ یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ مجھ پر قابو پا کر میری بے ادبانہ حرکت کے باوجود آپ نے مجھ کو
چھوڑ دیا۔ پوچھا یا حیدر کہ اگر ایہ کیا بات ہے آپ کو تو مجھے فوراً قتل کر دینا چاہئے تھا کیوں کہ میں
تورات سے آپ کے مبارک چہرہ کو اپنی ناپاک حقوک سے آلودہ کر دیا تھا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے یہ

گفت من تیغ از پئے حق بے زعم بندہ حقم نہ ماورہ تنسم

شیر حقم نیستم شیر ہوا فعل من بردین من باشد گوا

چوں در آمد ملتے اندر غذا تیغ را دیدم نہان کردن سزا

یعنی میں تجھ سے حق پر لٹا ہوا تھا۔ کوئی ذاتی عداوت نہ تھی۔ تو نے اس حرکت
سے میرے نفس کو انتقام پر آمادہ کیا۔ مگر میں خدا کی توفیق سے فوراً سنبھلا۔ اگر میں تجھے
مار ڈالتا۔ تو خدا کو کیا منہ دکھاتا۔ میں تیرے حق ہوں۔ نفس کے کہنے پر نہیں چلتا۔
یہ خلوص دیکھ کر وہ مشرک فوراً مسلمان ہو گیا۔ اور اسکے اثر سے اسکی ساری قوم
بھی مشرک باسلام ہو گئی۔ تاہر اسی کام کا ملتا ہے جو خلوص سے لٹا کیا جائے۔

پر نالے پر بیٹھا ہوا بچہ

زاں شد ستمد از شیر پیغمبران تا بجنسیت دہند از ناوداں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیٹھے تھے کہ ایک عورت ہانپتی کانپتی ہوئی آئی اور کہنے لگی
حضرت! ایک بڑی مشکل آپ ہی ہے۔ براہ خدا اسے حل فرمائیں۔ آپ نے پوچھا کیا
معاملہ ہے۔ عرض کیا میں کوٹھے کی چھت پر بیٹھی سی رہی تھی کہ میرا ایک بچہ میرے
پاس سے ٹپکتا ہوا گھٹنوں کے بل پر نالے پر بیٹھا۔ میں نے اسے بہتر دودھ کا لالچ دیا
اور ہر ڈھب سے وہیں بلائے کی کوشش کی۔ مگر وہ پر نالے کے سرے پر جم کر
بیٹھ گیا ہے۔ مجھے دیکھ کر مسکرا چھوڑتا ہے۔ مگر ادھر کو بٹنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مجھے
دور ہے کہ وہ پر نالے پر سے گر کر کہیں مر نہ جائے۔ خدا کے لئے کوئی علاج بتائیں کہ وہ
میرے پاس چھت پر آجائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا جاؤ اسکا ایک ہم عمر بچہ لیجا کہ محبت پر

پرنلے کے سامنے بٹھا دو۔ جب وہ اپنے ہم سن کو دیکھ گیا۔ ہم جہنمی کی کشش اسے
کھینچ لائے گی۔ چنانچہ وہ عورت بچے کی عمر کا ایک لڑکے لگی جسے چھت پر سامنے
دیکھ کر وہ واپس آ گیا اور ماں کی جان میں جان آگئی۔

بجہنمی کی بڑی کشش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسانوں میں
سے ہی انبیاء کو ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ کبھی کوئی فرشتہ یا جن نبی بنا کر نہیں بھیجا
کیونکہ اس صورت میں انسانوں کا ان سے مانوس ہونا اور بات سننا ممکن نہ تھا۔
مولانا فرماتے ہیں کہ انبیاء کو اپنے جیسا خیال کرنا بڑی نادانی ہے۔ ایسا خیال شیطانی
فعل ہے۔ ابلیس نے آدمؑ کے خاکی وجود پر نظر کی باطنی کمالات کو نہ دیکھا اور حمد کر کے
ملعون و مردود ہوا۔ پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتا
ہے وہ ابلیس کا میراثی ہے۔

زرد بینی جملہ نور اُفتاب	زاد بگینہ زرد چوں سازی نقاب
تا شناسی گرد را مرد را	بشن اُن شیشہ کبود و زرد را
گرد را تو مرد حق پنداشته	گرد را تو سرافراشته
چوں فراید بر من آتش جبین	گرد دید ابلیس و گفت ای فرعون
داں کہ میراث ابلیس است اُن نظر	تا تو مے بینی عزیزاں را بشر
پس تو میراث اُن لگ چوں سید	گرد و فرزند ابلیسی اے عزیز

نقاش کی نقاشی اور چوٹیوں کا تبصرہ

ایک مصوّر اپنے محنت پر نقاشی کا کام کر رہا تھا۔ اس جگہ کئی چوٹے پھر رہے تھے۔ ایک
بولہ بھائیو دیکھ کر یہ قلم کیا قیامت ڈھار رہا ہے۔ یہ قلم تو مافی رقم ہے دیکھو تختہ
پر کس خوبی سے گل رنگس و سوسن آراستہ نظر آتے ہیں دوسرا بولا تو غلط سمجھا یہ سب سحر کاری
ماحقہ کی ہے۔ قلم پیارہ مجبور ہے بہ طرف ماحقہ پھرتا ہے۔ وہ پھرتا ہے۔ تیسرے چوٹے
نے کہا اے بے بھر! تجھے آدمی بیٹھا ہوا نظر نہیں آتا۔ ماحقہ تو ایک آلہ ہے یہ سب
سجاد و گری تو مصوری کی ہے چوتھا بولا۔ آدمی محض ایک حیوان ہے۔ یہ سب عقل کا کام
ہے۔ جو یہ پھول بوٹے نقش ہو رہے ہیں۔ پانچواں چوٹا جو سب سے بڑا تھا آنکھ

پڑھی کر کے کہنے لگا۔ عجایبو! تم میں سے حقیقت کو کوئی بھی نہیں سمجھا۔ فاعل حقیقی تو خدا ہے۔ جس نے انسان کو پیدا کیا۔ اسے جان دی۔ اور عقل بخشی۔ پس جو کچھ تم دیکھتے ہو سب اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

جان جاناں یعنی سب جانوں کی جان ہاں سے بھی ہر جاں پر بڑھکر مہربان
جبر اور قدر کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے۔ اللہ جان۔ اتنی۔ ہاتھ اور قلم کو اس طرح لکھو۔

اللہ	قادر مطلق
جان	صاحب قدرت مگر محتاج قدر
آدمی	جبر و اختیار کے بین بین
ہاتھ	معلوم آدمی (مجبور)
قلم	معلوم دست (مجبور تھا)

حضرت علیؑ اور مسئلہ جبر و قدر کا حل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک شخص گیا۔ جو جبر و قدر کے مسئلہ کے چکر میں پھنسنا ہوا تھا۔ اور اس بات کا قائل تھا کہ انسان مختار کل ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ایک کھڑی کے لئے سر و قد کھڑا ہو جا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا ذرا کھلیف کر کے اپنی ایک ٹانگ اٹھائے۔ وہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے پھر اشارہ فرمایا۔ اب دوسری ٹانگ بھی ذرا اوپنی کر لے۔ مگر نہ دارے باعتبار انسان اگر نامت۔ وہ یہ نہ کر بولا۔ حضرت! میں اس سے مجبور ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں حضرت علیؑ نے فرمایا جا آرام کر۔ جبر و قدر کے مسئلہ کا حل ہو گیا ہے

ہاں سمجھا انسان ہے مقدور بھی اور نہیں اس سا کوئی مجبور بھی
یہ سنکر وہ شخص قائل ہو گیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شکریہ ادا کرتا ہوا چل دیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور شیطان کا حسد

ایک دن صبح کے کھانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے محل میں قیلولہ (دوپہ کا سونا) فرما رہے تھے۔ نماز ظہر کا وقت آگیا۔ آپ کو ایک شخص نے اکڑا کر گایا کہ حضرت بیدار ہو جائے۔

نماز کا وقت ہے مسجد میں جا کر نماز باجماعت پڑھئے۔ آپ نے یہ دیکھ کر بڑا تعجب کیا کہ یہ کون ہے۔ جو دربانوں اور لیپرہ داروں سے پوری چھپے قصر میں داخل ہوا اور پھر میرے دروازہ بند کمرے میں اگھسا۔ آپ اٹھے۔ اور ادھر ادھر تلاش کرنے لگے۔ آخر آپ نے دیکھا کہ ایک شخص پس پردہ چھپا کھڑا ہے۔ آپ نے اسے جا پکڑا اور پوچھا تو کیا بلا ہے۔ بولا شیطان ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تو نے مجھے جگایا ہے؟ جواب ملا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ شیطان نے کہا تاکہ آپ نماز باجماعت کے ثواب سے محروم نہ رہیں معاویہ بولے۔ تو شیطان تیرا نماز سے کیا کام؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کو خبر نہیں کہ میں گزشتہ سال فرشتوں کے ساتھ مشغول عبادت رہ چکا ہوں۔ نیکی کا اثر ابھی دل میں باقی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جھوٹ کیوں بکاتا ہے۔ ہمارے بابا آدم سے تو نے نیکی نہ کی۔ تو ہمارے ساتھ کیوں کرنے لگا۔ تو نسل انسانی کا دشمن ہے۔ سچ کہہ کیا بات ہے۔ تو اس وقت میری گرفت میں ہے جب تک ٹھیک نہیں بتائے گا نہیں چھوڑوں گا۔ شیطان نے بہت ٹائے بالے کئے مگر آپ کو قائل نہ کر سکا۔ آخر اسے بتانا ہی پڑا کہ اے خال المومنین و مسلمانوں کے روحانی ماموں اُم المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کے بھائی امیں نے آپ کو اسلئے بیدار کیا کہ اگر آپ کی نماز فوت ہو گئی۔ تو آپ کے سامنے دنیا تار یک و تیرہ ہو جائے گا اور غم و افسوس سے آپ کی انگلیں اشکباری کر کے ایک طوفان برپا کر دیں گی۔ اور آپ کی پرتاسف آہ و زاری آپ کو سونمازوں کا ثواب دلاوے گی۔ جو کوئی عبادت الہی کا نحو کر ہو۔ وہ اس کے فوت ہونے پر جس بیقراری کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ثواب میں اسکی طاعت سے بڑھ جاتی ہے مجھے معلوم ہے کہ ایک دفعہ ایک اصحابی ذرا دیر سے نماز پڑھنے آئے جبکہ مسلمان مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ پوچھا کیا جماعت ہو چکی؟ جواب ملا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھ چکے۔ اب تم کہاں جاتے ہو۔ یہ سنکر اس کے دل سے درد بھری آہ نکلی جس سے اس کے دل کے خون کی بوائی۔ نمازیوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ بھائی یہ آہ مجھے دے دے اور میری نماز تو لے لے۔ چنانچہ سودا ہو گیا۔ اور نماز دے کر اور آہ لے کر بڑی تضرع و نیاز سے گھر واپس آیا۔

رات اے ہالفت نے کہا کہ تو نے آپ حیات اور شفا خرید لی۔ اس اختیار و دخول کی حرمت سے تمام خلقت کی نماز قبول ہو گئی۔

گرمنا از وقت رفتے مر ترا
اے خال المؤمنین! اگر آپ کی نماز بھی اس طرح فوت ہو جاتی۔ تو آپ کا اس تاسف اس
اں تاسف اں فغان و اں نیاز
من حسودم از حسد کردم چنین
من عدوّم کار من مکر است و کیس
در گزشتے از دوسد ذکر و نماز
دل سے بھی وی آہ نکلی۔ اور ثواب نماز سے بڑھ جوائے۔
حضرت معاویہؓ نے کہا اب تو نے سچ کہا۔ مگر اے مکرار مکرے میں کبھی نہ تھا۔
کہ ترے ہاں میں پھنس جاتا۔ میں شہباز ہوں۔ تیرے نام مجھے نہیں پھنسا سکتے تو
لکھنویوں کو شہد سے ہٹا کر چھاپھ پر لا سکتا ہے ہمیں نہیں لا سکتا۔ تو نے مجھے بیدار نہیں
کیا۔ بلکہ سلا دیا۔ تو نے مجھے ایک نیکی کی طرف اُس لئے بلایا۔ تاکہ تو مجھے اس سے زیادہ
ثواب نیکی سے باز رکھے۔

تو مرا بیدار کردی خواب بود
تو دریں خیرم از اں مے خواندی
تو نمودی کشتی ام گرداب بود
تاز خیر بہترم مے راندی
بھائیو! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دشمن شیطان کے مکر و سب سے ہمیشہ بچتے رہو۔
حلب میں ماتم حسین رضی اللہ عنہ اور ایک شاعر کا اعتراض

ایک عربی شاعر حلب میں روزِ عاشورا پہنچا۔ اور شیعوں کو روتے پٹتے دیکھ کر پوچھا
کہ آج کونسا بڑا آدمی مر گیا ہے جس کے علم میں ایک شہر روتا بیٹھا ہے۔ جواب ملا۔ کیا تمہیں
معلوم نہیں۔ کہ آج امام حسینؑ کی شہادت کا دن ہے آج ایسی جان کا ماتم ہے۔ جو ایک
قرن (یعنی سو برس) میں بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ مومن کے لئے اس پاک روح کا ماتم نوح علیہ
السلام کے سوا طوفانوں سے بھی زیادہ نثرن رکھتا ہے۔ شاعر نے کہا۔ کہ بلا کا واقعہ
تو صدیاں گزر گئیں جو زمانہ زبرد میں ہوا تھا۔ اس کو اندھوں نے دیکھا۔ اور بہروں
نے سنا۔ تم اب تک کہاں سوئے پڑے تھے۔ کہ اب ماتم کی سو بھی! اس گراں خوابی سے
تو تمہارے لئے مر جانا بہتر تھا۔ اگر تمہاری آنکھ اب کھلی ہے تو اس افسوس اور حیرت
سے اپنے کپڑے بھاڑو۔ کہ اب تک غفلت میں پڑے رہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ

کا نہیں بلکہ خود اپنا ماتم کرو۔ کہ ایسی عفت کی نیند سوئے رہے۔
پس غزا بر خود کنیدائے خفنگان زانکہ بد مرگے است ایں خواب گراں
اے خافلو بس لو۔ پاک لوگ دین کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے دنیاوی زندگی
بمزلہ و زنداں ہوتی ہے۔ جب وہ اس سے رہائی پاتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اے
عقل کے اندھو۔ تمہاری آنکھوں نے صرف حسین رضی اللہ عنہ کے جسم کو دیکھا جو تم سمجھتے ہو
کہ خاک ہو گیا۔ مگر افسوس حسینی روح کو نہیں دیکھا۔ جو کبھی نہ مرے گی۔ تم اپنی کور باطنی
اور بے دینی پر ماتم کرو۔ کیونکہ ہمیں اتنا شعور نہیں۔ کہ ارواح مقدمہ کا قضا سن سے
رہائی پاتا تو جب خوشی ہے نہ کہ باعث غم ہے۔

روح سدا لئے زندانے حبست بہنامہ چوں دریم و چوں خایم دست
چونکہ ایشان خرد دیں بودہ اند وقت شادی نہ چو بگستند بند
بر دل و دیں خرابت تو کہ کن کہ نمے بیند جز این خاک کہن
جو لوگ شہیدوں کا ماتم کرتے ہیں۔ وہ واقعی شہیدوں کی شان کو نہیں سمجھتے۔

مسلمان کا سچا خواب

ایک دفعہ ایک یہودی۔ عبدیائی اور مسلمان سفر میں اکٹھے ہو گئے۔ یہ کوئی تعجب کی
بات نہیں۔ ذیکہ لو۔ ایک ہی جگہ عقل و نفس اکٹھے رہتے ہیں۔ ایک ہی نفس میں باز
اور گویے پاک اور بے نمازی پکڑ کر بند کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر جب رہائی پاتے ہیں
تو ہر ایک اپنی جنس کی طرف دوڑتا ہے۔

العرض یہ تینوں رفیق سفر میں ایک منزل پر پہنچے۔ ایک شخص تو اب حاصل کر نیے
لئے بڑا خوش و آغوش ہوا ایک لایا۔ یہ شہید اور میوے ڈالکر بنایا گیا تھا۔ ساتھ گرم گرم نان
بھی تھے۔ شام کا وقت تھا۔ عبدیائی اور موسائی کھانا کھا چکے تھے۔ مگر مسلمان نے ابھی روزہ
افطار کیا تھا۔ اس کے ہر دو غیر مسلم ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو سیر ہوئے ہوئے ہیں۔ یہ کھانا
آج رکھ چھوڑتے ہیں۔ کل کھا میں گے۔ آج رات صبر کرتے ہیں مسلمان نے کہا۔ یہ نان کو تلو آج
رات ہی کھا یا جاؤ گے صبر کل کریں گے۔ وہ بوے تیری یرضی ہے کہ اکیلا کھا جائے مسلمان نے
کہا نہیں ہم تین تین ہیں اپنا اپنا حصہ بانٹ لیتے ہیں جو چاہے اب کھا لے جو چاہے کل کے

لئے رکھ چھوڑے۔ وہ بولے خبردار تقسیم کا نام نہ لو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فی اللہ
 "تا ثلثی والدوزخی ہوتا ہے" مسلمان نے جواب دیا۔ یہ بات نہیں۔ لیکن نیز تمہاری
 یہی مرضی ہے۔ کہ صلوات تقسیم نہ ہو۔ تو نہ سہی پر اتر بنے دو۔

ان دونوں کا قصد یہ تھا۔ کہ مسلمان کو رات بھوکا رکھیں۔ اگر وہ شیر چاہتا تو ان
 بیلوں سے رزق چھین کھاتا مگر زندہ تسلیم و رضا پہ ہو رہا۔ ایک نے ان میں سے کہا کہ جو
 صبح ہم تینوں سے اچھا خواب بیان کرے۔ صلوات اسی کا حق ہے۔ صبح بیدار ہوئے تو یہودی
 نے خواب بیان کرنا شروع کیا۔ کہ مجھے راہ میں حضرت موسیٰ ملے۔ میں اگلے چھپے چھپے روانہ
 ہو پڑا۔ حتیٰ کہ کوہ طور پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے نور نے ہم تینوں کو اسی کوئی چھپے اور کوہ طور
 کو ڈھانپ لیا۔ اور ہم اس نور میں اسی طرح کم ہو گئے۔ جس طرح سورج کے سامنے سیاہ کافور
 ہو جاتا ہے۔ جلوہ نور الہی سے طور کا نپا۔ اور تین ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سندھ میں گرا۔ جس
 اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ ایک ٹکڑا زمین کے اندر چلا گیا۔ اور وہاں سے میٹھے پانی کا چشمہ بھوٹ
 کر بہ نکلا۔ یہ پانی جس رنجور نے پیا۔ اسکی بیماری دور ہو گئی۔ تیسرا ٹکڑا اڑ کر کعبہ کے پاس عرفات
 میں جا پہنچا۔ اس واقعہ نے ہمیں مبہوش کر دیا۔ جب ہوش آیا۔ تو دیکھا کہ طور اپنے مقام پر
 سالم موجود ہے۔ مگر وہ حضرت موسیٰ کے زیر قدم چھٹنا شروع ہوا۔ اور زمین کے برابر ہو گیا۔
 یہ جانتا دیکھ کر مجھ پر بھی بیوقوفی طاری ہو گئی۔ جب پھر سنبھلا تو طور نے اسی کو دیکھا۔ یہ
 پایا۔ دامن کوہ کی طرف بولنگری تو اسی میں بڑے بڑے انبار اور اولیاد کھائی دیکھے جو
 حضرت موسیٰ کی طرح رقبہ اربعی کا غرہ لگاتے ہوئے طور کی طرف آ رہے تھے۔ یہ راہ عجیبہ
 غلو فطرت نظر آئی۔ جس کے سب اعضا بروقت کے تھے۔ اس کے بعد ان تین صورت غلو فطرت
 دکھائی دی۔ انحضرت صودی نے یہی شان سے اپنا خواب بیان کیا۔

پھر عیدائی گویا ہوا۔ کہ مجھے حضرت عیسیٰ روح اللہ ملے اور اپنے ساتھ چوتھے آسمان
 پر لے گئے۔ وہاں میں نے سورج کا ٹھکانا اور مرکز ملاحظہ کیا۔ اور ایسی ایسی چیزیں مشاہدہ کیں
 کہ زمین پر ان کا نظر آنا ناممکن ہے۔ یہودی نے جو کچھ دیکھا۔ زمین پر دیکھا۔ میں نے آسمان
 کی سیر کی میرا اور اس کا کیا مقابلہ تھو نہ نسبت فناک را با عالم پاک؟

اب مسلمان کی باری آئی وہ بولا۔ دوستو! مجھے میرے بادشاہ حضرت محمد مصطفیٰ
 اللہ علیہ وسلم ملے۔

ستیدارات و سلطان نبیل معجز کونین و ہادی سبیل

اور فرمانے لگے کہ تمہارا ایک ہم سفر تو موئی کے ساتھ کوہ طور کی سیر میں محو ہے اور دوسرا
عیسے کے ساتھ چوتھے آسمان پر ہے۔ ان دونوں نے خوف و شوق کا درجہ حاصل کر لیا
ہے۔ انہیں کھانے پینے کی اُمینیاں نہیں رہی تو بھوکا زمین پر کیوں پڑا ہے اٹھ اور صلوٰۃ
جب یہودی اور عیسائی نے یہ سنا۔ تو وہ حیرت سے اس کا منہ نکلنے لگے اور بولے تو
کیا تو نے صلوٰۃ کھا لیا۔ مسلمان نے جواب دیا۔ کہ مسلمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
اطاعت فرض ہے۔ جب حضور کسی چیز کا حکم دیتے اور میں نہ کرتا اب یہ کیسے ممکن تھا۔ اے
یہودی تو یہی بتا۔ کہ تو حضرت موئی کے حکم سے سرکشی کر سکتا ہے، اے عیسائی تو یہی بتا کہ
تجھے حضرت عیسیٰ کے ارشاد سے سرتابی زیادہ ہے۔

من ز فخر انبیاء و جہول سرکشم خوردم آن حلوٰۃ ایں دم سر خوشم
میں فخر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ک طرح نہ مانتا۔ پس میں نے حلوٰۃ کھا لیا۔ اور اس
اطاعت پر بڑا خوش ہوں۔

یہ سنگردہ دونوں کہنے لگے۔ کہ خدا کی قسم تیرا خواب سچا اور بہارا جھوٹا۔ بہارا خواب
خیال ثابت ہوا۔ اور تیرا عین بیداری۔ تو نے خواب سے کچھ حاصل کر لیا۔ اور ہم محروم
رہے۔ سامری نے ہنر سے کیا حاصل کیا؛ مردود ہو گیا؛ فاروس کو کھینچا سے کیا ملا زمین
میں غرق ہو گیا۔ ابوجہل۔ ابوالحکم تھا۔ مگر اے اسی سے کچھ نفع نہ ہوا۔ اور اٹھا دورخ
میں جاگرا ہے

اے دلیل ماچو فکر ماذلیل بیشی بامیش دانایاں قلیل

ایک غریب بدو خلیفہ رشید کے حضور میں

ایک عباسی خلیفہ عقل و در میں شہرہ آفاق تھا۔ اس نے اپنی سخاوت سے حاتم کے
کارناموں کو گزرا دیا تھا۔ ہر طرف سے حاجت مند اس کی طرف آتے اور گورہ مراد سے جھولیاں بھر لے
جاتے۔ اسی زمانہ میں ایک مفلس عراقی بدو تھا۔ اس میں اور اس کی بیوی میں جو گفتگو
ہوئی۔ وہ قابل شنید ہے۔

بیوی۔ اے خدا کے بندے! آج ہم سے زیادہ کوئی تنگدست نہیں۔ مگر میں غلہ نہیں۔

بدن پر کپڑا نہیں۔ روٹی کی شکل کئی دن سے نہیں دیکھی۔ اب ٹڈی دل بھی نہیں آتا۔ کڑی پر بر اوقات کر سکیں۔ جب پراند چڑھتا ہے۔ تو بچے اس کو روٹی کا ہر شکل دیکھ کر ہاتھ پیرا ہیں۔ اس مفلسی کی زندگی سے موت بھلی۔ ہڈانے تجھے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ مگر سے نکل سفر میں طفر ہے۔ بچوں کے لئے کچھ کمالا۔

شوہر۔ اے خدا کی بندی! سمت پر شا کر رہ رنج و راحت انسان کے ساتھ ہے۔ کچھ گزر گئی۔ کچھ گزر جائیگی۔ نیکی اور بدی۔ روشنی اور تاریکی سب عارضی چیزیں ہیں نہ اسے قیام ہے نہ اسے بقا۔ رزق اور حبان میں باہم کشش ہے خدا کیڑے کو کچھ پتہ بھی روزی پہنچاتا ہے۔ جب بھوک سناپتا ہے۔ غذا خود پہنچ جاتی ہے۔ درد ہوا اور اسکی مثال ہو تو مشکل نشاں جاتا ہے۔ کو کو کرنے والی ناخستہ۔ چپکنے والی بیل۔ چوں چوں کر نیوالی پڑا بھجنڈے والا نچھر۔ تے بڑے پیٹ والا ماتھی۔ الغرض کوئی بھی روزی کی فکر میں مرگاز نہیں پھرتا۔ خدا سب کو رزق دیتا ہے۔ ہتھکھا کھا کر موٹے ہوں۔ اتنا ہی زیادہ خوار ہوتے ہیں۔ موٹی بھڑ پر سب سے پہلے چھری چلتی ہے

ہر کہ شیریں سے زید او تلخ مرد ہر کہ اوتن را پرستد بان نبرد
گوسفند آں راز صحراے کشد آنکہ فرہ تر مراد راے کشد

تو میری بیوی ہے۔ ہم ایک حبان دو قالب ہیں۔ میرے ساتھ تجھے بھی قانع رہنا چاہیے مگر عورت کی ذات سے شیطان نے بھی مار مانی ہے۔ وہ احسان فراموشی میں طاق ہے۔ رسول کی رکھی رکھائی میں ضائع کر دیتی ہے۔ جب یہ زبان درازی پر اتر آئے تو خدا اور رسول کو بھی (معاذ اللہ) نہیں چھوڑتی۔

بیوی (شوہر سے) تو نے مجھے ان باتوں سے بڑا دکھ پہنچایا ہے اب زبان سنبھال کر بول۔ مجھے مفت خودی کی عادت پڑ گئی ہے۔ اسی لئے تو نے ڈاڑھی بڑھا رکھی ہے اور ماتھے پر سجدوں سے نشان ڈال لیا ہے۔ میں تیرے کرتوتوں سے خوب واقف ہوں۔ تیری سب باتیں اور گھماتیں مجھے معلوم ہیں۔ تو زندہ و تقدس کا مجھے چمک نہ دے یہی مگر کی بھیدی ہوں۔ تیرا کوئی فعل مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے سستی اور کم ہمتی کا نام تو نے غلط طور پر توکل رکھ لیا ہے

تاکسی رسوائے شور و شر مرا

تو بنام حق فری مر مرا

شوہر۔ اے بد زبان! خاموش۔ میں نے تیری باتوں کو بڑے حوصلہ اور صبر سے سنا۔ تو عورت ہو کہ میری بات کاٹتی ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی فقر پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور تواج اسے برا کہتی ہے۔ میں مسلمان ہوں میرا منہ آئینہ ہے مجھے میرے چہرے سے اپنی شکل دکھانی دیتی ہے۔ اسی لئے تو مجھے سست اور کاہل دیکھتی ہے۔ افسوس! تو نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ مگر فقر کی لذت سے نا آشنا ہی رہی۔ فقر سے جو عزت خدا کے ہاں سے ملتی ہے۔ تو اس سے بے خبر ہے۔ یہ کار درویشی درائے فہم تست سوئے درویشاں تو منکر سست است معلوم ہوتا ہے۔ کہ ثواب میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور نیز امیرانہ ناممکن ہے تو صبر نہیں کر سکتی۔ تو تجھے میرا سلام۔ اگرچہ تیری جدائی شاق ہے مگر مراقب کے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے

پاہنی گشتن بہ است از گشتن تنگ رنج غربت بہ کہ اندر خانہ جنگ
خاوند کو غصہ سے بھرا ہوا دیکھ کر بیوی کانپ اٹھی۔ اور اس نے اپنے ہمتیار رونے کا استعمال شروع کیا۔ اور اس کے گلے میں باہیں ڈالکر کہنے لگی۔
بیوی۔ مجھے امید نہ تھی۔ کہ تم اس قدر جلد تھارو بھاؤ گے۔ تمہاری محبت کا ثبوت مل گیا خدا کی قسم۔ مجھے تم سے بے حد الفت ہے۔ میرا جان و مال اور ماں باپ تم پر قربان ہیں۔ تمہارے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ جو مرضی ہو کرو۔ میں تمہاری خوشی سے خوش ہوں۔ تنگدستی سے تنگ اگر میں نے منہ سے باتیں نکالی ہیں۔ تنگ آمد جنگ آمد والا معاملہ ہے مجھے اپنی پردا نہیں۔ تجھے اور بچوں کو ننگا بھوکا دیکھ کر دل کھٹتا ہے۔ مگر آج سے عہد کر لیا ہے۔ کہ اب بالکل خاموش رہوں گی۔ تم بھی قسم کھا لو۔ کہ جدائی کا نام نہ لو گے مجھے اپنے قدموں پر جہان دیتا دیکھو گے۔ آہ! ہم بھول گئے۔ کہ تمہیں مجھ سے اس قدر محبت تھی۔ ایک گھر دی کے لئے تم سے جدا ہوتی تو تم گھر سہرا پٹھنا لیتے اور کہتے کہ میری پیاری بیوی کو لاؤ۔ ورنہ میں مر جاؤں گا۔ ایسے محبت کرنے والے شوہر سے میں لفظ فراق سنوں اور برا نہ مناؤں۔

یہ کہا اور زار زار رونے لگی۔ مرد اس کو یوں روتے دیکھ کر بے قرار ہو گیا اور ساتھ ہی وہ بھی رونے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ سلیم العقل مرد و جلد عورت کے قابو میں آجاتا

ہے۔ بشرطیکہ عورت کچھ نقل و شعور رکھتی ہو۔ مگر جہاں جاہل اور سخت دل مرد سے واسطہ پڑے۔ وہاں عورت کا منتز نہیں پڑتا۔ رشتہ اور مہر انسان کا خاصہ ہے اور غصہ و شہوت حیوان کی خصلت۔

مہر و رقت وصفِ انسانی بود خشم و شہوت وصفِ حیوانی بود
پر تو متی است اُن معشوقِ نیست خالقِ است اُن کو یا معشوقِ نیست
رستم ز ال اربود و از ہمزہ بیش ہست در فرمان امیر زال خویش
ظاہر ابرزن چو آب ارغالبے بالمن مغلوب وزن را طالبے

مرد پر عورت کا جادو چل گیا۔ وہ اسے پرکار اور انسانو پوچھ کر کہنے لگا۔
شوہر! وہ! میں تو ہنسی کرتا تھا۔ تو سچ بچ عجب سے بھا ہو گئی۔ اب تو ہی بنا کہ
تنگدستی کا کیا علاج کروں۔ جو صلاح دے میں اسی پر کار بند ہوں گا
بیوی۔ خدا کا شکر ہے کہ تو نے دل سے مجھے "الفرق" نہیں کہا تھا۔ مصیبتِ فقر
سے نکلنے کا یہی علاج ہے۔ کہ تم خلیفہ بغداد کے پاس جاؤ۔ شاید وہ نگاہِ لطف تم پر
ڈالے اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے۔

دوستی مبتلاں چوں کیمیاست چوں نظر شاں کیمیائے خود کجاست
چشمِ احمد بر ابو بکر کے زدہ او ز یک تصدیق صدیقی آمدہ
شوہر۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ بادشاہ کے حضور جانا چاہیے۔ مگر خالی ہاتھ جانا عقلمندی
سے دور ہے۔

بیوی۔ ہمارے پاس کوئی ایسی شے نہیں رہی جو تحفہ بے جا نہیں۔ ہاں ہمارے
صحرائی تالاب کا پانی واقعہ ایک تحفہ ہے۔ اسی پانی پر ہماری قوم کو فخر ہے اسی کے طفیل
تمام صحرائین عرب ہمارے محتاج ہیں۔ اسی پانی سے ایک ٹھلیا بھرے۔ اور
بادشاہ کی خدمت میں بطور نذر پیش کر دے۔ وہ یہ پانی پی کر بہت خوش ہوگا اور
تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دے گا۔

مرد کو یہ تیو پسند آئی۔ اس نے پانی سے ٹھلیا بھری۔ اور مہینہ بھر کی مسافت کے بعد
بغداد پہنچ گیا۔ دیکھتا کیا ہے۔ کہ بادشاہ کی بہت بڑی درگاہ ہے اسکی آستانہ بوسی کی امیریں
اور بادشاہوں کو پناہ ہے۔ دروازہ پر دو تنک دو روپہ کھڑی ہے۔ ایسے بڑے دربار

تک رسائی پانا وقت بڑا مشکل تھا۔ مگر خلیفہ کا حکم تھا۔ کہ جو مسافر ایسے ان کی تین روز تک اچھی طرح خاطر تواضع کی جائے۔ اور اگر وہ چار میں تو انہیں دربار میں بھی حاضر کر دیا جائے۔ اس آدمی کو بھی شاہی ملازم بادشاہ کے محل میں مہمان بنا کر رہے گئے۔ اور اسکی خوب خاطر و مدارت کی۔ اور پوچھا کہ کس غرض سے آئے۔ اس نے کہا میں بڑی دشوار گزار منازل طے کر کے آیا ہوں۔ اور بادشاہ کیلئے اپنے صحرانورد تحفہ لایا ہوں۔ تاکہ بادشاہ اس خوشگوار پانی کو نوش جہاں کر کے خوش ہو۔ اور مجھے اپنی سخاوت سے مالا مال کرے۔

یہ سنکر بادشاہ کے نقیب سکرائے۔ مگر اس خیال سے کہ غریب شرمندہ ہوگا منہ سے کچھ نہ بولے۔ اور نووارد کو اسکی پانی بھری ٹھلیا سمیت حضورِ سلطانی میں حاضر کر دیا۔ غریب نے اپنی تلکدستی کا سبب واقعہ کہہ دیا۔ اور عرض کیا کہ اس تحفہ کو ضرور استعمال کریں بادشاہ نے کہا ہم تمہیں ملکہ بہت خوش ہوئے۔ اور اسکی ولہاری کے لئے کہا کہ آج ہم یہی پانی پئیں گے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ زر حاضر کرو اور ٹھلیا اسکی اس سے بھر دو۔ اور اسے قیمتی خلعت بھی دو۔ نیز صبح کے وقت اسے دریا کے دجلہ کی سیر بھی کرو۔ چنانچہ اسی وقت خلعت و زر ملے کر پر دسی کو دل شاد کر دیا گیا۔ صبح اسے دریا پر لے گئے۔ کشتی پر بیٹھا وہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا۔ اور دریا کے پانی کا اپنے بدبودار پانی سے مقابلہ کیا۔ تو بہت شرمندہ ہوا اور کہا کہ اگر خلیفہ کرم سے کام نہ لیتا۔ تو میرا سقد قدم گھسا تا صنایع جاتا۔ اگر مجھے اس پانی کی خبر ہوتی۔ تو میں اپنی پانی بھری ٹھلیا پتھر پر مار کر توڑ دیتا۔

اس تمام حکایت سے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ انسان کو اپنے کسی کمال پر نازاں نہ ہونا چاہیے۔ اس کا سبب کہ ان خدا کی شان کے سامنے اس سحرائی کے بدبودار پانی کی طرح ہے۔ اور اللہ کی شان و جہلہ کے اب رواں کی مانند۔ ہم جو اپنا تمام علم اور زور خرچ کر کے اللہ کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ خدا کا کرم ہے کہ وہ ہماری نذر کو رد نہیں کرتا۔ وہ انسان کے خلوص کو دیکھتا ہے۔ لفظوں پر اسکی نظر نہیں ہے۔

اں سبوتے اب دانشہائے ماست واں خلیفہ و جہلہ علم خداست

ماسبوتہ پر بد جہلہ سے رویم گر نہ خرد اینم ما خود را خرمیم

اں سبوتے تنگ پر ناموسی ننگ شد حجاب بحر زن اور استنگ

ایاز اور اس کی پوشتین ”اے ایاز الپوشتیں یاد“

حاسدوں نے سلطان محمود غزنوی کو اطلاع دی۔ کہ حضور کا منہ چڑھا غلام ایاز خزانہ شاہی کو لوٹ لوٹ کر ایک حجرے میں جمع کر رہا ہے۔ وہ اکیلا ہی ادھر جاتا ہے اور کسی کو ہانے نہیں دیتا۔ ظاہر تو وہ بادشاہ کا غلام بنا ہوا ہے۔ مگر باطن میں وہ بڑا ہی بدخواہ ہے سلطان جتنا تھا۔ کہ ایاز ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مختص بندے سے کبھی بے وفائی ظاہر نہیں ہو سکتی ہے

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی کفر باشد پیش او جز بندگی
اس نے ایک امیر کو حکم دیا۔ کہ ہمدان اور دوسرے ندیموں کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ رات کو ایاز کے غنمی حجرے کا قفل توڑ دو۔ اور جو کچھ نکلے۔ وہ تمہارا مال ہے۔ یہ لوگ خوشی خوشی روانہ ہوئے وہ سمجھتے تھے۔ کہ آج ہمیں بے شمار نعل و گوہر دستیاب ہونگے۔

ان کو روانہ کر کے محمود بادشاہ سوچ میں پڑھ گیا کہ اگر خزانہ اسے مخبروں کی بات سچی نکلی۔ تو ایاز بے شرمندہ ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ وہ شرمساری اٹھائے۔ اول تو اس نے ایسا کام کیا ہی نہیں۔ اگر اس نے چوری مال جمع بھی کر لیا ہے تو اسکے لئے جواز ہے کیونکہ وہ میرا پیدا ہے۔ اس کا فعل میرا فعل ہے۔

ایسی نکر داست او در گرد اور داست ہر چہ خواہد گو بکن محبوب ماست
ہر چہ محبوبم کند من کردہ ام او منم من او چہ گرد و پردہ ام
محمود کی زبان سے ایاز کی تعریف کرتے کرتے مولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت کی طرف گریز فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی ذات گرامی ایک ایسا سمندر ہے جسکی تر نہیں سات دریا اس میں ایک قطرہ کی طرح ہیں۔ تمام ہستیاں آپ کی مہر کا ایک ذرہ ہیں۔ ہر ایک وہیں سے پاک ہوتا ہے۔ ناقص اسی سے کامل ہوتے ہیں۔ حضور کو ہم نے ایاز کے نام سے اسی لئے موسوم کیا ہے۔ کہ آپ نظر بد سے محفوظ رہیں۔ آپ بادشاہوں کے بادشاہ بلکہ شہنشاہوں کو شاہی عطا کرنے والے ہیں۔ آپ کے حسن بے مثال کو خواہ کتنی سی ہنگ نظر سے دیکھیں۔ پھر بھی وہ نظر چشم بد کا قلم رکھتی ہے۔ کیونکہ بقا سائے غیرت انتفا پابندی ہے۔ تاکہ کوئی دوسرا آپ کے حسن کو نہ پائے۔ میرا منہ اگر آسمان جتنا بھی بڑا ہو

پھر بھی وہ حضور کے وصف میں تنگ ہی نظر آئے گا۔ اگر میں اتنا بھی نہ کہوں۔ تو میرا نازک
 شیشہ اول جو حضور کی ثنا سے پرے ٹوٹ جائے۔ میں اپنے دل کے شیشہ کو نازک
 پاکر مجبور ہوں۔ کہ دیوانہ کی طرح اپنی قبا بھاڑ کر تسکین حاصل کر لوں۔ مذکورہ بالا مضمون
 مولانا ہی کی زبان سے مراد سے گا۔ سنو۔

از ایاز ایں خود محال است و بعید کو یکے دریاست قعرش ناپدید
 ہست دریا اندر و یک قطرہ حملہ ہستیا ز مهرش ذرہ
 جملہ پاکیا از ال دریا برند قطرہ ہائش یک یک مینا گرد
 شاہ شاد است و بلکہ شاہ ساز از برائے چشم بدنامش ایاز
 چشمہائے نیک ہم بروے بد است از رہ غیبت کہ ہائش بجا است
 یک دہاں خواہم بہ پہنائے فلک تا بگویم وصف اں رشک تلک
 در دہاں یا ہم چینیں و صد چینیں تنگ آید در بیان اں امین
 ایں قدر ہم گر نگویم اسے سند شیشہ دل از تنجیفی بشکند
 شیشہ دل را چون نازک دیدہ ام بہر تسکین بس قبا بدریدہ ام
 العرض ایاز کے حاسد نفس توڑ کر اندر گھسے۔ مگر وہاں انہیں ایک پرانے جوتے
 اور نوز پوچھیں کہ سدا اور کچھ نہ ملا فرمیں کہ وہ انواروں کا پیتر اکھاڑا مگر شخص ہے
 سو انہیں پتا نہ چلا کہ کیا ہے۔ دیکھتے رہے۔ چاہتا ہے کہ حاسد نام اور پس
 کہ ہے ہیں۔ اگر انہوں نے حاسد شدہ زرد و جوہر چھپا بھی لیتے ہوتے جب بھی انکے
 چہرے بتا دیتے۔ کہ یہ کامیاب واپس لوٹے ہیں۔ ویلیو درختوں کی جڑیں اگر تپ چھپی
 ہوتی ہیں۔ مگر سرسبز شاخیں اور پتے بتا دیتے ہیں کہ جڑیں تراور شاداب ہیں۔
 گرچہ نہاں نیخ ہر نیخ اور است برگ سینا ہر جوہر ہاں حاضر است
 نیخ اگر بے برگ و از مایہ تہی است برگہائے سبز بر اشجار چسبست
 بر زبان نیخ گل مہرے نہد شاخ دست و پا گواہی می دہد
 امیر وزیر بادشاہ کے پاس معذرت کرنے حاضر ہوئے۔ کہ اسے جہاں پناہ! ہم سے
 خطا ہوئی ہمیں بخندے۔ اگر تو ہمارا خون گرا دے تو بھی حلال ہے۔
 گفت نثر نے ایں نواز و ایں گداز من خواہم گر دست اں ایاز

بادشاہ نے کہا سزا دینا یا معاف کرنا ایاز کے اختیار میں ہے اسی کا تم نے دل دکھایا ہے وہ جو چاہے کرے مختار ہے۔

ایاز نے کہا۔ اے میرے قدر شناس سلطان! میری جان تم پر قربان۔ ان کیلئے ندامت کی عزت کافی ہے۔ میں نے انہیں معاف کیا۔ محمود نے کہا۔ اے جان تمار وفادار! ایاز! انہیں بتاؤ کہ تو حجرے میں ہر روز کیوں بھایا کرتا ہے؟ ایاز بولا۔ حضور! جب تک میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا کھانا میری اوقات وہی میل کھیل پوسٹین غنی۔ اور پھٹی پرانی جوتی جو حجرہ میں دھری ہے۔ میں ہر روز ان کو دیکھ آتا ہوں تاکہ اپنی اصلی حیثیت کو نہ بھولوں۔ اور جو جہاں پناہ نے میرا رتبہ بڑھایا ہے میں اس سے مغرور نہ ہو جاؤں۔ اس تکبر نے شیطان کو مغرور بنایا۔ میں ڈرتا ہوں کہ غرور پیدا ہو کر مجھے تباہ نہ کر دے۔

من روم ہر روز در حجرہ بدیں تباہ بینم چارتے با پوسٹین
زانکہ ہستی سخت مستی آورد عقل از سر شرم از دل می برد
صد ہزار ان قرن پیشیں را ہمیں مستی ہستی بزدرہ زیں مکیں
شد عزایے ازیں ہستی بلیس کہ چرا آدم شود بر من رئیس
محمود نے کہا۔ اے ایاز! تجھ پر آفرین ہے واقعی تو اس قابل ہے کہ میں تجھے سب سے زیادہ عزیز جانوں۔ میں نیزے ساسدوں کی گردنیں مار دیتا۔ مگر جب تو ایسا نہیں چاہتا تو میں مجبور ہوں۔ اور ان قصور معاف کرتا ہوں۔

محمود کا حکم۔ ایاز کی درخشانی

ایک دن سلطان نے محمود غزنوی دوستوں سے دل لگی کر ہاتھ موعہ پا کر ایک مصاحب نے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے اگر بادشاہ کی اجازت ہو سلطان نے فرمایا ہاں اجازت ہے۔ مصاحب نے عرض کیا۔ کہ سب کو اس بات پر تعجب ہے کہ بادشاہ کو ایاز کیوں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کی تمام حرکات اطفالانہ ہیں۔ اور ہمیں اس میں کوئی ہنر بھی نظر نہیں آتا۔ تمام امیر وزیر اور فوج کے سردار اس سے مخالف ہیں۔ بادشاہ نے کہا۔ اس کا جواب بر سر دربار دوں گا۔

بادشاہ نے ایک دن بھرے دربار میں کہا۔ کہ سب مجھے اپنی خیر خواہی کا ثبوت دیں۔ اس کے پاس ایک بے بہادر تھا۔ اسے ڈبیا سے نکال کر اپنے سامنے رکھ دیا پھر پھر ایک اہنی ہتھوڑا منگایا۔ وزیر انظم کے ہاتھ میں وہ نایاب گوہر دیکر کہا اسکی قیمت لگاؤ وہ بولا۔ لاکھ سے بھی زیادہ۔ بادشاہ نے کہا۔ اس کی قیمت کا خیال نہ کرو اور ہتھوڑا مار کر اسے ٹوڑ ڈالو۔ یہ حکم سنکر وزیر ساکت رہ گیا۔ اور بولا۔ میرا دل اجازت نہیں دیتا کہ میں یہ درہنہ قیمتی موتی، توڑ ڈالوں۔ اگر میں بادشاہ کے مال کا زیان کروں۔ تو مجھے خیر خواہ کون کہے گا۔ بادشاہ نے اس کی بڑی تعریف کی۔ اور اسے بیش قیمت خلعت دے کر رخصت کر دیا۔

اسی طرح ہر ایک وزیر آتا گیا اور دستورِ بکل کی تقلید کر کے انعام پاتا گیا۔ آخر میں شاہ نے ایاز کو بلایا۔ گوہر ہاتھ میں دیا۔ اور پوچھا۔ اس کی قیمت بڑھ بولا۔ یہ موتی انمول ہے۔ گنج قاروں بھی اسکی قیمت نہیں ہو سکتا۔ محمود نے کہا۔ بے ایاز! تو اسے ہتھوڑے کی ایک ضرب سے ریزہ ریزہ کر دے۔ یہ حکم سنتے ہی اس نے موتی کا چور کر دیا یہ واقعہ دیکھ کر دربار میں سناسا جھپٹا گیا۔ اور درباریوں میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ہر ایک کہتا تھا ایاز نے بادشاہ کا حق شک خوب ادا کیا ہے

گفت ایاز اے مہتران نامور
اے نظرتاں برگبر شاہ نے
من ز شہ برمی نگرداغم نظر
گوہر امرشہ بود اے ناکساں
ایاز نے کہا۔ اے بزرگو! بناؤ تو یہی کہ بادشاہ کا حکم زیادہ قیمتی ہے کہ گوہر؛ افسوس تم نے ایک گوہر کے لئے وفاداری کے سب جو ہر کھودے میری نظر شاہ کے حکم پر ہے۔ گوہر محض پتھر ہے۔ میں شرک نہ تھا کہ حجر پرستی کرتا۔ اور بادشاہ کا حکم نہ مانتا۔ تم نے صراطِ مستقیم چھوڑ کر غول بیابانی کو قبلہ بنا لیا۔ اور ایک گوہر کو حکمِ سلطانی سے زیادہ قیمتی بنا دیا۔ محمود ایاز کی بات بڑی پسند آئی۔ وہ وزیروں پر نہایت غصا ہوا۔ اور بولا تم میری وزارت کے لائق نہیں۔ اے جلا د آ اور ان کمینوں کو نجد سے دور کر دے
ایں خساں چہ لائق صدر من اند
کز پئے سنگ امر با ابشکنند

یہ سن کر ایاز آگے بڑھا۔ اور غلامانہ آداب بجا لا کر عرض کرنے لگا۔ کہ بادشاہ ان کو بخش دے۔ ان سے بھول ہو گئی ہے۔

غفلت و گستاخی ایں مجراں
از و فورِ عفو تست اے عفو راں -
از فراق تلخ می گوئی سخن
ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن
در جہاں نبود بہتر از ہجر یار
ایں سخن از عاشق خود گوش دار
صد ہزاراں مرگ تلخ از دست تو
نیت مانند فراق سست تو
بر امید وصل تو مردن خوش است
تلخی ہجر تو فوق آتش است
گبرے گوید میان اں سقر
چہ غم بودے گرم بودے نظر

ان سے گستاخی تیری معافی کے بھروسے پر ہوئی ہے۔ ان کو اپنے پاس سے دور نہ کر۔ کیونکہ فراق کی تلخی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ ان نظر چوک لگی ہے۔ ان قصور معاف کر دے۔ شاہی وزیروں نے بھی گڑگڑا کر معافی کی درخواست پیش کی۔ جو بارگاہِ سلطانی میں قبول ہوئی۔ اور آئندہ کے لئے انہیں سبق مل گیا۔ کہ شیوہ بندگی یہی ہے۔ کہ انسان بے چون و چرا حکم مان لے۔ فرشتوں نے حکم مان کر آدم کو سجدہ کر دیا۔ مقبول ہو گئے۔ شیطان نے اپنی عقل کو دخل دیا تو مردود ہو گیا۔

آگ کی تباہی سے بچنے کا فاروقی علاج

حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ایک ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں آگ لگی۔ اس نے آدھا شہر جلا دیا۔ اسے بچانے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ اصحابِ ماجری سے فاروق اعظمؓ کچھ دستاویزیں مانگ کر عرض پروا نہ ہوئے۔ کہ یا امیر المؤمنین آپ ولی حق یا رسول اللہ و صاحبِ اہل بیت علیہ السلام ہیں۔ خدا کے واسطے آگ بجھانے کے لئے دعا کیجئے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ یہ آگ قسم خدا ہے یہ نہیں فرو ہو سکتی۔ جب تک کہ تم تمیموں کو نقد و طعام نہ دو۔ سب سے عرض کیا۔ کہ ہم سے زیادہ خیرات کرنیوالا کوئی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

گفت ناں بر رسمِ عادت دادہ اند
از برائے حق در سے نکشادہ اند
بہر فخر بہر پوش و بہر ناز !
تر برائے ترس تقویٰ و نیاز
مالِ ختم است و بہر شورہ مند
تیغ را در دست ہر بہر زن مدہ

اہل دین را باز دار از اہل کیس ہمنشین حق بجو باو نشین
یعنی اکثر لوگ مال خدا کے لئے نہیں خرچ کرتے بلکہ فخر و شان کے لئے کرتے ہیں۔
خیرات وہی ٹھکانے لگتی ہے۔ جس میں خلوص و تقویٰ ہو۔ چنانچہ اہل مدینہ نے جابر
ؓ کو نقد و طعام دے کر خوش کیا۔ اور خدا کے حکم سے آگ مجھ گئی۔
صدقہ و خیرات وہی مقبول ہے جو محض خدا کے واسطے دی جائے اور اس میں نام و نمود کو دخل نہ ہو۔

ایک چور حضرت فاروق اعظمؓ کی عدالت میں

ایک چور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں موقع واردات پر پکڑا گیا آپ نے
جرم ثابت پا کر حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ یہ سن کر اس چور نے عرض کیا۔ یا فاروق اعظم
میری حالت رحم فرمائیں۔ یہ میرا پہلا قصور ہے۔ اس دفعہ معاف کر دیں میں پھر چوری نہیں
کروں گا۔ یہ سن کر صحابہ کرام کو بھی رحم آگیا۔ اور سب سفارش کرنے لگے۔ کہ اس کے قصور اول
سے سچم پوشی فرمائیں۔ اگر پھر اس نے جرم کیا تو اسے قطعید کی سزا دی جائے۔
حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں کبھی یقین نہیں کرتا کہ یہ چوری اس نے پہلی بار کی
ہے۔ یہ تو میرے رب تبارکی بے نیازی اور غفاری سے بعید ہے۔ کہ وہ پہلی خطا پر بندے کو سزا
کے اور اسے توبہ کا موقع نہ دے۔ تم یقین نہ کرو۔ کہ یہ شخص اس سے پہلے کئی دفعہ خطا کر چکا
اور رب تعالیٰ کی شان ستاری سے فائدہ اٹھا چکا ہے اے جلا داد اور میرے سامنے اس پر
شرعی حد جاری کر۔ یعنی اس کا ہاتھ کاٹ دے۔ چنانچہ اس چور کو قطع دست کی سزا دے دی گئی
اللہ تعالیٰ بندے کو کئی بار مہلت دیتا ہے کہ وہ توبہ کر لے مگر جب وہ باز نہیں آتا تو
چراغے رسوا کرتا ہے۔

باز گیر داز پے اظہار فضل
چونکہ از حد گزند رسوا کند
نظم حق با تو موا سا با کند
باز آتا ہی نہیں جب بے حیا
کرتا ہے رسوا اسے پھر برملا

سلطان محمود اور اس کا ہندو غلام

مرشد حق شہنشاہ عظیمؒ سے روایت ہے کہ سلطان محمود غازی ہندوستان سے

ایک غلام لے گیا۔ اس پر بادشاہ کی عنایت یہاں تک بڑھی کہ اسے اپنا بیٹا قرار دیکر اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا۔ اور دیوان و فوج کا افسر مقرر کیا۔ ہندو غلام یہ نظارہ دیکھ کر رونے لگ گیا۔ محمود نے پوچھا اے جان پدر اروتے کیوں ہو۔ دیکھو تمہارے گرد امیرزیر اور کل افسران فوج اس طرح دست بستہ کھڑے ہیں جس طرح پانڈکے گرد دستارے یہماں دیکھ کر تمہیں خوش ہونا چاہئے نہ کہ غمگین۔

ہندی نے عرض کیا۔ اے بندہ نواز! تیری ہستی پر دنیا جس قدر بھی ناز کرے کم ہے تیرا دل معدنِ جود و سخا اور تیرے ہاتھ بحرِ کرم اور کان عطا ہیں۔ خدا تیرے دل میں کوٹ کوٹ کر رحمت بھر دی ہے۔ تیرا عدل ضرب المثل اور تیرا ملک فتنہ و فساد سے بے غلغل ہے۔ حبیبِ توغر بنوں پر مہربان ہے۔ ویسا ہی تو علم کا قدر دان بھی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب میں ابھی بچہ سا تھا۔ تو مجھے تیرا نام لے لے کر ڈراتے تھے۔ ماں جب بچہ تھا ہوتی تو کہتی تھی "تجھے تو محمود نے جہائے" باپ یہ سن کر ماں سے خفا ہونا اور کہتا کہ کیا اور کوئی کو سنا دینا میں نہیں کہ تو لوٹ کر کی جان کی دشمن بن کر اسے ایسی سخت بددعا میں دیتی ہے میں جب یہ سننا تو سہم جاتا۔ اور دل میں کہتا کہ واقعی محمود ایسا ہی ظالم ہو گا۔ اس کا پورے ضرب المثل بن گیا ہے اب تجھے ایسا رحیم و خلق مجسم دیکھ کر مجھے اپنے ماں باپ یاد آئے ہیں۔ کہ کاشی! وہ اس وقت یہاں ہوتے اور دیکھتے کہ جیسے وہ اس قدر سفاک سمجھے بیٹھے تھے وہ کہ قدر رحیم و کریم ہے۔ بادشاہ سلامت! اگر وہ تجھے دیکھتے تو ضرور شرمندہ ہوتے وہ لوگ جو سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کو سفاک اور ظالم قرار دے چکے ہیں شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان پڑھیں اور سمجھیں کہ اس کے لگانے میں وہ کس قدر غلطی پر ہیں۔

سلطان محمود غزنوی اور پانچ پور

سلطان محمود غزنوی رات کو جیسی بدلی کر سیر کیا کرتا تھا۔ کہ رعایا کے نیک و بد کی خبر رکھے۔ ایک دن اسے پانچ پور ملے۔ سلطان محمود نے کہا۔ میں بھی تمہارا ہی ہم پیشہ بھائی ہوں۔ انیس سے ایک نے کہا۔ اے مکویش! گروہ! اگر تم میں سے ہر ایک کیا کیا کمال رکھتا ہے۔ ایک بولا میرے کان میں یہ خاصیت ہے کہ کتے کی بولی سمجھ لیتا ہوں۔ یا ان کے

کہا۔ یہ ہنر دو دھڑی کے برابر ہے۔ دوسرے نے کہا۔ میری آنکھ میں یہ خاصیت ہے کہ
 اندھیری رات میں بھی ہزاروں آدمیوں میں جس کسی کو ایک دفعہ دیکھ لوں دن کو میں اسے
 فوراً پہچان لیتا ہوں۔ تیسرا گویا ہوا کہ میرے بازوؤں میں یہ خاصیت ہے کہ خواہ کتنی ہی
 سنگلاخ دیوار ہو میں اس میں نقب لگا لیتا ہوں۔ چوتھے نے کہا۔ میری ناک میں یہ خاصیت
 ہے کہ میں مٹی سوگند کر بتا سکتا ہوں کہ اس میں کیا ہے۔ زرو جواہر ہے یا کچھ اور۔
 جس طرح مجنوں کو ایسے کی سر زمین کی۔ یعقوب کو پیرا بن یوسف کی محمد مصطفیٰ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو یمن سے خوشبو آگئی تھی۔ مجھے مٹی سے زرو جواہر کی بو آجاتی ہے۔ پانچواں بولا۔
 کہ میرے پنجے میں یہ خاصیت ہے کہ خواہ کتنی ہی بلند مقام ہو میں اس پر کندھ صوبی سے لگا
 سکتا ہوں۔ کیا تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کندہ اندازی یاد نہیں کہ تخت و تخت کے
 مالک بن گئے۔ اور عرش معلیٰ تک رسائی حاصل کر لی تھی نے فرمایا۔ اے پیارے کندہ انداز
 مَا رَأَيْتَ اَوْ رَأَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَحِيًّا بَوْنِ كَفَارِ كُو كُنْكَرْ هِنَسِ مَارِے بَلْكَ هَمِے مَارِے
 ہیں پھر پانچوں نے محمود سے پوچھا کہ اب تم بھی بناؤ کہ تم میں کیا خاصیت ہے محمود نے
 جواب دیا۔ میری ڈاڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ جب میں اسے ہلاؤں تو جلا دوں گے سپرد گئے
 ہوئے گردن زدنی مجرم چھوٹ جاتے ہیں۔ چوروں نے کہا۔ پھر تو تو ہمارا قطب ہے جب تو
 ساتھ ہے تو ہمیں کیا غم۔ آج رات شاہی خزینہ اور دینے پر ہاتھ صاف کریں۔
 جب قعر سلطانی کی طرف روانہ ہوئے۔ تو کتا بھونکا۔ تیز سماعت والا پوچھا بولا۔ کتا کتا
 ہے۔ کہ بادشاہ منہارے ساتھ ہے۔ راہ میں ایک مٹی کا تودہ ملا۔ سو گھنٹے والے نے کہا یہاں
 ایک بیوہ کامرکان تھا۔ الغرض منزل مقصود پر پہنچے۔ پھر کندھ لگائے والے نے شاہی محل پر
 کندھ لگائی۔ اور سب دیوار بلند کی دوسری طرف گیا پہنچے۔ سو گھنٹے والے نے سوگند کر تبا دیا۔
 کہ یہاں خاص شاہی خزانہ ہے۔ نقب زن نے سیندھ لگائی۔ اور زرو بفت اور قیمتی
 جواہرات نکال کر محل سے باہر لے گئے۔ اور ایک محفوظ جگہ میں سب مال و متاع مخفی کر دیا
 تاکہ جب پکڑ دھکڑ کا سلسلہ ختم ہو۔ تو پھر نکال کر باٹ لیں۔ محمود پانچوں کا پتہ نشان پوچھ
 کر واپس آگیا۔

صبح اٹھ کر جب دیوان لگا۔ اور اس چوری کی رپورٹ ہوئی۔ تو سب حیران تھے۔
 کہ چوروں کو قعر شاہی میں پہنچنے کی کس طرح جرأت ہوئی۔ بادشاہ نے کہا۔ اے غافل

مجھے اس کا علم ہے ہاؤ فلاں فلاں شخص کو فلاں فلاں جگہ سے پکڑ لاؤ۔ چنانچہ سپاہی
اور کوتوال گئے۔ اور سب کو پکڑ کر دربار میں لے آئے۔

اور تو سب اپنا اپنا کمال دکھا چکے تھے۔ عارف آنکھ دالے کو ابھی اظہار کمال
کرنا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں کو بتا دیا۔ کہ بادشاہ تو وہی تمہارا چھٹا ساتھی
یہ ہے جو تمہارے کام دیکھتا اور راز سنتا رہا۔ میں ابھی اسے بتانا ہوں۔ کہ بادشاہ! میں
تجھے پہچان لیا ہے۔ پس اس نے عرض کیا۔ اے رات کے رفیق! میری امت کو بخندے
عارف کی سفارش کو کوئی رو نہیں کرتا۔ ہم سب نے اپنے اپنے کمالات دکھا دئے۔ اب تو
اپنی ڈارھنی ملا۔ کہ سب قید و بند سے رہائی پائیں۔ بادشاہ ہنس پڑا۔ اور اپنی ریش مبارک
کو جنبش دی۔ جو اشارہ۔ اس امر کی طرف کہ مجرم چھوڑ دئے جائیں چنانچہ سب گنہگار آزاد ہو گئے۔
قیامت کے دن کسی کا کمال سوائے محمد عارف کے کام نہ آئے گا۔ آپ شب معراج
ما زاع کا خطاب ملا۔ اسی مقامات العباد سے واقف شاہد کی شفاعت ہم گنہگاروں
کی نجات کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ ورنہ ہم کیا اور ہمارے عمل کیا ہے

ہم کچھ غدر رکھتے ہیں نہ ہیلہ
ہمرا آپ ہی بس ہیں وسیلہ
قیامت کو خدا سے سختوائیں
جگہ فردوس میں سب کو دلائیں
یہ مضمون مولانا کی زبان سے سنکر قند نگر کے مرے لوسہ

چشم عارف دان ایمان ہر دو کون
کہ بدو یا بید ہر بہرام خون
زاں محمد شافع ہر دلخ بود
کہ زبیر حق چشم او ما زاع بود
در شب دنیا کہ محبوب است و شید
ناظر حق بود و زو بودش امید
از آلم نشرخ و چشمش سرمہ یافت
دید آنچه جبرئیل آں بر نتافت
مرتیبے را کہ سرمہ حق کشد
گرد او در یتیم بار شد
نور او بر ذرا غالب شود
اچنان محبوب را طاب شود
لاجرم نامش خدا شاہد نہاد
در نظر بودش مقامات العباد
کہ ز شب خیزش ندامت سر گریز
گوش قاضی جانب شاہد رود
نام حق عدل است شاہد آن اوست
کہ ہزاراں مدعی سر بر زند
شاہد عدل است زین رو چشم دوست

پس ازاں لولاک گفت اندر قفا در شب معراج شاید باز ما
شد اسیر آن قضا میر قضا شاد باش اسے چشم تیز مرتضیٰ

سلطان ابراہیم اور ساربان

سلطان ابراہیم اور سیم بلخی کہ صرف دنیاوی بادشاہ تھے۔ بلکہ ملک فقیر کی بھی سلطان تھے
ابن مال دقنل یہ بھی ان کو بڑا خدمت حاصل تھا۔ ایک دن اپنے غم کی بھت پر بیٹھے
بیٹھے آپ کی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی بھت پر ساربان چہرے
ہیں کوئی کہتا تھا کہ ادھر دیکھنا۔ کوئی کہتا تھا۔ ادھر نظر کرنا۔ ابھی نہیں تھا۔ کہاں گم ہو گیا
یہ دیکھو اسکے پاؤں کے نشان بالغرض وہ ساربان بھت پر اس طرح دھم دھم جھانکے پھرتے
نظر آتے تھے۔ جس طرح سوار میدان میں گھوڑا دوڑائے۔

بادشاہ ابراہیم اور سیم سوچ رہے تھے کہ یہ اونٹ چرانے والے میرے محل میں کس طرح
گھس آئے۔ پہرہ داروں نے ان کو فقیر شاہی کی بھت پر کس طرح آنے دیا۔ عجیب ماجرا
ہے بالغرض آپ نے پی کڑا کر کے ان سے پوچھا بھائی! تم یہاں کیا کرتے پھرتے ہو!
انہوں نے جواب دیا۔ اسے بادشاہ! ابھی ہمارا ایک اونٹ جنگل میں چر رہا تھا۔ وہ گم
ہو گیا ہے۔ ہم نے سارا جنگل چھان مارا۔ مگر اس کا کہیں تہ نہیں ملا۔ اب ہم اسے
یہاں ڈھونڈتے ہیں۔ شاید مل جائے۔ سلطان نے کہا۔ تم کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے
ہو۔ یہاں بے فائدہ تنگ و دو کر رہے ہو۔ آخر انسان ہو سو چو تو کہ اونٹ محل کی بھت
پر کس طرح چڑھ سکتا ہے۔

میں چہ جی جوید! گفتند اشتہاں گفت اشتہاں بر کہ جست ہاں

ساربانوں میں سے ایک ہوشیار آدمی ہاتھ باندھ کر بولا۔ آپ نے جو فرمایا مجاہدے۔
واقعی ہم بادے میں مگر حضور بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ اگر میں قہر
شاہی کی اونچی بھت پر اونٹ نہیں مل سکتا تو کیا آپ کو تخت پر خدائی سکتا ہے! اسے
پس گفتندش کہ تو بر تخت جہاں چوں سمی جوئی ملاقات الہ

یقین رکھئے کہ خدا تخت پر بیٹھنے سے نہیں مل سکتا۔ اگر آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں
تو گوشہ تنہائی میں بیٹھئے پھر دیکھئے کہ کتنے جلدی واصل باللہ ہوتے ہیں۔

یہ سنکر ابراہیم ادھم خواب سے چونک اٹھی۔ اور تخت و تاج چھوڑ کر فقیر اختیار کر لی۔

شیخ ابراہیم ادھم اور دریا کی مچھلیاں

شیخ ابراہیم ادھم صورتوں کی بادشاہی چھوڑ کر دلوں پر حکمرانی کر نیوالے ابراہیم ادھم راہ سے ہٹ کر دریا کے کنارے بیٹھ ہوئے اپنی دلق دگودڑی اسی رہے تھے۔ کہ ابھانک آپ کے ماتحتوں میں سے ایک امیر وہاں آ نکلا۔ اور آپ کو پہچان کر مجددہ تعظیمی بجالایا اور بیٹھ گیا۔ اور دل میں خیال کرنے لگا۔ کہ شیخ نے کتنی غلطی کی ہے کہ بادشاہی چھوڑ کر فقیر بن گئے ہیں۔ بے نواؤں کی طرح الگ بیٹھے ہیں اور گداؤں کی طرح گودڑی کی رہے ہیں۔ صاحب دل آدمی شیر کی طرح ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کے دل پیشے اور جنگل کی طرح ان پر مخفی باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اس لئے چاہئے۔ کہ جب خدا کے بندوں کے پاس جائیں تو دل میں فضول خیالات نہ لائیں۔ کیونکہ انہیں خطرات دل کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ مگر دنیا داروں کی اٹھی چالیں ہیں۔ کہ دل کے اندھوں کے پاس تو بڑے ادب سے جاتے ہیں اور اہل باطن کے سامنے ادب ملحوظ نہیں رکھتے۔ اسی وجہ سے آتش حرص و ہوا کا ایندھن بن جاتے ہیں۔

دل نگہدار پیدا سے بے حاصل
تو بہ عکسی پیش کو راں بہر جاہ
میش بینا یا پ کنی ترک ادب
در حضور حضرت صاحب دلاں
با حضور آئی نشینی پائے گا
نار شہوت را ازاں نشتی خطب

شیخ اس امیر کی کیفیت دل سے مطلع ہو گئے۔ اور آپ نے فوراً اپنی سوتی دریا میں پھینک دی۔ اور پاؤں بلند ہونے۔ اسے مچھلیو! میری سوتی گر گئی ہے بلند حاضر کرو۔
شیخ سوزن زود در دریا گند
صد ہزاراں نامیے اللہیے
سر بر آوردند از دریائے حق
خواست سوزن را باوار بلند
سوزن زو بر لب ہر ماہی
کہ بگیر اسے شیخ سوزن ہائے حق
امیر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ ہزاروں مچھلیاں منہ میں سونے کی سوتیاں لئے دریا سے سر نکالے شیخ کی طرف چلی آتی ہیں۔ اور زبان حال سے کہہ رہی ہیں کہ یحییٰ حضرت سوتیاں حاضر ہیں۔

رو بد و کرد و بگفتش اے امیر ملک دل بہ باچنیں ملک حقیر
 شیخ نے اس امیر کی طرف نظر کر کے فرمایا۔ کہو وہ حقیر ظاہری مگر انی اچھی ہے یا یہ دلوں
 کی بادشاہی! اگر تم کرو گے تو معلوم ہوگا کہ وہ صرف دکھلاوا ہے اور یہ حقیقت
 حقیقت کی طرف اے ظاہر کو چھوڑ دے۔ معرفت الہی کے باغ کی طرف چل اور زکام
 دفع کر۔ تاکہ اس کی خوشبو سے تیری جان شگفتہ اور تیری آنکھیں روشن ہوں۔ یہ
 اسی باغ کی خوشبو تھی۔ جس نے پیر امین یوسف میں بس کر دیا۔ یعقوب کو منور کر دیا۔
 اسی خوشبو سے نماز میں احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈک پاتی تھیں۔

امیر کو اس سے وجد آگیا۔ اور کہنے لگا افسوس! اچھیاں تو بزرگوں کو چھان لیں
 اور سیاہ باطن انسان نہ پہچانیں! آہ۔ ہم قریب ہوتے ہوئے بعید ہو گئے۔ انہوں
 نے اس دولت کو حاصل کر لیا۔ اور ہم بد بخت و شقی بن گئے۔ یہ کب اور شیخ کے
 قدموں میں گر پڑا۔ اور پھر پیچ مار کر جنگل کی طرف نکل گیا۔

عقلمند وہی آدمی ہے جو خدا کے مقبول بندوں سے حسد و دشمنی اور تسخر نہ کرے
 بلکہ دل کدورت سے صاف کر کے ان کی خدمت میں ادب سے حاضر ہو اور فیض پائے
 جس طرح رنگ تودہ لوہا صیقل سے صاف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بغض و حسد سے
 سیاہ شدہ دل بزرگوں سے فیض نہیں حاصل کر سکتا ہے

پس تو اے ناشستہ رودر جیتی	ور نزاع و در حسد با کیتی !
با دم شیر نے تو بازی می کتی	بر ملائک تر کتازی می کتی !
در رخ مہ عیب چینی می کتی	در بہشتہ تخراب چینی می کتی !
آفتابے کو بنابد در جہاں	بہر خفاشے کجا گردد و نہاں

گردش چشم سے میوش ہونے والے صوفی اور جہاد

ایک دفعہ جہاد کے لئے اسلامی لشکر روانہ ہوا۔ ایک صوفی صاحب بھی ساتھ ہوئے۔
 رواجی سے چند ہی روز بعد راہ میں دشمن سے مقابلہ کی نوبت آگئی۔ اہل لشکر صوفی
 صاحب کی کمزوری پر نظر کر کے ان کو اسباب اور ٹیموں کے پاس چھوڑ گئے غنیمت
 مقابلہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور مسلمان بہت سامان غنیمت اور امیر لے کر قریب مگاہ

کی طرف لوٹے۔ دیکھا کہ صوفی صاحب ٹنگیں بیٹھے ہیں۔ فوجیوں نے مال غنیمت میں سے حصہ پیش کیا۔ آپ نے اس سے منہ موڑ لیا۔ اور کہا کہ تم مجھے ناکارہ چھوڑ کر چلے گئے اور میدان میں تلوار مارنے کا موقع نہ دیا۔ مجاہدین نے کہا۔ ہمارے ساتھ کئی گردن زدنی مجرم ہیں۔ آپ تیغ زنی کی حسرت نکال لیں۔

آپ راگدور و ضوہد روشنی است۔ چونکہ اُن بنو دتیم گردنی است صوفی صاحب ایک دست بستہ مجرم کو خیمہ کے پیچھے لے گئے تاکہ اسے ٹھکانے لگا آئیں۔ اور غازیوں میں نام لکھا لیں۔ وہاں گئے جب کافی دیر ہو گئی تو ان کے ساتھیوں کو حیرت ہوئی۔ کہ کام تو چند منٹ کا تھا۔ صوفی صاحب کو اتنی دیر کیوں لگی جاکر دیکھا کہ صوفی صاحب نیچے پڑے ہیں اور ہاتھ بندھا قیدی اوپر پڑ کر دانتوں سے ان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ اسی طرح جس طرح بلی کبوتر کو دوپچے گلا جبار ہی ہو۔ صوفی صاحب نیم کشتہ پڑھے ہیں اور گبر کی ڈالھی ان کے خون سے سرخ ہو رہی ہے۔ ولانا فرماتے ہیں کہ اسے مخاطب تو بھی اپنے دست بستہ نفس کے ہاتھوں صوفی کی طرح زبون اور سپت ہو رہا ہے۔ تجھے ایک ٹیلے کی چڑھائی نے عاجز کر رکھا ہے۔ کسی سپاہی تیرے سامنے ہیں۔ تو ان سے کس طرح گزرے گا۔

الغرض غازیوں نے اس گبر کا تو ایک وار سے قتلہ پاک کر دیا۔ اور گلاب چھڑک کر صوفی صاحب کو ہوش میں لائے۔ اور دریافت کیا کہ حضرت! آپ ایک نیم کشتہ اسیر کے آگے کس طرح گئے؟ فرمایا کہ جب میں اس کی گردن مارنے کے لئے بھپٹا تو اس کا زنی ایسی نظر سے میری طرف دیکھا۔ کہ میں بہوش ہو کر گر پڑا۔

چشم را واکرد بہین او سوتے من چشم گردانید و شد ہوشم ز قن

گردش چشمش مرا شکر نمود من مبارم گفت چوں پرہوں بود

یہ سنکر غازیوں نے عرض کیا کہ فری پلکوں کو فوج سمجھنے والے صوفی صاحب!

اس حوصلہ پر آپ جہاد کے لئے نقطہ ہا مہربانی فرما کر آئندہ میدان کا نام نہ لیجئے جب ایک قیدی کی گردش چشم سے آپ بے ہوش ہو گئے تو شیران و نا کے جہانستان حملوں۔ جہم جہیر ڈالنے والے تیروں کی بارش۔ تلواروں اور نیزوں کے تیرکوں کے سہنے آپ کس طرح ٹھہر سکتے ہیں یا جیسے اور خانقاہ کے باورچی خاٹنہ کے گرد پھر رہے ہیں

میدان جنگ کے اہل نہیں ہے

گردِ مطہر گردد اندرِ خافتہ
تاوگر رسوا نگر دی درسیاہ
کے توانی کرد در خون آشنا
چوں نئی با جنگ مرداں آشنا
کارِ ترکاں است نئے ترکاں برد
جہاں ترکاں نہا نہ باشد نہا نہ شو
عزوه کے تانی کزاں چشمِ ایں چہیں
افتی از دست و فتادی بر زمین

حضرت عیاضؒ کا جہادِ اکبر

حضرت عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میں شہادت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے
ستر ہزاروں میں بغیر زرہ پہنے شریک ہوا۔ میرے جسم کا کوئی حصہ نہیں جہاں زخم
نہ لگے ہوں۔ مگر افسوس کہ شہادت نصیب نہ ہوئی۔

در تنم یک جا لگہ بے زخم نیست
ایں تنم از تیر چوں پرویزِ لیت
تیر خوردن بر گویا مقتلے
در نیاید جز شہیدے مقبلے

جب میں نے دیکھا کہ شہادت میری قسمت میں نہیں۔ تو میں خلوت میں جا کر سچلہ
کاٹنے لگا۔ اور اس جہادِ اکبر میں میں نے تن و آل کر لا کر ہونا شروع کر دیا۔ میں
اسی حالت میں تھا کہ میرے کان میں غازیوں کے دھوول کی آواز پڑی میرے نفس
نے کہا اٹھ اور جہاد میں شریک ہو جا۔ میں نے کہا۔ اے بے وفا خبیث نفس! تو اور
جہاد کی صلاح دے۔ اے اس میں کوئی ضرور فریب ہے۔ اگر تو سچ نہ کہے گا تو میں ریاضت
اور سخت کردوں گا۔ اور تجھے ٹھٹھا ٹھٹھا کر ماروں گا۔ نفس نے جواب دیا کہ آپ مجھے اس
جگہ ہر روز گہروں کی طرح مارتے ہیں۔ دنیا میں کمی کو خبر نہیں کہ جگہ پر کیسی سختی ہو رہی ہے
اگر آپ لڑائی میں جاؤں۔ تو میں ایک زخم کاری سے عذاب سے چھوٹ جاؤں اور
دنیا میری مودی اور ایثار کی تعریف کرے۔ میں نے کہا۔ اے کتے نفس! تو منافق
کی طرح زندہ رہا۔ اور منافق کی طرح مرنا چاہتا ہے۔ اے ریاکار ذلیل و خوار نفس!
تیری بے ہودگی سب سے بڑھ گئی ہے۔ میں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک جسم میں جان ہے
میں خلوت سے باہر نہ نکلوں گا۔ کیونکہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر انسان جو کرتا ہے۔ وہ
دکھا دے کے لئے نہیں کرتا ہے

جہنیش و آرامش اندر خلوتش جو بڑے سخی بنودش نیتش

نفس کشی جہاد اکبر ہے۔ اور جان کشی جہاد اصغر یہ رستم کا کام ہے اور وہ حمید کا۔ یہ اس شخص کا کام نہیں ہے جو ایک چوہے کی جہنیش سے پوش گم کر دے ایسے لوگوں کا چاہیے کہ خورتوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہیں۔ ایسا شخص صوفی نہیں کہلا سکتا جو صوفی پچھنے کی تاب نہ لاسکے۔ اور تیغ زنی کی آرزو رکھے اسے صوفی نہ سمجھو بلکہ نقشب ہے جان مجھو۔ ایسے ہی صوفیوں نے صوفیائے کرام کو نام کر رکھا ہے۔

نقشب صوفی باشند اور نیست جان صوفیاں بدنام ہم زیں صوفیاں
برورد دیوارِ حرم گل سرشت حق ز غیرت نقشب صد صوفی نوشت

نصوح کی توبہ

ایک شخص نصوح نامی تھا۔ اس کی شکل صورت اور آواز بالکل عورتوں جیسی تھی وہ لباس بھی زنانہ پہنتا۔ جب گھر سے باہر نکلتا۔ چادر سر بند اور نقاب پہن کر نکلتا۔ اس نے زنانہ حمام میں دنا کی کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ وہ امیر زادوں کو نہلا یا دلا یا کرتا تھا۔ اس زبون فعل پر اس کے ضمیر نے اسے بار بار ملامت کی اور وہ تائب بھی ہوا مگر اس کا سرکش نفس اس کی توبہ شکست کر دیتا۔

ایک دن نصوح ایک بزرگ کے پاس گیا۔ اور التماس کی کہ یا حضرت! میرے سخی میں دعائے خیر کریں۔ بزرگ نے صفائی قلب سے اس کی زبون حالت کا مشاہدہ کر لیا۔ مگر حکم سے کام لیا اور اسے نہ بتایا کہ تم نے کیا برا کام اختیار کر دیا ہے۔

خدا اسے سیدہ ممدوں کا دل گنبد پر راز نہ تباہ ہے۔ مگر اپنے لبوں پر قفل لگائے رکھتے ہیں وہ خدا کے سچا رستہ کے بندے لوگوں کی پردہ دری نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ جن کے سچا رستہ کو اسے سمجھنے بنا دیتا ہے۔ ان کے اندر ہر غما موشی لگا دیتا ہے۔

بر لبش قفل است درونِ راز لبِ خموشِ دل پر از آواز

عارفان کہ جام حق نوشیدہ اند رازِ بادستہ و پوشیدہ اند

ہر کرا سراہ حق آموختند مہر کو دہد و دانش دوختند

بزرگ نے نصوح کی درخواست دعا سن کر قسم کھائی اور کہا اللہ تعالیٰ تجھے توبہ بخلا کرے۔

اُن دعا از مہفت گردوں درگذشت کار اُن مسکین بآخر خوب گشت
عدلت کی دعا عام لوگوں کی طرح نہیں ہو۔ وہ لب سے نکلتے ہی اللہ تعالیٰ کے
ماں درجہ اجابت حاصل کر لیتی ہے۔

نصوح وہاں سے رخصت ہو کر جب حمام میں آیا۔ تو بادشاہ کی بیٹی نہانے آئی
خدا کی قدرت اس کا ایک قیمتی حق بکھو یا گیا۔ جو معمولی تلاش پر نہ ملا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ
حمام کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اور تمام عورتوں کی کپڑے انار کر تلاشی لی جائے۔
درشکاف فوق و تحت و ہر طرف جستجو کر دند در از ہر طرف

یہ حالت دیکھ کر نصوح خوف سے ایک طرف کونے میں جا پڑا۔ اس کا چہرہ زرد ہو
گیا۔ اور ہونٹ غیلے پڑھ گئے۔ اسے دکھائی دے رہا تھا۔ کہ اب پردہ فاش ہو گا اور
جان سے مار ڈالا جاؤں گا۔ وہ درخت کے تنوں کی طرح لرز رہا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ!
میں جتنا گنہ گار ہوں۔ اور کوئی نہیں ہو گا۔ کاش! مجھے میری ماں نہ بختی یا مجھے کوئی شیر
بھاڑ کھاتا۔ تاکہ میری جان ایسا دردناک عذاب نہ اٹھاتی جو اس وقت لاحق ہے یا اللہ!
جو مجھ بد کردار کے شاہیاں بھائی میں نے کیا۔ تو وہ کر بوتری شان ستاری کے الٹی ہے۔
میں بار بار توبہ کرتا اور توڑتا رہا۔ اس دفعہ مجھے ذلت و رسوائی سے بچائے تو میں پھر کبھی
اس حمام میں نہ ٹھسوں گا۔

وہ اکی آہ زاری میں تھا۔ کہ آواز آئی۔ کہ اے نصوح! اب تیری باری ہے تلاشی
دینے کے لئے تیار ہو جا۔ یہ آواز سن کر اس کے ہوش اڑ گئے اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا
جہاں جتنی پیوست چوں ہے ہوش شد۔ مورچ رحمت کی زماں در ہوش شد
جب وہ خودی سے گزر گیا تو اللہ کی رحمت ہوش میں آگئی۔ فوراً ایک شاہی کنیز نے آواز
دی کہ گوہر نایاب مل گیا۔ اب کسی کی تلاشی نہ لو۔ مونی مل جانے کا مژدہ سن کر تمام حمام
والیوں نے خوشی کا نغمہ مارا۔ جس کی آواز سے نصوح کو بھی ہوش آگیا۔ اس کے پاس
سب عورتیں دوڑی آئیں۔ کہ نصوح ہمیں معاف کر دے۔ ہم نے ناحق بدگمانی کر کے
گناہ غیبت مول لیا۔

اصل بات یہ تھی۔ کہ شہزادی کی سرشوخ اور دلاکی کی خدمت خاص نصوح سے
منعلق تھی۔ اور جتنا قرب اسے حاصل تھا۔ اور کسی کو نہ تھا۔ اسلئے سب کا گمان غالب

یہی تھا کہ موتی سوائے نصوص کے اور کسی نے نہیں اڑایا۔ سب سے پہلے تلاشی اسی کی لینا چاہیے تھی۔ مگر اس کی رعایت کی گئی۔ کہ اور جگہ تلاش جاری رکھیں تاکہ نصوص کو گوہر پھینک دینے کا موقع مل جائے۔ اور اسے رسوا نہ ہونا پڑے اب عورتوں کا اس سے معافی مانگنا محض دفع الوقتی کے طور پر تھا۔

نصوص نے دل میں کہا یہ مجھ سے کیا معافی طلب کرتی ہیں سچ تو یہ ہے کہ سب سے زیادہ میں ہی مجرم ہوں۔ میرے جرم یا مجھے معلوم ہیں یا میرے خدا کے ستار کو میں نے پہلے ابلیس کی شاگردی اختیار کی۔ مگر پھر میری شیطنت کے سامنے شیطان کی مکاریاں گر رہی گئیں۔ اللہ میرے سب عیب دیکھتا اور پردہ پوشی کرتا رہا۔ تاکہ میری فضیلت نہ ہو۔ اب اس نے مجھے توبہ کی توفیق بخشی اور مجھے عذاب و سزا سے بچالیا۔ میں کوئیں میں پڑا غرق ہونے کو تھا کہ میرے دل سے آہ نکلی۔ جس نے مجھے رستے کا کام دیا۔ اور میں چاہے بے باہر نکل آیا۔ اب میں خدا کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر میرا ہر بال زبان بن جائے۔ پھر بھی میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ عرض محام سے باہر و ابر و رخصت ہو کر نصوص گھر آیا۔

اس کے بعد شہزادی نے کنبز بھیج کر اسے بلا بھیجا۔ کہ اے نصوص! امیر اسرہ صو جا دل نہیں چاہتا کہ تیرے سوا کوئی اور سے یا سر دھوئے۔ نصوص بولا۔ اے کنبز! شہزادی کی خدمت عرض کر دے کہ میرا خط بیکار ہو گیا ہے کیونکہ میں بیمار ہوں۔ گفت رور و دست من بیکار شد و این نصوص تو کنوں بیمار شد اب یہ خدمت کی اور کے سپرد کر دیں۔ اور دل میں کہا۔ کہ میں خدا خدا کر کے موت کے منہ سے پھوٹا ہوں۔ اب میں نے خدا کو حاضر ناظر جان کر دل و جان سے توبہ کر لی ہے۔ خواہ میری جان بھی جائے۔ میں توبہ نہیں توڑوں گا۔ چنانچہ وہ توبہ پر قائم رہا اور پھر اس نے کبھی محام اور شاہزادی کی طرف جانے کا نام نہ لیا۔

نصوص نے سچے دل سے توبہ کی۔ خدا نے اس کی عزت رکھ لی۔ اور اس کی توبہ مزب المثل بن گئی۔ سچ ہے۔ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے۔ خدا اس کو خوار و ذلت سے بچا لیتا ہے۔



بادشاہ اور اس کے دو غلام

ایک بادشاہ کے پاس دو غلام آئے جو حسن میں لاجواب اور ہر فن میں طاق تھے۔ خوش نویسی میں آقا و عماد، نظم میں نظامی، مصوری میں مانی و ہنرزد، تدبیر میں نظام الملک، دانش و اخلاقی میں ارسطو، حکمت اشراقی میں افلاطون، لغت میں جوہری نحو میں ابن ماجہ اور رضی، ابی میں اصحی، فصاحت میں سبحان، علم تاریخ میں اقدی اور ابن اثیر، ہندسہ میں افیڈس، حافظہ میں ابن سینا، طب حدیث، فقہ قرآن اور نسب، علم مجلس، آداب طعام، تدبیر سیاست، علم کلام اور سپہ گری، الفرض ہر فن میں انہیں بد بٹولی حاصل تھان۔ ایک سے ایک بڑھ کر تھا۔

ان دونوں میں سے ایک کو گندہ دہنی کا عارضہ تھا۔ اور دوسرے میں کوئی ظاہری عیب نہ تھا۔ بادشاہ دونوں پر یکساں مہربان رہا۔ ایک دن اسکے دل میں خیال آیا کہ ان کے باطنی کمالات کو آزمانا چاہیے۔ وہ گندہ دہن غلام کو خلوت میں لے گیا۔ اور اس سے کہا۔ کہ تیرا دوست تیری بیٹھ بچھے تیری بدگوئیاں کرتا رہتا ہے۔ تیری نسبت رہ چور۔ گندہ دہن جھوٹا، تخفیر اور خدا جانے اور لگنے نامزد کلمات بکت ہے۔ بادشاہ کی باتوں کو وہ بڑی توجہ سے سن کر بولا۔ میرا دوست تو بڑا باجیا۔ خوش خلق اور نیک آدمی ہے۔ مجھے اس جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ دوست میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو صاف منہ پر کہہ دیتا ہے۔ میں نے اسے بار بار آزمایا، اور معلوم کیا ہے کہ وہ جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ ممکن ہے کہ مجھ میں یہ عیب ہوں۔ ورنہ وہ ایسا کہنے والا نہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے منہ ہانکا اس سے کہا۔ دور ہو۔ اور جا کر سپ پر رہ بچھو۔

اس کے بعد بادشاہ نے اس کے ساتھی غلام کو بلایا۔ اور کہا کیا سبب ہے۔ کہ تیرا رفیق تجھ سے صفا عیب بیان کرتا ہے۔ وہ تجھے غدار، چور، کذاب اور مکار وغیرہ کہتا ہے۔ یہ سن کر اس غلام کو بڑا غصہ آیا۔ اور اس کے سے جھاگ اٹھ کر فرش پر گر پڑے اسی غصہ کی حالت میں وہ کاریبان بکدہ لگا۔ اور اس کے حسب و نسب کے بیسیوں غیب چھانڈے۔ بادشاہ نے سن کر کہا پس خاموشی مجھے تیری تو معلوم ہو گئی۔ مجھے فقط یہ آزمانا تھا۔ کہ تم دونوں میں سے یک باطن کون ہے۔ یہ ثابت ہو گیا۔

کہ وہ پاک دل اور سچید ہے۔ اور تو پلید اور شیطان۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کا رتبہ بڑھایا۔ اور اسے نظروں سے گرایا۔

جو شخص اپنے عیبوں پر نظر نہیں کرتا۔ اور دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے۔ وہ بے وقوف مغرور و متکبر ہے۔ بری صورت والا نیک سیرت انسان اچھی صورت والے بد سیرت آدمی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ کیا ہی خوب فرمایا۔ حضرت رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلَى قُلُوْبِكُمْ۔ خدا تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

ایک بد اعمال مسلمان اور اس کا دوست گبر:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بسطام میں ایک گبر دانش پرست رہتا تھا۔ یہی ایک مسلمان سے دوستی تھی۔ اس مسلمان میں کوئی بات اسلام کی نہ تھی۔ یعنی جہن بری باتوں سے اسلام منع کرتا ہے۔ وہ ان کا مرتکب اور جو حکم دیتا ہے۔ ان کے خلاف عامل تھا۔ ایک دن یہ مسلمان اپنے دوست گبر سے کہنے لگا کہ عذاب قبر سے ڈر۔ اسلام قبول کرے۔ خدا پر ایمان لے آ۔ آگ کی پرستش چھوڑ دے۔ وہ تیری کیا مدد کر سکتی ہے یا اے سو برس بھی پوچھیں پھر بھی وہ دم میں جلا کر خاک کر دے۔ اے دوست دشمن کی کچھ تمیز نہیں۔ جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے۔ وہ قیامت کے دن بغیر کسی سوال و جواب کے نار جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آ خدا سے ڈر اور اس خالق پر ایمان لے آ جس نے آگ کو پیدا کیا ہے۔ شرک سے بدتر کوئی چیز نہیں۔

گبر بولا۔ میرے سامنے اسلام کے دو نمونے ہیں۔ ایک تو شیخ بایزید کا اسلام جس سے واقعی اس دین کی شان و عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہر کسی سے محبت۔ حلال کھانا۔ حرام سے بچنا۔ کسی کی طرف غیر نظر سے نہ دیکھنا۔ ہر وقت اللہ اللہ کرنا۔ مگر افسوس! مجھ میں اتنی قوت نہیں کہ میں ایسا ایمان و یقین حاصل کروں۔ ایسے اسلام کا تو میں غلام ہوں۔ مگر دوسرا اسلام جو تو اپنے اعمال سے پیش کرتا ہے اس سے تو کا فر رہنا ہی بہتر ہے۔ نفس تو پیا ہوتا ہے۔ کہ تجھے جیسا بن جاؤں۔ مگر ضمیر ملامت کرتا ہے کہ

کہ اس طرح محل کھیلنا اچھا نہیں۔

اسلام واقعی دین فطرت ہے۔ ہر ذی شعور سلیم الفطرت انسان دل سے اس کا
گردیدہ ہے۔ مگر انوس! مسلمانوں کے خلاف اسلام اعمال نامہ سلساں کو اسلام سے
بدظن کئے ہوئے ہیں۔

انکہ صد میش سوئے اسلام بود چوں شمار اید آں باطل نمود
اگر مسلمان خود پابند اسلام بن جائیں۔ تو ان کے نیک اعمال سے لوگ خود بخود
متاثر ہو کر ادھر کھچے آئیں۔

ایک مکروہ آواز والا مؤذن

ایک مؤذن تھا بڑا کریمہ الصوت (بد آواز) اس کی دلخراش آواز سے سب ناں تھے
وہ رات کو جب بلند آواز سے اذان پڑھتا۔ تو سننے والوں کی منید حرام ہو جاتی سرور میں
ور دنگ جاتا بچے ڈر کر چوک پڑھتے۔ محلہ والوں کی جان اس سے عذاب میں تھی آخر تنگ
آکر سب نے صلاح کی کہ اسے کسی بہانہ سے نکالنا چاہیے۔ اس کیلئے جہیز جمع کیا گیا اور
بہت سارے روپیہ اس کو دے کر عرض کیا۔ کہ حضرت آپ بڑی خدمت کر چکے اب کچھ عرصہ آرام
کیجئے قافلہ مکہ منظمہ جارا ہے۔ جانیے حج کر آئیے۔

مؤذن صاحب حج کو روانہ ہو گئے۔ راہ میں ایک گاؤں آیا۔ جس میں زیادہ آبادی
کافروں کی تھی۔ مؤذن صاحب بھلا کب چپ رہنے والے تھے۔ گاؤں کے درمیان
کھڑے ہو کر بانگ دے دی۔ آپ کو ابھی تک یہی زعم تھا تھا۔ کہ میں بڑا خوش آواز
ہوں۔ جب اذان دے کر یہ اپنے ڈیرے میں پہنچے۔ تو دوسرے دن گاؤں کا ایک
جوئی مٹھائی۔ کپڑے اور روپیہ لے کر تلاش کرتا ہوا آ پہنچا۔ اور وہ صاحب کہاں ہیں۔
جہنوں نے کل اذان دی تھی۔ پوچھا گیا کہو کیا کام ہے۔ بولا میں ان کا بڑا شکر گزار ہوں
میں ان سے لئے یہ بد یہ لایا ہوں۔ یہ سن کر سب حیران رہ گئے۔ کہ یہ شخص بھی عجیب
کھوپڑی کا انسان ہے کہ ایسی بری آواز پرست ہو گیا۔ اس نے ان کو زیادہ دیر حیران
رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ اور کہا۔ کہ میری ایک بڑی زمین بیٹی ہے۔ اس کی مدت سے
آرزو تھی۔ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ ہم اسے ہر طرح سمجھا رہے کہ یہ خیال چھوڑ دو اور

اپنے باپ دادا کا مذہب نہ چھوڑو۔ مگر اسے کوئی نصیحت کارگر نہ ہوتی تھی۔ اسلام کی محبت اس کے دل میں جاگیر بن ہو چکی تھی۔ ہم اس غم سے دل ہی دل میں جل رہے تھے کہ اس مؤذن نے بانگ دے دی۔ لڑکی نے پوچھا۔ کہ یہ کس مکروہ آواز ہے۔ میں نے ایسی کرمیہ الصوت عمر بھر نہیں سنی۔ اس کی بہن نے کہا۔ یہ آذان مسلمانوں کا مذہبی شعار ہے۔ اسے یقین نہ آیا۔ دوسروں سے پوچھا۔ تو بھی یہی جواب ملا۔ کہ واقعی یہ آذان مومنوں کی دینی علامت ہے۔ جب اسے یقین ہو گیا۔ کہ حقیقت یہی ہے۔ تو اس کا رنگ زرد اور سہارا ایل سرد ہو گیا۔ ہم تشویش و عذاب سے پھوٹ گئے۔ اور رات اطمینان سے سوئے۔ ہمیں واقعی اس کی آواز سے راحت پہنچی۔ اسے ہمارے محسن مؤذن ابیہ بدیہ قبول فرما۔ ہم تیرے احسان کے شکر یہ سے عمدہ برا نہیں ہو سکتے۔ تو ہمارا مجیر اور مددگار ہے۔ کیونکہ تیرے طفیل لڑکی مشرف باسلام ہونے سے رک گئی۔

آج کل مسلمان جو اپنا نمونہ دکھا رہے ہیں۔ اس سے دوسری قوموں کو بجائے محبت کے نفرت ہوتی ہے۔

ہست ایمان شما زرق و عجاز راہزن کہ بھجواں بانگ نواز

حضرت لقمان کے خواجہ ناش اور میوہ کی پوری

لقمان حکیم عقل کے روشن اور رنگ کے سیاہ تھے۔ زمانہ کے دستور کے مطابق وہ ایک لڑائی میں گرفتار ہو کر غلام بن گئے۔ اور بکتے بکتے ایک تاجر کے پاس پہنچے۔ اسے معلوم نہ تھا۔ کہ یہ لقمان ہیں۔ اس نے آپ کو مزدوری پر لگا دیا۔ وہ آپ سے گارا بنانے کا کام لیتا رہا۔ ایک دن تاجر نے اپنے سب غلاموں کو باغ میں میوہ پھینے بھیجا۔ وہ سب باغ میں میوہ چن کر کھا گئے۔ اور لقمان نام کالے دیا۔ آقا بڑا غصے میں آئے۔ لقمان نے کہا اگر مجھے الزام ثابت ہو تو بے شک میں قابل سزا ہوں۔ چوری نکالنے کی ایک جگہ میں بتا دیتا ہوں۔ اگر آپ اصل مجرموں کو پکڑنا چاہیں۔ تو اس پر عمل کریں۔ تاجر نے پوچھا کس طرح؟ لقمان نے عرض کیا۔ آقا! پانی میں لہسن کی پوختی ڈال کر اسے ابالئے۔ اور وہ ابلا ہوا گرم گرم پانی سب کو ملا دیجئے۔ اور حکم دیجئے۔ کہ ایک گھنٹہ تکھیت میں دوڑیں۔ اس طرح قے آئیں گی۔ اور جو کچھ کسی نے کھایا ہو گا ظاہر ہو جائے گا۔

آقائے کہا۔ یہ تجربہ تو آسان ہے۔ فوراً اس نے لہسن منگایا۔ اور اس کا ابلنا پانی
سب کو پلا کر دوڑایا۔ جب قے کرنے لگے۔ تو سوائے لقمان کے سب کے پیٹ سے
میبوہ نکلا۔ آقائے سب غلاموں کو سزا دی۔ اور لقمان سے معافی مانگتے ہوئے کہا کہ
میں نے بے بھی سے آپ کو نہ پہچانا۔ وہ میری خطا تھی۔ لہذا اسے معاف کر دیجئے۔ آئندہ
گھر کا سب انتظام آپ کے سپرد ہے۔ آپ سفید و سیاہ کے مالک ہیں جو چاہیں کریں۔
میں کچھ دخل نہ دوں گا۔

جس طرح لقمان حکیم کی حکمت سے چوری پھپھے پیٹ میں ڈالا ہوا میبوہ ظاہر ہو گیا
اسی طرح روز جزا سب کا حلال و حرام کھایا۔ اور کمایا ہوا ظاہر ہو جائیگا۔ یہ خدا کے عالم
الغیب کی شان ستاری ہے کہ وہ ہمیں رسوا نہیں کرتا۔ ورنہ ہمارے سب افعال کی نظر میں ہیں
حکمت لقمان چوتنا دیاں نمود پس چہ باشد حکمت ربّ الوتود
پس تو ہر جھٹنے کہ می خواہی بگیر نحو او باش و صفات او پذیر
نور خواہی مستعد فور شو و در خواہی خویش بین و دور شو
سرکش را میں سر اسر در عذاب سر نہر و اللہ اعلم بالصواب

لقمان اور تلخ خربوزہ

لقمان کو گردش زمانہ سے ایک آقا کا غلام بننا پڑا تھا۔ مگر آپ کی دانائی دیکھ کر
آپ کا غلام بن گیا تھا۔ کبھی کوئی چیز نہ کھاتا۔ جب تک کہ آپ اسے نہ دیتے پھر جب
کھانے لگتا۔ پہلے لقمان کو کھاتا۔ وہ خراگہا کرنا تھا۔ کہ میں لقمان کا لاش خورد جو کھا
کھا بوالا ہوں۔ ایک دن کوئی شخص لقمان کے آقا کے پاس ایک خربوزہ بطور سوغات لایا۔
لقمان پاس نہ گئے۔ نوکر سے کہا۔ انہیں بالاء جب وہ آئے۔ آقائے ایک قاش (دھیانک)
کاٹ کر انہیں دی۔ لقمان نے جو اس کے کھانے میں رغبت ظاہر کی۔ آقائے خوشی
سے سارا خربوزہ چیر کر انہیں کھلا دیا۔ صرف آخری ایک قاش اپنے منہ میں ڈالی۔ مگر
چکھتے ہی اسے اگل ڈالا۔ کیونکہ وہ بڑی تلخ اور تند تھی۔ اس سے اس کی زبان
میں آبلہ پڑ گیا۔

آقائے لقمان سے کہا۔ کہ میں بڑا حیران ہوں کہ تم ایسا کر تو اذہر کھاتے رہے

اور نہ کہا کہ یہ کھانے کے قابل نہیں میں نہیں کھاتا۔ لقمان بولے اُقا! آپ مجھے خوشی سے کھلا رہے تھے۔ مجھے شرم آئی۔ کہ میں آپ کی اس سرت کو روٹھوں۔ علاوہ ازیں میں نے آپ کے ہاتھ سے ہزاروں نعمتیں لے کر کھائی ہیں۔ میں نے ایک تلخ چیز چکھ کر یہ کہنا مناسب نہ سمجھا کہ اُقا! میں اسے نہیں کھاتا۔ یہ کھانے کے لائق نہیں ہے

گفت من از دست نعمت بخش تو خورده ام جیذاں کہ از شرمم دو تو
شرم آید کہ بیکے تلخ از گفت می نوشتم از تو صاحب معرفت
چوں بیمہ اجازیم از العام تو رستہ اند و غرق دانہ و دام تو
از بیکے تلخی گم فریاد و داد خاک صدرہ بر سر اجزام باد
انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہزاروں نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی تلخی کی شکایت کرے۔ تو اس کے سر پر خاک۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ اور گستاخ مرید کا حشر

حضرت بایزید بطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات عالم بے خودی میں کہدیا لا الہ الا انا فاعبدو مج۔ یعنی خدا میں ہوں۔ میری پرستش کرو۔ صبح بواٹھے تو مریدوں نے عرض کیا حضرت رات آپ نے کیا کلمہ سے نکالا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر مجھے پھر یہ کہتا سونو تو فوراً پھریاں لے کر مجھے پارہ پارہ کر دو اللہ تعالیٰ تو جسم سے پاک ہے۔ اور میں جسم رکھتا ہوں۔ اگر میں اپنی انا اللہ کہوں تو مجھے قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ایک دفعہ پھر بایزید بطنی پر وہی حالت وارد ہو گئی ہے

عشق آمد عقل او آوارہ شد صبح آمد شمع او بیچارہ شد
عقل خود شخہ است چوں سلطان سید شخہ بیچارہ در کنجے خسزید
عقل سایہ حق بود حتی آفتاب سایہ را با آفتاب او چہ تاب
چوں پری غالب شود بر آدمی کم شود از مرد و صفِ مردمی
ہر چہ گوید او پری گفتہ بود زیں سرے نے زان سرے گفتہ بُو
چوں بخود آید اندیک لغت چوں پری را بہت ایں کار و صف
بس خداوند پری و آدمی ! از پری کے باشدش آسوخ کمی

عشق نے غلبہ کیا تو عقل گم ہو گئی صبح آئی تو شمع کی رہتی مٹ گئی۔ عقل کا عقائد و ارشاق
کے بادشاہ کے سامنے کیا ٹھہر سکتا ہے۔ عقل کا سایہ آفتابِ حق کے سامنے کیا قائم
رہ سکتا ہے۔ آدمی پر حجبِ پری کا سایہ ہوا ہے۔ تو اس سے آدمیوں کا وصف گم
ہو جاتا ہے۔ اب جو وہ کہتا ہے پری نے کہا ہوتا ہے۔ حجب وہ ہوش میں آتا ہے تو نہیں
سکتا کہ اس کے منہ سے کیا باتیں نکلتی رہیں۔ پس وہ خدا جو جن وانس کا خالق ہے جس
پر اپنا جلوہ ڈالے۔ وہ پری کے اثر سے کم متاثر نہیں ہو سکتا۔

گر بیہ قرآن از لب پیغمبر است ہر کہ گوید حق گفت او کا فراست
قرآن کو پیغمبر کے منہ سے سن کر جس نے کہہ دیا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو وہ کافر ہو گیا۔
اسی عالم بے خودی میں بائزید کے منہ سے نکلا۔

نیست اندر جبہ ام الاحدا چند جوئی در زمین و در سما
یہ سکر مرید دیوانہ وار بھٹپٹے۔ اور لگے۔ آپ کے پاک جسم میں پھریاں پھونکنے لگا آپ
کے جسم کے جس مقام پر کوئی کار دھپلاتا۔ اس کے جسم کا وہی حصہ کٹ جاتا۔ شیخ کے جسم پر
کچھ اثر نہ ہوتا۔ جس نے گلے پر شجر چلایا۔ اس کا گلہ کٹ گیا۔ جس نے سینہ پر چھری کا وار کیا چھری
اس کے سینہ سے پار ہو گئی۔ الغرض سب حملہ آور مرید اپنے ہاتھوں مارے گئے کشتوں
کے پتے لگ گئے۔ فرش ان کے خون سے سرخ ہو گیا۔

صبح ہوئی تو مقتولین کے متعلقین نالہ و زاری کرتے ہوئے شیخ کے گرد جمع ہوئے
اور ان کی بے وقوفی پر افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر شیخ کا جسم لوگوں کے جسموں
کی طرح ہوتا تو کٹاریوں سے کٹ جاتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے زدہ بر بے خوداں تو ذوالفقار بر تن خودی زنی تو ہوشدار

زانکہ بے خود فانی است ایمن است تا ابد در ایمنی اوسا کن است

نقش اوشد فانی اوشد آئینہ غیر نقش روئے غیراں بجائے نہ

گر کئی تفت سوئے روئے خود کئی در زنی بر آئینہ بر خود زنی

در ربینہ روئے زشت اں ہم تولی در ربینہ عیائے مریم تولی

اور نہ اس است و نہ اں اوشادہ است نقش تو در پیش تو بہادہ است

یعنی جو شخص اللہ والے فنا فی اللہ بزرگوں پر حملہ کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ پر حملہ کرتا ہے

ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ گستاخ خود ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ ائینہ کے سامنے تلوار کھینچ کر بڑھو تو ثابت ہو جائیگا۔ کہ تم ائینہ پر نہیں بلکہ اپنے آپ پر تلوار مار رہے ہو۔
 بزرگانِ دین رومناشیہ کی طرح ہیں جس کو وہ اچھے نظر آتے ہیں وہ خود اچھا ہے اور جس کو برے وہ خود برا ہوتا ہے۔ ان کے جسم صافی میں اسے اپنی نمرود بھونڈی صورت دکھاتی دیتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصریٰ اور امتحانِ وفا

مصر میں ایک ولی ذوالنون نامی اپنے وقت کے قطب اور امام تھے۔ ان کے دل میں ایک دفعہ شور اٹھا۔ اپنا گریبا بنایا، کر دیا۔ تمام پھینک دیا۔ جبہ شق کر دیا۔ خرقہ اور تسبیح سے منہ موڑ لیا۔ اور مدرسہ و خانقاہ کو چھوڑ کر بازاروں میں ہوا کرنے لگے۔ ان کے شور سے لوگ تنگ آ گئے۔ مہاکم وقت کے پاس جا شکایت کی۔ اس نے مجبوری قید کا حکم دیا۔ جب قید خانہ کو لے چلے۔ تو آپ کے شاگرد اور مرید روتے ہوئے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے کامل ولی پر جنوں کا غلبہ ہو۔ اس میں صبر و جمید ہے۔ مخالفت آپ کے اوقات میں خلل انداز ہونی تھی۔ آپ نے یکسوئی حاصل کرنے کیلئے یہ جملہ کیا ہے۔

چند منہ پہلے ادب کو بالائے طاق رکھ کر آگے بڑھے اور عرض کرنے لگے یا حضرت ہم آپ کے صادقِ محبت اور دوست ہیں۔ آپ کی ایسی حالت سے ہمارا دل کڑھتا ہے فرمائیے اس میں کیا راز ہے۔ آپ نے سوچا۔ کہ یہ لوگ مجھ پر معلوم کر کے پھر مجھے پھینسا نا چاہتے ہیں۔ اذان کی وفاداری اور محبت کو آزمائیں۔ آپ نے ایک دھیل اٹھا کر اس زور سے ایک کے رید کیا۔ کہ وہ غش کھا کر گر پڑا۔ دوسرے کی پیٹھ پر لاٹھی کسی جس کی ضرب سے اس کی جانکنی کی کسی حالت ہو گئی۔ تیسرے کی ران پر لات مار کر اسے گر دیا۔ یہ گت بنتی دیکھ کر سب مرید بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت ذوالنون مصریٰ نے جب ان کو لوں بھاگتے دیکھا۔ تو آپ تم قہہ مار کر رہے اور فرمایا۔ یہ میں میرے فداکار ہاں۔ ان کی وفا اور الفت کے دعوے سن چکے۔ اب ان کی وحشت اور دغا بھی دیکھ لو۔
 زہ کی حقیقت آگ سے کھلتی ہے اور دوست کی مصیبت کے وقت سے

دوستان ہیں کونشان دوستان دوستان رارنج باشند سچو جاں
 کے گراں گیر دزد رنج دوست دوست رنج مغزو دوستی اور اچو دوست
 نے نشان دوستی شد سرخوشی در بلا و محنت و آفت گشتی
 دوست بچو زر۔ بلا چوں آتش است زرِ خالص در دل آتش خوش است

ایک بے نوا کا اللہ سے شکوہ

ہرات کا نواب عماد الملک بڑا خوبی کا آدمی تھا۔ اس کی خوش اخلاقی اور فیاضی کی وجہ سے اس سے رعایا، مسافر، تاجر اور اہل حرفہ الغرض تمام لوگ خوش تھے وہ بادشاہ وقت کا وفادار تھا۔ اس لئے بادشاہ کا بھی اس پر اعتبار تھا۔ عماد الملک کے پانچ سو فادار غلام تھے جن کو وہ بیٹیوں کی طرح آرام زیب و زینت سے رکھتا تھا۔ ان کی گردنوں میں زریں طوق اور سروں پر جواہر سے جڑے تاج تھے۔ اطلس کنجواب کی قبائیں اور ان پر گنگا جمنی بیٹیاں ان کی شان و بالا کئے دیتی تھیں۔

ان شاندار غلاموں کی ٹولیاں شہر میں پھر رہی تھیں کہ ایک غریب مفلس فلاش شخص نے جو بھوکا اور رنگا تھا۔ ان کو دیکھ لیا۔ پوچھا۔ یہ رئیس زادے کون ہیں؟ جواب ملا یہ ہرات کے نواب کے نوکر چاکر ہیں۔ وہ یہ سن کر حیران رہ گیا۔ اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔ اے خدا! اپنے اس بے نوا و بے پندے کو دیکھ کر سردی کی مار دانت بجتے اور بھوک سے آتش قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ اور عماد الملک بند پرور کے بندوں کو بھی دیکھ کہ کیسے موٹے تازے خوش پوش اور با احتشام ہیں۔ خوشی۔ بے فکری اور فارغ البالی سے ادھر ادھر اتراتے پھرتے ہیں۔ یا اللہ! بندہ پروری عماد الملک سے سیکھ دو تو ذی اللہ مخلق اور مالک ہو نا اور بات ہے مگر بندہ پرور بننا آسان نہیں ہے اے خدا زیں خواجہ صاحب منن چوں نیا موزی تو بندہ داشتن

بندہ پرور دن بیا موزاے خدا زیں رئیس و اختیار شہر ما
 تقدیر الہی سے عماد الملک کے عروج کا ستارہ زوال پذیر ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کو قید کر دیا۔ اور اس کے اموال و املاک کو ضبط کر لیا۔ اس کے وفادار نوکروں کو شکنجوں میں سے دیکر عذابوں سے مار ڈالا۔ صرف اس خطا پر کہ وہ کیوں اپنے آقا کا بھید نہیں ظاہر کرتے اور

نہیں بتاتے۔ کہ اس کا دھینسہ اور خرنیہ کہاں کہاں ہے۔ غلاموں نے بڑے درد اور کرب سے تڑپ تڑپ کر بائیں دیں۔ مگر کسی ایک نے بھی اپنے مہربان اور پیارے آقا کے دھینسہ راز نہ بتایا۔ یہ سب کچھ اس منہ چھٹ بے نوا کے سامنے ہوا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گیا۔ اسی عالم بے ہوشی میں ہاتھ نے اس کے کان میں آواز دی کہ

گفت اندر خواب ہاتھ کاٹے کیا بندہ بودن ہم بیا موز و سیا

کہ اے خدا پر طعنہ کرنے والے غلاموں کی وفاداری دیکھو اور سوچ کر توجس کا بند کھانا ہے۔ تو بھی اس کا ایسا ہی جان نثار اور وفادار ہے۔

تو بھی بندہ بتا نہ سے سیکھے اپنے رب کو پھر کبھی طعنہ نہ دے
بے تیرے ہی بندہ ہونے میں کلام ورنہ بندہ پروری ہے اس کا کام

بچوں کی موت پر صبر کر نبوالی ماں

ایک عورت ہر سال بچہ جنیتی تھی۔ مگر وہ ولادت سے دو ماہ بعد مر جاتا۔ اسی طرح بچے اس کی گود خالی کر کے اللہ میاں کے گھر جا پہنچے۔ بیواں بچہ مرنے پر اسے بڑا افسوس ہوا اور غم سے بے خود ہو کر بول اٹھی۔ کہ اے اللہ تیری دہائی۔ تو نڈی سے کیا تقصیر ہوئی کہ سال میں نو مہینے غمت اٹھاتی ہے۔ اور صرف نو ماہ خوشی دیکھتی ہے۔ امید کا وقت صبر بچھل لاتا ہے۔ تو صرف دو مہینے اس کی بہار دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ میرے باغ مراد میں بیٹس پھول کھلے۔ مگر میں نے سیر ہو کر ایک کی بھی دید نہ کی۔ اے دن میرے غم کی ہول لگتی رہتی ہے۔ میرا کوئی بچہ پروان نہ چڑھا۔ نہ میں نے کسی کو بنا بتے دیکھا نہ بنی۔ یہ کہتے ہی اس کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہوئے اور روتے روتے سو گئی۔

خواب میں کیا دیکھتی ہے۔ کہ ایک اب شگفتہ پر بہار چین ہے۔ جس پر دنیا کے تمام باغ نثار ہوں۔ یہ جنت تھی جو اسے دکھائی دی۔ جنت کو باغ سے نسبت دینا دیا ہی ہے جیسا کہ نوز خانی کی شمع سے مثال پیش کرنا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ دنیا میں جنت کی مثل کوئی چیز ہے۔ نہ خدا کی طرح کوئی شے۔ صرف ایک خیال دلانے کیلئے ان چیزوں کو بطور مثال پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس عورت نے خواب میں دیکھا کہ چین کے اندر ایک محل ہے۔ جو چاندی اور سونے

کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ اور اینٹیں مشک اور کافور سے چھنی ہوئی ہیں اس محل پر موٹے موٹے حروف میں اس عورت کا نام لکھا ہے۔ اس کے اندر ہر عورت نے دیکھا کہ اس میں سب طرح کی نعمتیں موجود ہیں۔ اسے وہاں اپنے سب بچے بھی مل گئے جو اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ ایک فرشتے نے عورت سے کہا۔ کہ تو نے جو بچوں کے مرنے پر صبر کیا تھا یہ اس کا اجر ہے۔ کہ خدا نے تیرے لئے ایسا عالیشان مکان بہشت میں بنایا ہے۔ جہاں تیرے سارے بچے بھی موجود ہیں۔

جب وہ خواب سے بیدار ہوئی۔ تو اس کا تمام ملال مٹا رہا۔ کیونکہ اس نے سمجھ لیا کہ چند روزہ زندگی کے بعد اسے بہت اچھا ٹھکانا ملنے والا ہے۔ اور چند دن کے فراق کے بعد اسے اپنے بچوں سے دائمی ملاقات ہونی والی ہے۔
جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے۔ اللہ اسے بڑا اجر دیتا ہے۔

دشمن کو نیک مشورہ

ایک دانا آدمی پر ایک دفعہ ناگماں کوئی مصیبت آپڑی۔ اس سے بچنے کے لئے بہت پیسے سوچے مگر کوئی کارگر حلیہ نہ سوچا۔ اور غلصہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی ناچار وہ ایک شخص کے پاس گیا۔ اور پوچھا کہ مصیبت سے بچنے کی کوئی تدبیر نہاد اس نے جواب دیا۔ تم بھی غیب سادہ لوح ہو۔ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ میں تیرا دشمن ہوں اور تو اپنا بھید مجھے بتاتا ہے۔ جا اور کسی ایسے شخص سے مشورہ کر جو تیرا دوست ہو اور صلاح نیک سے ماسی از گریختن شرط نیست جستن از غیر محل ناجستنی است

مصیبت زدہ نے کہا۔ میں جانتا ہوں۔ کہ تو میرا دشمن ہے مگر افسوس! مجھے کوئی عقلمند دوست نہیں ملتا۔ مجھے یقین ہے۔ کہ تو جو مشورہ دے گا۔ وہ مفید ہوگا۔ اگر تیرا نفس مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو تیری عقل اس پر غالب آجائیگی۔

طبع خواہد تا شد از خصم کیس عقل بر نفس است بند آہنیہ

عقل ایمانی چو شخند عادل است پاسبان و حاکم شہر دل است

عقل در دل مہاکم ایماں بود کہ ز ہمیش نفس در زندان بود

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ مستشار (صلاح دینے والے کو

مؤمن (امانتدار) ہونا چاہیے۔ اگر دشمن بھی آکر صلاح لے تو چاہیے کہ صلاح نیک ہی

زمین کھودنے پر ایک بے وقوف کا اعتراض

دہقان کدال لے کر زمین کھود رہا تھا۔ ایک بے وقوف پاس سے گزرا اور کہنے لگا
اے کسان! تم کیسے ظالم ہو۔ کہ سموار زمین کو خراب کر رہے ہو۔ دہقان بولا بے وقوف
با اپنا کام کر۔ تجھے اتنی بھی خبر نہیں۔ کہ ہر ویرانی میں آبادی ہے ارے اگر میں زمین کے
سینے کو مل سے زنجیروں اور اس کے ڈھیلوں کو کدال سے ریزہ ریزہ نہ کروں تو بی بیج
کس طرح قبول کرے۔ یہ تو کلی و گلزار نظر آ رہے ہیں۔ یہ زمین کی ویرانی ہی سے پیدا ہوئے
ہیں اگر زمین کو کھودا نہ جائے۔ تو میں بوئے کس طرح آئیں۔ مٹی کھودنے سے قطع نظر
کر کے اگر غم اور معاملات پر غور کرو۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ ہر خرابی میں آبادی اور سر تکلیف میں رہتا
ہے۔ مثلاً جب تک سر بسنہ بھوڑے دیہے (پھر) کامنہ نہ چریں مواد خارج ہو کر جسم تندرست
نہیں ہو سکتا۔ جب تک غلطوں کو دوا سے نہ جلا میں سوزش کس طرح دور ہو۔ اور
شفا کیسے حاصل ہو۔ جب تک درزی کپڑے کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کرے پوشاک تیار
نہیں ہو سکتی۔ جب تک بڑھئی اور لوہار لکڑی اور لوہے کو نہ کاٹیں مفید مطلب اشیاء نہیں
بن سکتیں۔ جب تک واپس کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ نہ کر دیں دوائیں نہیں بنا سکتے
فصا ب جب تک بڑو کو سفند کو چیر بھاڑ کر قمیہ نہ کر دے کو فتنے وغیرہ نہیں تیار ہو سکتے
جب تک گندم کو بکلی میں نہ پیسیں کھانا تیار نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ ہر آبادی کے
لئے اول ویرانی ضروری ہے۔

سر نہائے کہنہ کا باداں کنند نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند
ناگوئی گندم اندر آسیا کے شود آراستہ زان خوان ما

ایک نحوی اور ملاج کی گفتگو

ایک نحوی (علم نحو کا عالم) کشتی پر سوار ہوا۔ جب کشتی بارِ موافق کے سہا۔ یہ مرنے
سے دریا پر تیزی جارہی تھی۔ نحوی نے ملاج سے باتیں کرنا شروع کیں اور پوچھا بھائی
ملاج! بتا تو سہی تو نے کچھ علم نحو پڑھا ہے؟ کشتیان نے کہا۔ مولوی صاحب! تو کیا پھر ہے

میں نے تو آج تک اس کا نام بھی نہیں سنا۔ ٹھوکی بولے۔ واہ رے میاں ملاح تو نے اپنی
اپنی ادھی عمر برباد کر دی۔ ارے جو شخص نخو سے واقف نہیں وہ انسان نہیں حیوان ہے
ناراضہ سن کر بہت مسٹ پٹایا اور لا جواب ہو کر پھیرا۔

جب کشتی عین دریا کے وسط میں چارسی تھی۔ تو قضا کار باد مخالف اس
زور سے چلنے لگی کہ سب کو اپنی کے لالے پڑ گئے۔ کشتی کا بسلاست کنارے
پر لگنا ناممکن نظر آنے لگا۔ ملاح نے کہا۔ بھائیو! کشتی پختی نظر نہیں آتی۔ تیر
کر پار اترنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ پھر ٹھوکی صاحب سے پوچھا! حضرت!
آپ کچھ تیرنا بھی جانتے ہیں جواب ملا۔ کہ ہم تو ساری عمر علم پڑھتے رہے
ایسی باتوں کی طرف کبھی خیال ہی نہیں ہوا۔ کشتیاں بطر سے بولا۔ پھر
آپ نے ساری عمر یونہی برباد کی۔ یہاں فن شناسوری کام آسکتا ہے۔
علم نخو ڈوبنے سے کہیں بچا سکتا ہے

ٹھوکی باید نہ نخو آیت جا بجاں	گو تو ٹھوکی بے خطر در آب راں
آب دریا مردہ را بر سر بند	در بود زندہ زوریا کے رہد
چوں بمر دمی تو ز او صاف بشر	بحر اسرار ت نہد برفق سر
فقطہ و نخو و صرف صرف	در کم آبدیانی اے یار شگرف

اس حکایت سے ان علماء کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔ جو کوئی کسب۔ کوئی فن
کوئی ہنر نہیں سیکھتے۔ اور فقط علم عربی یا فارسی پڑھ کر لوگوں کے محتاج بن جاتے ہیں
اگر وہ ساتھ ہی کوئی کسب بھی سیکھ لیں تو سونے پر سہاگہ ہو جائے۔ دوسرے کی
محتاجی نہ رہے۔ اور دونوں پر بے عزت خانہ باتوں کا اثر بھی ہو۔

ایک واعظ کا عمامہ اور اڑیکا

ایک واعظ صاحب بڑا خوبصورت جہتہ اور رقبہ نما عمامہ پہنے ہوئے منبر پر تشریف
لائے آپ خوب سر مطکاتے تھے۔ یہ عمامہ کا قبضہ منظر ظاہر میں خوبصورت تھا۔ اندر
سے وہ ایسا ہی زشت تھا جیسے منافق کا دل کہ دیکھنے میں تو خوب ٹیپ ٹاپ مگر باطن میں برا
سرپاپ و غلط کی گھڑی زحمتی بلکہ کبرا کا ایک طلسم تھا جس میں رعوت بھری ہوتی تھی۔

یہ واعظ صاحب صبح کے وقت ایک کو پیسے گزورے تھے وہاں ایک چوکا گھات میں کھڑا تھا۔ ہاتھ میں اندھون کی طرح لاکھٹی تھے ہونے پر پاس سے گزرے تو وہ ایک جھپٹا مار کر دستار بازار کی طرف لے اڑا۔ وہ خوشی سے اس طرح دوڑا ہمارا تھا کہ گویا اسے سونے کی کان ہاتھ لگ گئی ہے۔

واعظ نے پکار کر کہا۔ اومیاں جانے والے ایشامہ کو کھول کر تو دیکھ کہ یہ کیا پیڑ ہے تو کھول کر اس کا حال ملاحظہ کر پھرے جائیے تو تجھے حلال ہے اچکے نے ہوا سے ٹھونکا تو اس میں سے دھبیاں اور پتھریں گرنے لگیں۔ ہاتھ میں صرف ایک کھواب کار اپنا پیڑ رہ گیا۔ اسی میں کسی استاد درزی نے چھتیرے بھر کر اسے مناشی عمامہ بنایا تھا۔ چور نے اسے بھی زور سے زمین پر دے مارا۔ اور کہا۔ مولوی! تو تو ٹی کی آرٹیں شکار کھیلنے والا ہے۔ خدا سے ڈر اور دھوکا بازی چھوڑ دے۔ خلقت کا ایمان کیوں ٹھکتا ہے یہ عمامہ تجھی کو مبارک رہے۔ ہم تو خیر بدنام تھے سی۔ مگر تو تو ہمارا گورو گنٹھال نکلا آدمی کو چاہئے۔ کہ ظاہر و باطن ایک رکھے۔ ہاتھ میں شبیچ ہو اور لب پر تو بھر کر دل ذوق گناہ سے پر ہو۔ تو یہ ریاکاری اور عیاری ہے۔ جس سے عاقبت میں ذلت خواری کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اے زخوبی بہاراں لب گزراں
روز دیدی طلعت خورشید خوب
بھجنیں ہر جزو عالم می شمر
نہاں آن سرودی وز ردی خزاں
مرگ اور یاد کن وقت غروب
اول و آخر در آرش در نظر

تو بخوار ترک ایک گاؤں میں

ترکوں کا ایک بخوار گروہ لوٹ مار کرتا ہوا ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ وہاں انہوں نے دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ ایک کے ہاتھ باندھ کر اسے قتل کرنے لگے۔ اس نے پوچھا صاحبو مجھے آپ کس لئے قتل کرتے ہیں میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ آپ میرے خون کے پیاسے کیوں ہیں؟ میں ایک درویش آدمی ہوں۔ تن پرکڑا نہیں۔ بچے پیاسے نہیں مجھے مارنے سے آپ کو کیا حاصل ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا ہم تجھے اس لئے قتل کرتے ہیں تاکہ تیرا ساتھی ہیبت زدہ ہو کر مال نکال دے۔ اس نے یہ سن کر کہا کہ میرا ساتھی تو مجھ

سے بھی زیادہ مسکین ہے۔ وہ روپیہ کہاں سے نکالے گا۔ ترکوں نے کہا ہمیں مخبر نے اطلاع دی ہے۔ کہ یہ بالدار ہے۔ وہ شکس کسا ہوا شخص بولا۔ ہم دونوں ایک جیسے ہیں اگر وہ مالدار ہے تو میں بھی مالدار ہوں۔ آپ کے نزدیک ہم دونوں احتمال اور شک کے مقام میں ہیں اس لئے مناسب ہے۔ کہ اس مخبر کو ہمارے سامنے قتل کر دیں تاکہ ہم دونوں خوف زدہ ہو کر مال پیش کریں۔

مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ اے امت محمدیہ اللہ کے کرم کا شکر کر کہ اس نے تجھے آخری امت بنایا ہے۔ تیرے سامنے نوح اور ہود کی قوم کی ہلاکت کی عبرت خیر تاریخ موجود ہے۔ تو اس سے عبرت حاصل کر اور ان گناہوں سے باز آ۔ جو ان اقوام کی تباہی کا موجب ہوئے۔

پس کر مہائے الہی ہیں کہ ما	اندیم آخر زماں در انتہا
آخریں قرنہا پیش از قروں	در حدیث است اخوون السالکو
تا ہلاک قوم نوح و قوم ہود	غار من رحمت بجان من نمود
کشت ایشان را کہ تا ترسیم ازو	تو اگر بر عکس کردی وائے تو

ایک بوڑھے اور طبیب کا مکالمہ

ایک بوڑھا آدمی طبیب کے پاس آیا۔ اور ان میں سلسلہ سوال و جواب یوں شروع ہوا۔
 بوڑھا۔ میں اپنے دماغ کی کمزوری سے بڑا تیران ہوا۔
 طبیب۔ ضعف دماغ بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔
 بوڑھا۔ میری نظر کمزور ہو گئی ہے۔
 طبیب۔ ضعف بصارت پیری کی وجہ سے ہے۔
 بوڑھا۔ میری پشت میں درد رہتا ہے۔
 طبیب۔ اے شیخ! یہ بھی پیری کی وجہ سے ہے۔
 بوڑھا۔ جو کچھ میں کھاتا ہوں۔ اس سے طاقت پیدا نہیں ہوتی۔
 طبیب۔ اس کا سبب بھی پیری ہے۔
 بوڑھا۔ میں بات کرتا ہوں۔ تو سانس پھول جاتا ہے۔

طیب۔ جب بڑھاپا ہوتا ہے۔ تو کئی روگ لگ جاتے ہیں۔
 بوڑھا۔ میری طاقت مردی بالکل کم ہو گئی ہے۔

طیب۔ یہ بیماری بھی پیری کے سبب سے ہے۔

بوڑھا۔ میرے پاؤں سست ہو گئے ہیں۔ اور میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا۔

طیب۔ جب بڑھاپا آتا ہے تو آدمی کو گوشہ نشین بننا پڑتا ہے

بوڑھا۔ میری پیچھ کمان کی طرح دوہری ہو گئی ہے۔

طیب۔ اس رنج اور تکلیف کا باعث بھی بڑھاپا ہے۔

ہر سوال کا ایک ہی جواب سن کر بوڑھا بہت سٹپٹا یا۔ اور بولا۔ اے احق!

تو نے میاں مٹھو کی طرح ایک ہی بات سیکھی ہے۔

اے تد مخ غفلت! اس دانش نداد کہ خدا ہر در دریاں بہتا

اے بے موقوف تجھے پتہ نہیں خدا نے ہر بیماری کا علاج پیدا کیا ہوا ہے۔ اے گدھے

تو بالکل جاہل ہے۔ تو علم طب میں بالکل کورا ہے ع "از طبیعتی تو نہیں اُموختی"

طیب نے کہا۔ اے بوڑھے! تیرا یہ غضب اور غصہ بھی پیری کی وجہ سے ہے۔ ع

"ایں غضب ایں خشم ہم از پیری است" تیرے تمام قوا اور اعضا ضعیف ہو گئے۔

اور اب تجھے میں صبر اور تحمل کی طاقت نہیں رہی ہے

بچوں ہمہ اجزاء و اعضا شد ضعیف

نویشتن داری و صبر شد ضعیف

برنتابد در سخن راں ہے کند

تاب یک جرعه ندارد قے کند

قبر کا حال اور ابترے گھر کا خیال

ایک لڑکا اپنے باپ کی میت کے ساتھ روتا پیٹتا جا رہا اور کہہ رہا تھا۔ کہ اے

باپ! تجھے جہاں ہے میں۔ کہ مٹی کے نیچے دبا دیں تجھے ایسے تنگ تاریک مکان میں لے

جاکے ڈال دیں گے۔ جہاں نہ فرش ہے نہ بوریا۔ نہ رات کو چراغ ہے نہ دن کو روٹی۔ اس اجڑے

گرماب نہ دروازہ ہے نہ چھت نہ مہمان کے لئے پانی ہے۔ نہ کوئی ہمسایہ جو مدد کرے تیرا جسم

جس کو لوگ آگے پھرتے تھے۔ ایسے اندھیلے گھر میں کس طرح رہیگا۔ ایسے بے پناہ اور

تنگ مکان میں تیرا رنگ روغن سب ابرہیلے گا۔ وہ لڑکا اس گھر کے متعلق ایسی ایسی

باتیں کہہ رہا اور رو رہا تھا۔

ایک غریب آدمی کے بیٹے نے یہ باتیں سن کر اپنے باپ سے کہا۔ خدا کی قسم یہ میت ہمارے گھر کو لئے جاتے ہیں۔ باپ نے کہا اے بیٹا بوقوف نہ بن۔ اس نے جواب دیا۔ اے بابا! انشا نیال تو سن جو بتا رہا ہے۔ سب کی سب ہمارے گھر پر درست بیٹھتی ہیں۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ جس میں نہ بوریہ ہے نہ دیا نہ کھانا۔ نہ اس کا دروازہ ہے نہ چھت۔

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ کئی اشخاص کے برباد شدہ دل کی علامات پر ظاہر ہیں لیکن وہ بوجہ سرکشی اس کی آبادی کی فکر نہیں کرتے۔

خدا آں دل کہ ماندہ ضیا از شعاع آفتاب کبریا
تنگ و تاریک است چوں جہان بود بیتوا از ذوق سلطان و دود
گور خوشتر از چمنیں دل مر ترا آخر از گور دل خود بر ترا

ایک چراغ والا انسان کی تلاش میں

ایک شخص ہاتھ میں دیا لئے ہوئے ہر آتے جاتے کامنہ دیکھتا پھرتا تھا۔ اسی شغل میں شہر کا ہر کوپڑ و بازار چھان مارا۔ ایک شخص نے پوچھا کتھے کس کی تلاش ہے۔ گفت من جوئے انسان گشتہ ام۔ من نیابم تیج و حیراں گشتہ ام۔ اس نے کہا میں انسان کی جستجو میں ہوں۔ کاش! کوئی مل جائے۔ سوال کرنے والے نے کہا۔ ذرا اپنی آنکھیں مل کر غور سے دیکھ تیری نظر میں نقص ہے جو تجھے چلتے پھرتے آدمی نظر نہیں آتے۔

گفت خواہم مرد بر جادہ دورہ در رہ خشم و بہنگام شرہ
وقت خشم و وقت شہوت مرد کو طالب مرد روانم کو بکو

چراغ والا بولا! یہ انسان صرف نام کے انسان ہیں۔ کام کے نہیں۔ مجھے ایسے آدمی کی تلاش ہے۔ جو کام کرے۔ اور نہ جتنا کہ جو خشم اور شہوت کا غلام نہ ہو بلکہ ان کو اپنے قابو میں رکھے۔ مجھے ان اوصاف کے انسان کی جستجو ہے۔ ورنہ یوں تو انسان کو بکو پھرتے ہیں ہی۔

ہیں جہاں میں مرد تو سد ہزار مرد لیکن وہ ہے جو ہو مردگار

ایک بخیل اور اس کا بھوکا کتا

ایک اعرابی اپنے دم توڑتے ہوئے کتے کے سر پر سر راہ کھڑا زار زار رو رہا اور کہہ رہا تھا کہ اے میرے وفادار رفیق! میں تیرے بغیر کس طرح جیوں گا۔ آہ میں بھی تیرے فراق میں گھل گھل کر مہاؤں گا۔ ایک اہل دل پاس سے گزرا اور دتے ہوئے شخص سے پوچھنے لگا کہ تو کس لئے روتا اور اپنی جان کھوتا ہے؟ اعرابی بولا۔ جس پر گزرے اسی کا جی جانتا ہے۔ میرے با وفادار دست مر رہا ہے میرا دل کیوں نہ گڑھے۔ کتا نہ تھا۔ شیر تھا توں کو میرے لئے شکار مگر لاتا۔ اور رات کو پہرہ دیتا تھا۔

اس شخص نے پوچھا۔ آخر اسے ہوا کیا؟ بیماری سے جان بلب ہے یا زخم سے اعرابی نے جواب دیا۔ نہ یہ بیماری نہ زخمی۔ فقط بھوک سے مر رہا ہے اس نے کہا یہ مرض لا علاج ہے۔ صبر کر خدا تجھے اجر دے گا۔ یہ تو بتا تیری پشت پر کیا کھڑی ہے؟ اعرابی بولا۔ یہ زار و مار ہے۔ اس میں روٹی اور گوشت ہے۔ ہر ایک ہفتہ کے لئے کافی ہوگا۔ وہ یہ سن کر بڑا حیران ہوا۔ اور پکارا تم بھی بچ بچ شوم اور لعین ہو۔ آنکھوں سے نور و دریا بہا رہے۔ مگر کتے کو ایک روٹی کا ٹکڑا انہیں دیتے۔ ہر منزل پر روٹی مل سکتی ہے۔ اگر تمہاری نیت کھوٹی نہ ہو تو کتا بھوک سے ہلاک نہیں ہو سکتا۔ اعرابی نے کہا۔ میں کچھ سڑی تھوڑا ہوں۔ کہ جنت کو بڑھا کر جنوں کے درجہ تک پہنچا دوں۔ انوکھا سے میرا کیا بگڑتا ہے۔ گرہ سے تو کچھ تھوڑا ہی کھلتا ہے۔

دست ناید بے درم در راہ ناں ایک بہت آب و دیدہ راں گان
مجھ سے خرچ کرنے کا نام نہ لو۔ گانٹھ کا پیسہ بہت کام آتا ہے۔ میں بی ضرورت کچھ خرچ نہ کروں گا۔ کیونکہ سفر میں پیسہ بھی اشرفی ہوتا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنی جان بچاؤں
مثل ہے کہ جان ہے تو جہان ہے؟

وہ لوگ نرے لگا جھگٹ ہیں جو آخرت کے خوف سے رونے پر زور ڈالتے ہیں
مگر راہ حق میں کوئی خرچ کرنے کا نام نہیں لیتے۔ ان کا گریہ محض ریا پر مبنی سمجھنا چاہیے
بہی وہ لوگ ہے جن کے متعلق کہا گیا ہے "لب پر قدوس دل میں فلوس"



ایک استاد اور اس کا اہول شاگرد

ایک استاد نے شاگرد سے کہا۔ کہ میرے گھر روڑ کر جا۔ وہاں طاق میں ایک شیشہ رکھا ہوا ہے اسے فوراً اٹھا لے۔ شاگرد تھا تو بڑا ہوشمند اور باخود۔ مگر اس کی آنکھ میں نقص تھا۔ اسے بوجہ اہول دھبہ لگا ہونے کے ایک دو نظر آتے تھے۔ وہ گھر سے ہو کر استاد کے پاس دوڑ آیا۔ کہ استاد جی اطاق میں دو شیشے پڑے ہیں کونسا شیشہ لاؤں۔ استاد نے کہا میں ابھی ابھی گھر سے آیا ہوں۔ وہاں تو ایک ہی شیشہ تھا۔ دوسرا آسمان سے اتر آیا یا زمین سے نکل پڑا۔ یہ تیری نظر کا قصور ہے۔

شاگرد قسم کھا کر کہنے لگا۔ کہ واقعی شیشے دو ہی ہیں۔ استاد نے کہا سو گند کھانا تیرے فیس کا کام نہیں۔ یہ مکینوں کا شیوہ ہے۔ کہ بات بات پر قسم کھانے لگتے ہیں اگر آدمی سچا ہو پھر بھی قسم نہ کھائے۔ شاگرد نے کہا۔ سو گند کھانے سے میں توبہ کرتا ہوں۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ شیشے دو ہی ہیں خواہ آپ مانیں یا نہ مانیں۔

جب شاگرد نے شیشے دو ہونے پر اصرار کیا۔ تو استاد کو ناچار کھنا پڑا۔ کہ پھر میرے گھر جا اور جاتے ہی ایک شیشہ توڑ دے۔ پھر اگر وہاں دوسرا شیشہ پڑا ہو تو اسے میرے پاس لے آ۔

شاگرد نے جاتے ہی طاق سے شیشہ اٹھایا۔ اور اسے فرش پر گر کر توڑ ڈالا۔ پھر دیکھا تو اور شیشہ وہاں کوئی نہ تھا۔ تب اسے معلوم ہوا کہ یہ اس کی نظر کا قصور تھا اور حقیقت شیشہ ایک ہی تھا۔

چوں یکے شکست ہر دوشد ز خشم	مرد اہول گردد از میلان و خشم
شیشہ یک بود بحشم رد نمود	چوں شکست آن دیدہ را دیگر نمود
خشم و شہوت مرد را اہول کند	ز استقامت روح را مبدل کند
چوں غرض آمد ہمز پوشیدہ شد	صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد
چو را دیدہ فاضلہ مبدل ز شہوت قرار	کے سنا سد ظالم از مظلوم زار

درخت زندگی اور اس کا پتہ

ایک شخص نے بطور چیتان بیان کیا کہ ہندوستان میں ایک ایسا بڑا درخت ہے جس کے سایہ کا پھیلاؤ کوئی کوس تک ہے۔ اس کی جڑ پتال کی خبر لاتی ہے اور اونچی آسمان تک پہنچتی ہے۔ درخت کی عمر ہزاروں سال کی ہے۔ اس کا پھل تمام خاقات کھاتی ہے۔ لیکن اس کے پتوں کے متعلق لوگوں کا یقین ہے کہ وہ نہایت تلخ اور بد مزہ ہوتے ہیں جس شخص کو قسمت سے کوئی پتہ ہاتھ لگ جائے۔ اور جی کڑا کر کے کھا جائے تو وہ قیامت تک نہیں مرنا۔ اس درخت کو ہند کے رشی درخت زندگی کہتے ہیں اس کے نیچے مردانِ خدا سالہاں اس انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ کب کوئی پتہ جھڑے۔ اور ان کے ہاتھ آئے۔

بادشاہ کے مصائب نے یہ بات سنی۔ تو وہ اس چیتان کو نہ سمجھا۔ اور اس نے بادشاہ کے سامنے بہت تنگ مرچیں لگا کر اس درخت کی تعریفیں شروع کر دیں۔ بادشاہ کے ایک وزیر سے یہ مصائب کچھ ناراض تھا۔ اس لئے ساتھ ہی اس نے کہہ دیا کہ اس وزیر کے سوا اور کسی کا کام نہیں۔ کہ اس درخت کا پتہ لگا کر اس کا پتہ لائے۔ جسے کھا کر بادشاہ حیات جاوید حاصل کرے۔ بادشاہ نے اس وزیر کو بلا کر حکم دیا کہ تم ہندوستان جاؤ اور دو برس کے اندر اندر مجھے پتہ لا دو۔

حکمِ حاکم مرگ مفاجات وزیر خزانے کے بجانب ہند روانہ ہو پڑا۔ اور اس درخت کی تلاش میں ہندوستان کے تمام شہر۔ میدان۔ پہاڑ اور جنگل چھان ڈالے جب اس کا خزانہ ختم ہو گیا۔ تو وہ فقیر بن کر بدیل تلاش کرتا رہا۔ مگر اس کا پتہ نہ ملتا تھا نہ ملا۔ جب وہ بالکل مایوس ہو گیا تو اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اسے خواب میں الہام ہوا کہ ہمارا ایک دوست مرغاب میں ہے۔ وہ تمہارا مقصد پورا کرے گا۔ خواب میں یہ سزا پڑا کہ وہ مرغاب کی جانب چل پڑا وہاں پہنچ کر دیکھا کہ خلعت ایک طرف جوق در جوق چلی جا رہی ہے یہ بھی اس طرف کو ہولیا دیکھا۔ کہ ایک بزرگ خندہ رو اور شیریں بیان تشریف فرما ہیں۔ اور لوگ ان کے گہو بادب بیٹھے ہیں۔ وزیر بھی نہایت عاجزی سے بیٹھ گیا۔ اور اپنی داستان بیان کرنے لگا۔ بزرگ نے سن کر جواب دیا۔ کہ تم نے قائل کا بدعا نہیں سچا۔ لفظوں کو لے لیا معافی پر بخور نہ کیا وہ درخت زندگی علم و ہنر ہے۔ اور اس کا پتہ خدا کی معرفت۔ جس کو علم حاصل کر کے خدا کی معرفت کا پتہ مل جائے۔ وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔

رہنا ہے نام علم سے زندہ جہاں میں فوقی اولاد سے تو نام ہے دو پشت پادشیت

کہتے ہیں علم ہندوستان کا پھل ہے۔ یہاں اسے یونانی لے گئے۔ یونانیوں سے عربوں نے حاصل کیا۔ اور عربوں سے فرنگیوں نے لے

شیخ خندید و بگفتش اے سلیم	اس درخت علم باشد اے علیم
بس بلند و بس شگرف بس بیضا	اب حیوانی زد ریائے محیط
تو بصورت رفتہ اے بے خبر	زاں ز شاخ معنی ای بے بار و بر
گردختش نام شد کہ آفتاب	گاہ بحرش نام شد گاہے سحاب
اں یکے کس صد ہزار آثار نامست	کمرتن آثار او عمر بقاست
گرچہ فرو است او اثر دارد ہزار	اں یکے را نام باشد بے شمار
در گزر از نام و بگرد صفات	تا صفات رہ نماید سوئے ذات
اختلاف خلق از نام او فتاد	چوں بمعنی رفت آرام او فتاد

استاد کو بیمار بنانے والا شاگرد

ایک مکتب کا استاد بڑا سخت گیر رنگ دل اور ڈراؤنی شکل کا تھا۔ لڑکے اس کی سختی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اور دعائیں کرتے تھے۔ کہ خدایا ہمیں اس سے نجات دلا۔ اسکی صحت بہت اچھی تھی اسے کبھی بخار بھی نہ آتا تھا۔ ایک دن لڑکوں نے بیٹھ کر مشورہ کیا کہ کوئی تجویز کی جائے۔ جس سے ہم چند روز کے لئے ہی اس سے مخصوص پائیں ان کا خلیفہ بڑا اہانت پرذا تھا۔ اس نے کہا۔ تجویز تو میں بتا دیتا ہوں بشرطیکہ تم اس پر عمل کرو اور سو گند کھاؤ کہ راز فاش نہ کرو گے۔ سب نے قسمیں کھائیں کہ ہم استاد سے اس کا ذکر اور غازی نہ کریں گے۔ خلیفہ نے کہا بات یہ ہے کہ ہم میں سے جو بھی استاد کے پاس جلائے۔ بعد از سلام جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھے اور کہے۔ استاد جی یہ کیا بات ہے کہ آپ کا چہرہ نصیب دشمنان کچھ زرد ہے۔ جب وہ ہر ایک سے یہی کلمہ سنے گا۔ وہم اس کے دل میں مگر کر کے اسے بیمار بنا دے گا۔ سب لڑکوں نے اسی تجویز کو پسند کیا اور اس پر عمل کرنے کا عہد کر لیا۔

جب دوسرے دن مدرسہ کھلا۔ اور استاد صاحب تشریف لائے پہلے لڑکوں کا خلیفہ استاد کے پاس گیا۔ جھک کر سلام کیا۔ چہرے پر نظر ڈالی۔ اور بولا۔ میں! یہ کیا

بات ہے ہاتھ دجی! آپ کا چہرہ اس قدر زرد کیوں ہے! غضیب اعدا۔ آپ کچھ
 بیمار سے معلوم ہوتے ہیں۔ استاد نے کہا۔ کیا کہتا ہے۔ ہا اپنی رگ پر پیٹھ۔ پھر دوسرا
 لڑکا آیا۔ اس نے بھی سلام کہا۔ جھک کر پھر سے کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ استاد صاحب
 آپ کے چہرے کی زردی بتا رہی ہے۔ کہ سر میں درد ہے۔ خدا خیر کرے اور ہمارے
 استاد کو عزت رکھے۔ تیسرا لڑکا آیا۔ تو اس نے بھی وی کہا۔ جو پہلے دو لڑکے کہہ چکے تھے
 الغرض ساری جماعت نے استاد کو بیمار بتایا۔ اس کا وہم بڑھتے بڑھتے یقین کے درجہ
 تک پہنچ گیا۔ اسے سر میں درد محسوس ہونے لگا۔ اس نے لڑکوں سے کہا۔ اب میں
 یہاں بیٹھ کر نہیں سکتا۔ میرے گھر چلو وہیں سبتی پڑھ لینا۔

استاد لڑکوں کو لے کر گھر پہنچا۔ بیوی سے کہا۔ جلد بستر بچھا۔ نکیہ دے اور لحاف
 مجھ پر ڈال۔ میرا سر دکھتا ہے۔ پتی کس کر باندھ دے۔ بیوی نے کہا۔ آئینہ دیکھ لو پھر
 پر بیماری کے آثار مطلق موجود نہیں۔ محض وہم ہے جس کا علاج لقمان کے بھی پاس نہیں
 استاد نے اسے جھڑک دیا کہ باتیں نہ بنا۔ جس تن لگے وہی جانے۔ دکھیا کی کوئی بات نہ مانے
 الغرض وہ سچ بچ بیمار بن گیا۔ اور درد سے ہائے کرتے کرتے لگا۔ لڑکوں نے کہا۔ استاد کو
 اتنی کوشش سے بیمار بھی کیا۔ مگر پڑھنا پھر بھی پڑا۔ خلیفہ نے کہا زور سے پڑھنا شروع
 کر دو۔ لڑکوں نے گھر سر پر اٹھا لیا۔ استاد نے کہا۔ کم بخواتم میں بیمار ہوں۔ اور تمہیں مجھے
 کوئی سہارا دی نہیں۔ تم خود مچا رہے ہو۔ میرا سر بھٹا پڑتا ہے میرے گھر سے نکل جاؤ۔ جیتا رہا
 تو پڑھا لو نگاہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا لڑکے خوش خوش گھروں کو آئے خلیفہ میں دند چکیا۔
 عورتیں بولیں۔ ملا کی عقل پر پڑ پڑ گیا۔ کہ ان وحشیوں کو کھانا پھینک دیا۔ لڑکے بولے استاد جی بیمار
 ہو گئے ہیں۔ اسے یہیں چھٹی مل گئی ہے۔ سب کو اس پر ہیرت ہوئی۔ استاد کے گھر آئے دیکھا کہ آپ
 واقعی بیمار بنے ہوئے بستر پر پڑے ہیں۔ پوچھا کیا ہوا۔ صبح تک تو آپ جینگے بجلے تھے۔ بولے
 میری بیوی نے مجھے نہ بتایا کہ بیمار ہوں۔ نہ لڑکوں کا بھلا کرے۔ کہ مجھے وقت پر اطلاع
 دے دی۔ اب دعا کرو۔ کہ خدا مجھے جلد شفا دے۔

وہم بڑی خطرناک شے ہے۔ یہ جینگے بجلے کو بیمار بنا دیتا ہے۔ جو چیزیں فی الحقیقت
 موجود نہیں ہوتیں۔ وہم ان کو لاسلے منہ کھرا کر دیتا ہے۔ وہم ایک ایسا مرض ہے۔ جس
 کا کوئی علاج نہیں۔

بڈھا مرد اور اس کی بی چٹوری

جب گیدڑ کے برے دن آتے ہیں۔ تو وہ شہر کی طرف دوڑتا ہے۔ اگر بچ کر واپس نہیں آتا۔ ایک شخص مدت کا مجرور بغیر بوی (مخا) رات دن چین سے گزرتے تھے اسکی کم بختی جو آئی۔ تو اس نے بڑھاپے میں نکاح کر لیا۔ بوی ملی بڑی پالاک۔ بد رو بہ۔ بے حیا۔ بے باک رشب و روز کھانے پینے سے ہی اسے کام تھا۔ اس لئے اسے بی چٹوری کہتے ہیں۔ ایک دن گھر میں مہمان آیا۔ بڈھا سیر گوشت لایا۔ بوی سے کہا۔ اے اچھی طرح پکا کر مہمان کیلئے کھانا تیار کر دے۔ بھونتے بھونتے تر یا کا دل لپایا۔ اور وہ ایک ایک بوتلی جن کو کھا گئی۔ جب ہانڈی بالکل خالی ہو گئی۔ تو میاں کو آواز دی کہ اندر آنا۔ شوہر آیا تو بوتلی کہ میں مصالحوں بھون رہی تھی۔ گوشت بھون کر طاس میں رکھا تھا۔ کہ کہیں سے یہ نگوڑی ملی آ گئی اور جھٹ پٹ تمام بوتلیاں اڑ گئی۔ دیکھ لو۔ وہ منہ پنچوں سے صاف کر رہی ہے جاو اب جا کر اور گوشت لاؤ۔ میاں بلی کو دیکھنے لگا۔ بوی لولی۔ سوچ میں کیوں پڑھ گئے غور اور فکر پھر کر لینا۔ اب بلی تو تمہیں گوشت واپس نہیں دے گی۔

میاں کچھ نہ بولا۔ اور اٹھ کر نرا زو لے آیا۔ بلی کو ایک پلڑے میں ڈال کر جو تولا۔ تو وہ وزن میں پوری سیر بھر نکلی۔ اب وہ زو جہ سے مخاطب ہوا۔ اور پوچھنے لگا کہ بے حیا بتا کہ میں سیر گوشت لایا تھا۔ تو تو نے خود تول لیا تھا۔ بلی کا کل وزن سیر ہے۔ بتا پختہ سیر گوشت سے سیر ہو کر اس کا وزن کس طرح سیر رہ سکتا ہے۔

اسی اگر گربہ است بس اس گوشت کو در بود اس گوشت بنا کر بے تو اگر سیر کھائے ہوئے گوشت ہی کا وزن ہے تو پھر بلی کہاں سے پورا اگر بلی کا وزن ہے تو پھر گوشت کہاں ہے بے سیر سن کر بوی کچھ جواب نہ سکی۔ اور شرمندہ ہو کر بیٹھ گئی۔ عجیب جھوٹی بات بنانے سے نہیں چھپ سکتا۔ اور آخر عیب کرنے والا شخص ذلیل ہوتا ہے۔

پیارے مسافر اور انگوروں کے لئے لڑائی

بعد از کے بازار میں پیار اندھے خیرات مانگتے تھے۔ ایک ہندی تھا۔ دوسرا ایرانی

تیسرا عرب۔ چوتھا ترک۔ ایک سخی مرو نے انہیں روپیہ دیا۔ اور کہا۔ کوئی چیز لے کر آپس میں بانٹ لو۔

ہندی نے کہا۔ میں تو دیکھیں کھاؤں گا۔ ترک بولا۔ میں اوزم منگو اوں گا۔ ایرانی کہنے لگا۔ میرا دل انگو رکھانے کو چاہتا ہے۔ عرب بولا۔ مجھے عنیب کی رغبت ہے۔ سب آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ جو ایک کی خواہش ہے دوسرا اس کے خلاف کوئی اور چیز چاہتا ہے۔ حالانکہ اپنی اپنی زبان میں ہر ایک یہی کہتا تھا۔ کہ انگو لیکر کھانے چاہئیں۔

ان کو یوں کچھ اگھا دیکھ کر ایک شخص بیجا و کرنے والا اگیا۔ اسے سب زبانیں آتی تھیں۔ وہ ان کی جہالت پر ہنسنا۔ اور کہا۔ لاؤ میں تمہارا جھگڑا چکا دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ روپیہ کے انگو خرید لیا۔ سب اپنا مرغوب میوہ پا کر خوش ہو گئے۔ دوسرے کی زبان سے نا آشنا ہونا بڑی خرابی کا موجب ہے۔ ہمزبان الفت کا دام ہے۔ زبان کی غیریت آپس میں ملنے نہیں دیتی۔

جہالت فساد کی جڑ ہے۔ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں لڑتے جھگڑتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کی سننے اور سمجھنے والے آئے اور سب کو بھائی بھائی بنا دیا یہ

نفس واحد از رسول حتی بدند	ورنہ ہر یک دشمن مطلق بدند
اتحاد خالی از شرک دوتی	باشد از توحید نے ماؤ توتی
کینہ ہائے کہنہ شاں از مصطفیٰ	خوشد در نور اسلام و صفا
اولا اخوان شدند آن دشمنان	ہیچو اعدا و عنیب در بوستان
صورت انگو رہا اخوان بوند	چوں فشردی شیرہ واحد شود
ہیچو خاک مفترق در رہگذر	یک سبوشاں کرد دست کو زہ گر

نماز میں کلام کر نیوالے چار بیوقوف

ایک شہر میں چار ہم نوا وہم پیالہ دوست تھے۔ جو ہر وقت اکٹھے رہتے مگر تھے چاروں سادہ لوح جلاہے۔ چاروں مکر مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے ایک نے بانگ دی۔ اس کے بعد ایک ان میں امام بنا اور تین مقتدی بن کر نماز پڑھنے لگے۔

ستے میں مسجد کا ملا وقت کی ٹنگی سے گھبراہٹ ہوا آیا۔ اور جھٹ اذان دینے کھڑا ہو گیا۔
جماعت میں سے ایک بولا۔ ملا صاحب! بانگ کی تکلیف نہ فرمائیے۔ جماعت پوری
ہے اس میں اگر شامل ہو جائیں۔ دوسرا بولا۔ خاموش نمازیں بولنا جائز نہیں تیسرے
نے کہا تو عجب نادان ہے کہ اسے کہتا ہے بولنا جائز نہیں۔ اور خود بھی بولتا ہے
دیگریاں راضییت و تودر افضیحت کا اسی کو کہتے ہیں۔ پوچھتا ہے وقوف ہوا ام جماعت
بنا کھڑا تھا بولا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نہ بولا۔ اور ثابت قدم رہا۔

ہر ایک نے دوسرے کا عیب دیکھا۔ اور اپنے عیب پر نظر نہ کی۔ دانا آدمی ہی
ہے جو کسی کا عیب پکڑنے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالے۔ اگر یہ ہی عیب
اس میں ہو تو پہلے اپنے آپ کو اس سے پاک کرے۔

اے تنک ہا نیکہ عیب خویش دید ہر کہ عیب دید اں بر خود خسرید
ساہا ابلیس نیکو نام زیست گشت رسوا ہیں کہ اور انا م بھیت
درہماں معروف بد علیاے او گشت معروفے بعکس اے اے او
تتا روید ریش تو اے خوش ذقن بردگر سادہ ز رخ طعنہ مزین

چالاک درزی اور سپاہی

ایک دن فرصت کے وقت چند دوست بیٹھے دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔
باتوں باتوں میں ذکر آگیا۔ کہ فلاں درزی بڑا عیار ہے۔ لاکھ ہوشیاری سے کام لو مگر
وہ اپنا کام کر جاتا ہے۔ اور کوئی کپڑا چوری کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ وہاں ایک ترک سپاہی بھی
بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شیخی سے کہنے لگا۔ کہ دوستو! یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ مجھے دھوکا دے
تو مانوں۔ میں کل ایک محتان لے جاؤں گا۔ اور اپنے سامنے کٹوا کر کرنا سلواؤں گا۔ اگر
وہ محتان سے کچھ کپڑا اڑا جائے۔ تو میں زین سمیت گھوڑا مار جاؤں گا۔

الغرض وہ سپاہی اطمینان کا محتان لے کر درزی کی طرف چلا۔ اپنا گھوڑا ایک طرف
باندھ دیا۔ اور درزی کے پاس جاکر یوں مخاطب ہوا

درزی! میں سنتا ہوں تو بڑا چالاک ہے۔ تو اوروں کو داؤ دیتا ہو گا۔ مگر میں تیرے
داؤ میں آنے والا نہیں۔ درزی نے کہا۔ قبلہ! تشریف رکھئے۔ آپ کے دل میں کس نے

شک ڈالا۔ کام کرتے عمر گزر گئی۔ میں ایک کترن تک حرام سمجھتا ہوں۔ کسی اور آلو کو میں جل
 مے بھی دوں۔ مگر آپ جیسے کامیاں مجھ سے کب دھوکا کھا سکتے ہیں؟
 جب درزی نے ہاتھ میں قینچی لی۔ تو سپاہی چوکتا ہو کر سامنے جم کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے
 مقرض کی چشموں پر اپنی آنکھیں لگا دیں۔ درزی نے سوچا کہ اس کو باتوں میں لگا کر اور
 اور چٹکے سا کر غافل کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس نے اسے یہ لطیفہ سنانا شروع کیا۔

ایک درزی کی شادی ہوئی۔ بیوی لکھی پڑی ملی۔ اسے استادوں کے ہزاروں شعر
 یاد تھے۔ وہ ایک دن اشعار سنانا کر ناوند سے داد مانگنے اور پوچھنے لگی کہ بتاؤ کیا سمجھے وہ
 سمجھتا کیا خاک! اسے نورانی الجد بھی یاد رہتی تھی۔ جب بیوی نے سخت ناچار کیا تو وہ
 دل میں کچھ سوچ کر بیٹھا بیٹھا سر ملانے لگ گیا۔ بیوی بولی۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تم
 شعروں کا مطلب سمجھتے ہو۔ اور مجھے یونہی دم دیتے ہو کہ میں پڑھا ہوا نہیں تو مہرنے کہا
 جو کچھ میری عقل میں آتا ہے میں بتا دیتا ہوں۔ بیوی بولی۔ ہاں بتاؤ۔ اس نے کہا اللہ کی قسم
 میں سمجھتا ہوں۔ کہ تو میرے پاس ٹمکتی نظر نہیں آتی۔

یہ لطیفہ سن کر سپاہی مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ درزی نے موقع کو غنیمت جانا اور
 تھکان سے ایک چوتھائی حصہ کاٹ کر الگ رکھ لیا۔

سپاہی نے کہا۔ خلیفہ! ہاں۔ ایک اور چٹکھ ہو جائے۔ درزی نے ایسا ہی ایک اور
 لطیفہ سنایا سپاہی کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ پڑ گئے۔ مینتے مینتے جب اس کا
 سر زمین پر جا لگا۔ درزی نے ایک چوتھائی حصہ کپڑا اور کاٹ لیا۔

اس کے بعد ترک سپاہی نے فرمائش کی کہ استاد! ایک لطیفہ اور بھی سنا دو۔ درزی نے کہا
 اب اور فرصت نہیں۔ جلد ناپ دو۔ درز کرتے بگڑ جائیگا۔ اور بدن پر تنگ آئیگا ادھر درزی
 نے کرتے تیار کیا۔ ادھر سپاہی کا گھوڑا چور اڑا لے گیا۔

یہاں سپاہی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے تقوے کے زعم پر شیطانی صحبت میں جا بیٹھا
 ہے۔ اور شیطان درزی کی طرح اس کو خواہشات نفسانی کے طریقوں میں لگا کر اس کی عمر
 کے تھکان کو رات دن کی قینچی سے کاٹے ڈالتا ہے۔ مولانا کے اشعار ملاحظہ ہوں

اطلسے کز بہر تقوے و صلاح دوخت باید خرچ کردی از مزاج
 اطلسے عمر و مضامک شہوت است روز شب مقرض خندہ غفلت است

اسپ ایماں است و شیطان در نہیں
 با خود آغاز نہ را بگزار ہیں
 اطلس عمرت بمقراض مشہور
 پارہ پارہ کرد خیاط غرور

سانپ پور کی ہلاکت

ایک سپراچوک میں بیٹھا ہوا سانپ کا تماشا دکھا رہا تھا جب اس نے بنید بجائی تو
 کالے نے نغمہ سننے کے لئے سر باہر نکالا۔ اور آخر فرط ذوق سے دم کی نوک پر کھڑا ہو گیا۔ یہ
 سانپ بڑا خوبصورت تھا۔ اس شوخ فتنہ خو کے چلنے نرم اور نازک بدن کو دیکھ کر ایک
 اور سپرے کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور اس کے اڑانے کی فکر کرنے لگا۔ آخر رات کو
 اس نے دیوار میں نقب دے کر سانپ والی زنبیل اڑالی۔ اور اسے خوشی خوشی گھر
 لے آیا۔ صبح سانپ کا مالک خواب غفلت سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ سانپ کی بھولی غائب
 ہے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر سانپ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اپنے رزق کا ذریعہ کم دیکھ کر وہ زار
 زار رو دیا۔ اور دعا کی کہ یا اللہ جس نے میری دولت لوٹی ہے۔ تو اس سے سمجھ اور میرا ہمتی مجھے
 دلا۔ سانپ پور نے گھر آ کر بڑی خوشی سے سانپ نکالا۔ اور جونہی اسے پکڑنے لگا۔ اس نے
 اس کا ہاتھ پکچ لیا۔ یہ سانپ کی مستی کا دن تھا۔ کٹھنہ ہی کالے کا زہر خون میں نہایت کر گیا
 اور مار گزیدہ منہ کے بل گر کر مر گیا

جب سانپ والے نے یہ واقعہ سنا۔ تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں بال بال بچ گیا
 اگر وہ کالا اپنی مستی میں مجھے بھی کاٹتا تو میں بھی پانی نہ مانگتا۔ مجھے سانپ پور یا جانابرا معلوم
 ہوا۔ حالانکہ اس میں میری بہتری اور پور کی ہلاکت تھی۔

انسان کو نقصان مال پر ملول نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس سے اسکی باطل جاتی ہے۔

بس دعا کاں زباں است و ہلاک
 وز کرم می نشود یزدان پاک
 مصلح است و مصلحت را داند او
 کاں دعا را باز می گرداند او
 داں دعا گویند و تکی می شود
 می برد و تین بدو آں بد بود

نچ کی مشکلات

بادشاہ نے ایک صالح اور دیندار عالم کو قاضی القضاۃ کے جلیل القدر عہدے پر

فائر کر دیا۔ یہ حکم سن کر وہ زار زار رونے لگا۔ اس کے نائب قاضی نے کہا آپ روتے کیوں ہیں یہ مبارک موقع تو خوشی کا ہے آپ خدا کا شکر بجالائیں۔ کہ آپ لوگوں کی قسمتوں کے مالک بن گئے ہیں۔ بادشاہ نے خاص اپنا منصب آپ کو عطا فرمایا ہے آپ دیانت سے کام کر کے لوگوں کی داد رسی فرمائیں گے۔ تو آپ کو بادشاہ سے نقد صلہ ملنے کے علاوہ اللہ میاں کے ہاں سے اجر بھی ملے گا۔ ہم خرماد ہم ثواب والا معاملہ ہے۔

قاضی صاحب نے کہا کہ افسوس! تم فقہ کی مشکلات کا علم رکھتے ہوئے بھی ہمدردی کا اظہار نہیں کرتے۔ مدعی اور مدعا علیہ میرے سامنے آئیں گے۔ دونوں اپنے آپ کو سچا ثابت کریں گے۔ ہر ایک اپنی سچائی کی شہادت پیش کرے گا۔ مجھ کو اصل واقعہ کی کچھ خبر نہیں ہوگی۔ شہادتوں پر ہی دار و مدار ہوگا۔ تم ہی انصاف کرو کہ میں کس قدر مشکل میں پھنسا ہوں گا۔ خلق اللہ کی جان و مال کے متعلق اپنے قیاس سے فیصلہ کرنا بڑا خوفناک کام ہے۔ نائب نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا سب بجا ہے۔ مدعی اور مدعا علیہ کی دل کی آنکھوں کو تو عرض نے اندھا کر دیا ہوگا۔ مگر خدا کے فضل سے آپ کی امانت اور دیانت کی دونوں آنکھیں روشن ہوں گی۔ آپ انصاف سے فیصلہ کریں گے۔ تو آپ کو کچھ خوف نہیں۔ اگر عرض درمیان آگئی تو ان دو اندھوں کے ساتھ تیسرے اندھے آپ ہوں گے راشی درشوت خوار، قاضی عدل نہیں کر سکتا۔ فریقین مقدمہ اندھے ہوتے ہیں رشوت کھانے والا جج بھی اندھا ہوتا ہے۔ پس اندھا اندھوں کی رہبری کیسے کر سکتا ہے۔

تا تو رشوت سندھی بینندہ
چوں طمع کردی ضریر و بندہ

یاد رکھ کافی ہے یہ قول نئی
جائیں گے دوزخ میں راشی مرتشی

بعض رشوت تو نہیں لیتے مگر سفارش پر انصاف کا خون کر دیتے ہیں۔ بعض تعصب مذہبی سے کام لیتے ہیں۔ بعض دوستی اور رشتہ کا پاس کرتے ہیں اور بعض بے تعصب مشہور ہونے کے لئے عداوت اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں یہ لوگ رشوتستان سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ راشی اپنا پیٹ بھر کر ایمان ضائع کرتا ہے اور یہ لوگ مفت میں ایمان کھوتے ہیں۔

مٹی کھانے والے کی حماقت

ایک بے وقوف کو مٹی کھانے کی عادت تھی۔ وہ گلی خور می سے رک نہ سکتا تھا ایک دن صبح کو وہ عطار کی دوکان پر گولینے گیا۔ عطار نے کہا میری دوکان میں مصری چین۔ ہند۔ انہن ملک ملک کا قند ہے مگر میرے پاس باٹ لو سے کے نہیں مٹی کے ہیں ہاں ہیں پونے وزن کے۔ گاہک نے کہا۔ مجھے قند چاہئے۔ خواہ کسی بٹے سے تول۔ دل میں کہا۔ کہ میرے لئے تو ہر مٹی کا بٹا مصری کا ڈلا ہے۔

دوکاندار نے باٹ کو ایک پلڑے میں رکھا۔ اور خود تیشہ کی تلاش کرنے لگا تا کہ کاٹ کر قند کا تول پورا کرے۔ مٹی خور نے عطار کی نظر بجا کر باٹ کو دانتوں سے کاٹ کر مٹی کھانا شروع کر دیا۔ اور ایک ڈلی جرب میں بھی ڈال لی۔ عطار کن آنکھوں سے دیکھ رہا اور دل میں کہہ رہا تھا۔ کہ جتنا بڑے باٹ کاٹا کر کھائے۔ مجھے کھانا نہیں۔ بنتا تو بٹے کا وزن کم کرتے گا۔ اتنا ہی مجھے قند کم دینا پڑے گا۔ نو ڈرتا ہے کہ میں تیری یہ حرکت نہ دیکھ لوں میں چاہتا ہوں کہ تو جتنی مٹی چاہے کھائے۔ تاکہ گڑ ترازو میں زیادہ نہ چڑھے۔ جس طرح گلی خور نے حماقت سے نہ بھانا۔ کہ مٹی کھانے میں اس کا نقصان ہے۔

اسی طرح دنیاوی لذتوں میں پڑا ہوا شخص نہیں سمجھتا کہ وہ اپنا نقصان کر رہا ہے مولانا فرماتے ہیں

مرغ ازاں دانہ نظر خوش می کند	دانہ ہم از دور را ہش می زند
گر زنائے چشم خطے می بری	نے کباب از پہوئے خود می خوری
اب نظر از دور چوں تیر است و دم	عشق اقزوں می شود صبر تو کم
نالی دنیا دام مرغان ضعیف	مال عقی دایم مرغان شریف

یعنی

نعمتیں دنیا کی جن میں ہیں مرے تو نہیں کھاتا وہ کھاتی ہیں تجھے

نقاش اور صفائی کا مفتابلہ

ایک دفعہ چینویں اور رومیوں میں بحث ہوئی کہ دونوں میں کون بڑھ کر دستکار ہے چینویں کا دعویٰ تھا۔ کہ ہم جو دو قلم ہیں۔ کوئی نقاشی میں ہمارا نظیر نہیں۔ رومی کہتے تھے ہاتھ کی صفائی میں کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا۔ کہ مقابل میں دو دیواریں امتحان کے لئے دی جائیں۔ دونوں کے بیچ میں پردہ پڑا رہے۔ ایک دیوار پر

جینی اپنی صدائی کے پھول کھلائیں۔ اور دوسری پردہ می اپنے جوہر چمکائیں چینیوں نے رنگ و روغن سے دیوار کو گلزار بنایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دیوار نہیں باغ کا تختہ ہے جس میں رنگ برنگ کے پھول کھلے ہیں۔

رومیوں نے رنگ و روغن استعمال نہ کیا صرف دیوار کو میل کچیل اور رنگ سے صاف کر کے آئینہ بنایا۔ درمیان سے پردہ ہوا اٹھا۔ تو دونوں دیواریں یکساں گلزار نظر آتی تھیں چینیوں کی پر نقش و نگار دیوار کا عکس رومیوں کی مصفا دیوار پر چوڑا۔ نو اس میں بھی وہی پھول نظر آنے لگے۔ جن سے وہ دیوار آراستہ تھی۔ رومیوں کے کام کی صفائی دیکھ کر چینی بھی شش کر اٹھے مولانا فرماتے ہیں کہ رومی صوفی ہیں جو دل کے آئینہ کو رنگ بغض و کینہ سے صاف کر کے اسے ذکر حق سے جلا دیتے ہیں۔ پھر اس میں انوار الہی کے سدا بہار پھول عکس ڈال کر اسے رشک صد گلزار بنا دیتے ہیں۔

رومیاں اُن صوفیاں اندازے سپر نے زنگارِ کتاب و نئے ہنر
لیک صیقل کردہ اندازِ سینہ را پاک ز آلودہ حص و بخل و کینہ ہا
صدیاں دارند و محو مطلق اند پر نشاں بل عین دیدارِ حق اند
اُن صفائے آئینہ وصفِ دل است صورتِ بے منتہا را قابلِ است

چور کی نقب زنی اور گرواے کی غفلت

ایک بیمار شخص کو بیماری کے سبب نیند نہ آتی تھی۔ اسی رات اس نے اپنے مکان کی چھت پر سے نیچے جھانک کر دیکھا کہ ایک چور اس کی دیوار میں نقب لگا رہا ہے۔ یہ بے وقوف نہ سمجھا۔ کہ یہ شخص میرا دشمن ہے۔ اس نے اٹھا اسے بعد سلام کہا۔ حضرت! خوش آئید۔ آپ بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ جو خاک پر نگے بیٹھے ادھی سے زیادہ رات بیدار ہی میں گزار دی ہے۔ گرنی۔ سردی کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہاں مجھے صرف اتنا بتادیں کہ یہ کھٹ کھٹ آواز کیا آرہی ہے۔ چور تازگیہ کہ یہ شخص احمق ہے۔ بولا۔ میں ڈھول بجا رہا ہوں۔ بیمار نے کیا۔ یہ کیا بات ہے کہ ڈھول کی آواز نہیں آتی چور نے ہنس کر جواب دیا۔ میرا یہ ڈھول نرالی تم کا ہے۔ یہ رات کو بجتا ہے اور صبح کو آواز دیتا ہے میں جب یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تو تم سویرے اس کی دھوون دھوون سنو گے بے وقوف

مرکان والا یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اور چوراہا کام کر کے چلتا بنا۔
صبح ہوئی تو پتہ لگا کہ بیمار کے گھر سینہ دکھی۔ اور اس کا تمام مال لٹ گیا ہے اب
لگا قسمت کو روکنے کے لیے چڑیاں کھیت چگ گئیں تو رونے سے کیا حاصل تھا۔
شیطان چونکہ طرح انسان کی نقب زنی کر رہا اور باؤز دل کہہ رہا ہے کہ میں تیری بیوی
مکھوڑ پھینکوں گا۔ مگر اس کے ڈھول کی آواز اسے سنائی نہیں دیتی اور وہ بیمار صاحب خانہ
کی طرح غافل پڑا ہے۔ قیامت کی صبح اسے اپنی خانہ بربادی کا علم ہو گا۔ پھر بچتا ہے گا۔
مگر بچتا نہ کسی کام نہ اُسے گا۔ پھر بچتا ہے کیا ہو دت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

اپنی ماں کو مارنے والا جوان

ایک نوجوان کی ماں کو بدکاری کی ہمت لگی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ گھر اگر ماں کو
پیلے نوب طرح مکوں سے بیٹھا۔ اور پھر خنجر سے ہلاک کر دیا۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر کہا اے
فلان! تو بڑا بدگوہر ہے۔ تو نے ماں کے تمام حقوق بالائے طاق رکھ دیے۔ اور اس کے
سب احسان بھول گیا۔

اس غیرت مند مرد نے جواب دیا۔ اس نے ایک ایسا کام کیا۔ جو اس کے لئے باعث
ننگ و عار تھا۔ میں نے اسے مار کر اسے بدنامی و شرمندگی سے بچا لیا۔ اب قبر نے
اس کی پردہ پوشی کر لی ہے۔

اس معترض نے کہا۔ اس سے تو یہ بہتر تھا کہ تو اس شخص کو قتل کر ڈالتا جسکی وجہ سے
تیری ماں متہم ہوئی۔ اس نے جواب دیا۔ کیا تیری مرضی ہے کہ میں اسے لئے ہر روز
ایک آدمی قتل کرتا۔ آج وہ ایک سے متہم ہوئی۔ میں اسے مارتا۔ کل کی اور سے ہوتی پھر
اسکی جان لیتا۔ مجھے ایسی لمبی مصیبت میں پڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے فساد کی جڑ
کاٹ دی۔ اور منافقت کی خونریزی سے چھوٹ گیا۔

مولانا یہ حکایت بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اے غافل! تیرا نفس اس جوان کی
بدکاری کی طرح ہے۔ اسی کا ہر طرف فساد ہے۔ اسی کے واسطے تو نے قتل و غارت
کا سلسلہ قائم اور دنیا کو اپنا حریف بنا رکھا ہے۔ اسی کی خاطر تو خلقت اور حق سے
جنگ کر رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تو اسی نفس کو مارا اور جھگڑا مٹا دے

نفس تست اس مادر بدناصیت کہ فساد اوست در ہرناصیت
پس بگش اور کہ بہر آں دنی ہر دے قصد غریبے می کنی
ازوے ایں دنیاے خوش بخت تگ از پے اوبالقی و باخلق جنگ

افلاس کو چھپانے والا امیر

ایک پوتروں کا علم اور حیا والا روشن ضمیر امیر مفلس ہو گیا۔ اسی جہل گئی لیکن بن گیا۔
اس نے اپنی ظاہری امیرانہ شان قائم رکھی۔ ایک پرانا کپڑوں کا جوڑا تھا وہی شام کو پہن
کر دیوان خانہ میں آ بیٹھا۔ سر پر وہی کلاہ گوشہ شکن اور شیر دانی زیب تن رکھتا۔ ایک عطر کا
پھو با بھی اس کے کان میں ضرور ہوتا۔ فاقوں پر فاقے آتے مگر کیا مجال کہ پڑوسی کو بھی خبر
ہو۔ اس کا ایک دوست دنبہ کی چکی کاٹ کر دے گیا تھا۔ یہ اس سے ہر روز ہونٹ چکنے
کر کے مچھوں کو ناؤ دیتا ہوا باہر نکلتا تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ پلاؤ کھا کر آیا ہے اس
کے دوست سب صاحب مقذور اور مشہور دوست پرور تھے۔ وہ اشارہ کرنا تو بہ اس کی
سب ضرورتیں پوری کر دیتے مگر اس نے ظاہر داری نہ چھوڑی۔

ایک دن بدقسمت کا مارا امیر دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ کدھر سے لڑکا بھگتا ہوا آیا
اور بولا کہ بابا! آپ جس چیز سے اپنے ہونٹوں کو ترک کیا۔ اور مچھوں کو ناؤ دیا کرتے تھے۔
اس کو بتائی اٹھا کر لے گئی۔ آبا جان! وہ چکی کا ٹکڑا بتی کے کس کام آئیگا؟ یہ سن کر وہ بڑا
شرمندہ ہوا۔ اور آمیں بائیں کر کے ٹالنے لگا۔

دوستوں نے کہا۔ اب چھپانے سے کیا فائدہ؟ بتاؤ حال کیا ہے بولا اب تو بار بار
عجز کھل گیا۔ میرے پٹے تو ایک درم بھی نہیں۔ دوستوں نے وہیں بیٹھے چنہ کیا اور
اسے اپنے برابر کر دیا۔

ہو انسان ظاہر و باطن ایک نہ رکھے۔ وہ آخر کار نادوم ہوتا ہے۔ بھوٹی شیخی اور
ریا کاری۔ چکنے منہ اور خالی پیٹ کا بھانڈا آخر مچھوٹ جاتا ہے۔

کنیر شاہ اور خواجہ زرگر

ایک بادشاہ اپنے خواص کے ساتھ شکار کھیلنے نکلا۔ راہ میں ایک بڑی خوب صورت

کنیز سے اس کی آنکھیں دوچار ہوئیں۔ بادشاہ اس پر سوجان سے عاشق ہو گیا۔ اور بہت سا روپیہ دے کر اسے خرید لیا۔ چند روز کے بعد یہ بادشاہ کے دل کی مالک لونڈی بیمار ہو گئی۔ بادشاہ پر وہی مثل صادق آئی کہ گدھا پائس تھا۔ تو پالان نہ تھا۔ پالان ملا۔ تو گدھے کو بھیڑ پائے گیا۔ کوزہ تھا تو پانی نہ تھا۔ پانی ملا تو کوزہ ٹوٹ گیا۔

ہر طرف سے طبیب علاج کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ اور لگے دعوے کرنے کہ ہم مسیح زمان ہیں۔ ہمارے پاس ہر دھندہ درد کی تیز بہت دوا ہے۔ ان نالائقوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔ اسی وجہ سے ان کا علاج کارگر نہ ہوا۔ مرض بڑھتا گیا۔ جوں جوں دوا کی ایک والا مضمون ہو گیا ہے

از قضا سر کنگہیں صفر اقرود روغن بادام خشکی می نمود
از ہلیدہ قبض شد اطلاق رفت آب آتش را بدوشد بچو نفست
سنگین سے گرمی بڑھ گئی۔ روغن بادام خشکی کرنے لگا۔ ہلیدہ قابض بن گیا۔ پانی نے تیل کی طرح آگ بھڑکانے میں مدد دی

بادشاہ نے جب طبیبوں کا عجز ملاحظہ کیا۔ تو اسے رجوع الی اللہ سے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ وہ فوراً ننگے پاؤں مسجد کی طرف بھاگا۔ اور جاتے ہی سجدہ میں گر گیا اور گڑ گڑا کہ کنیز کی صحت کے لئے دعا مانگوں گا۔ کہ یا اللہ! میں اپنے دردِ دل کا حال کیا بیان کروں۔ تو دلوں کے بھید جانتا ہے میں نے طبیبوں پر بھروسہ کرنے میں خطا کی میرا قصور معاف کر دے اور میری محبوبہ کو شفا عطا فرما

چوں برآورد از میانِ جاں خروش اندر آمد بجز بخشش بجوش
اللہ کی رحمت کا دریا جوش میں آگیا۔ اور بادشاہ کو اسی وقت نیند آگئی۔ خواب میں اسے ایک بزرگ دکھائی دئے۔ جنہوں نے اسے بشارت دی۔ کہ کل جو صافریزے پاس آئے گا۔ اس کے علاج سے کنیز کو شفا ہوگی۔

بادشاہ بڑی بے تابی سے نوادر کی راہ دیکھنے لگا۔ دیکھا کہ ایک بزرگ صورت شخص دور سے ہمال کی طرح ظاہر ہوا۔ جوں جوں نزدیک آتا گیا آفتاب کی طرح اس کی روشنی پھیلتی گئی۔ بادشاہ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور کہا ہے
اے مرا تو مصطفیٰ امن چوں عمر از برائے خدمت بندم کمر

ترجمانی ہرچہ مارا در دل است دستگیری سر کہ پائش در گل مست
الغرض کلام و طعام سے فارغ ہو کر بادشاہ اس بزرگ کو محل کے اندر لے گیا اور بیمار
کی حالت بیان کی۔ اس نے چہرہ کی رنگت، نبض اور قد وہ دیکھا بیماری کی علامات
اور اسباب کے متعلق استفسار کیا۔ اور سب کچھ دیکھ سن کر دل میں کہا کہ جو علاج ہوتا
ہے۔ غلط۔ جو دوائی دی جاتی رہی ہے الٹ۔ اسے صفرا و سودا کے غلبہ کی وجہ سے مرض
لاحق نہیں ہے۔ بلکہ یہ مریضہ معشوق ہے۔

عاشقی پیدا است از زاری دل نیست بیماری جو بیماری دل
یہ معلوم کر کے اس نے کہا۔ اے بادشاہ! میں بیمار سے تخیل میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں
میں چاہتا ہوں۔ کہ نہ تم پاس رہو نہ کوئی اور تاکہ میری اور مریضہ کی گفتگو کوئی نہ سنے۔
چنانچہ جب تخیل ہو گیا۔ تو اس طبیب نے پوچھا۔ اے شاہ بیگم! مجھے یہ نوتاؤ کہ آپ
کس شہر کے رہنے والی ہیں۔ یہ میں اس لئے پوچھتا ہوں۔ کہ ہر شہر کا طریق علاج مختلف ہوتا
ہے اور اس شہر میں آپ کا کون کونسا قرابتی خویش اور رشتہ دار ہے آپ اس شہر سے کس طرح
بہرہ ہوئیں۔ اور بادشاہ کے پاس کس طرح پہنچیں۔ یہ کہہ کر مریضہ کی نبض پر طبیب نے ہاتھ
رکھ دیا۔ تاکہ اس کے دل کی کیفیت معلوم کرے۔ کسی کاپوؤں میں کانٹا پیچھا تاکہ تو
اس کے نکالنے کیلئے کتنی کاوش کرنی پڑتی ہے۔ پاؤں پر زانو پر رکھ کر سوئی کے سر سے
کانٹے کا سر معلوم کرتے ہیں۔ جب نہ ملے تو اسے لب سے تر کرتے ہیں۔ جب پاؤں کا
کانٹا ایسا دشوار یاب ہے تو دل کا کانٹا معلوم کرنا کیوں نہ مشکل ہو۔ ایک نے گدھے کی
دم کے نیچے کانٹا رکھ دیا۔ گدھا اسے نکالنے کے ادھر ادھر دو لٹیاں جھاڑنے اور
ترپنے لگا۔ اسل سے کانٹا اور گہرا پیوست ہو گیا۔ آخر ایک دانا آدمی نے گدھے کی
پے پر قرامی دیکھ کر معلوم کر لیا۔ کہ اس کے زیر دم کانٹا چھپا ہے۔ وہ بڑھا اور دم خڑکے
بیچے سے نار بدر کر دیا۔ جس سے گدھے کے درد و کرب میں افاقہ ہوا۔ اسی طرح اس
طبیب نے کینیز شاہ کا خمار دل دریافت کر لیا۔

کینیز نے اپنی سرگذشت بیان کرنا شروع کر دی۔ کہ میں فلاں شہر کی رہنے والی ہوں
وہاں فلاں فلاں خواجگان اور خواجہ تاش ہیں۔ میری فلاں فلاں سہیلیاں اور رشتہ دار
ہیں۔ طبیب نے اس کا رنگ بدلا۔ نہ نبض میں تغیر واقع ہوا ہے اسی طرح وہ ہر شہر اور گھر کا ذکر

کرتی رہی۔ جہاں جہاں اس کی بود و باش رہی۔ مگر نہ اس کی نبض میں غیر معمولی جنبش پیدا ہوئی۔ نہ اس کا رخ زرد ہوا۔

جب کنیز نے بیان کیا کہ میں پھر سمرقند میں آئی۔ سمرقند کا نام لیتے ہی اس کے دل سے آہ نکلی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور رو کر کہنے لگی۔ مجھے وہاں خواجہ زنگرنے خرید لیا۔ اس کے پاس میں پھر مہینے رہی تھی۔ کہ اس نے مجھے دوسرے کے پاس فروخت کر دیا۔ اس بیان سے اس کی نبض دل کی تڑپ کا پتہ دینے اور منہ کی زردی زرد و فراق کا اظہار کرنے لگی۔

حکیم نے رنجور کی بیماری تشخیص کر لی۔ اور کہا مجھے آپ کے مرض کا علم ہو گیا ہے اب اطمینان رکھئے۔ جلد تندرست ہو جائیں گی۔ حکیم نے باتوں سی باتوں میں خواجہ زنگر کے محلے اور مکان کا پتہ بھی پوچھ لیا۔ اور کہا کہ یہ سال بادشاہ سے بھی نہ کہنا۔ بھیب بھیبانے سے مراد جلد حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ امرا ت نہاں در دل شود اُس مراد زود تر حاصل شود
گفت پیغمبر مر اُن کو سر نہفت زود گردو با مراد خویش جفت
داز چوں اندر زمین پنہاں شود بعد ازاں سر سبز بستان شود
ز زلف و فقرہ گردن دندے پنہاں پرورش کے یافتہ سے زیر کاں
دیکھو دامن زمین کے اندر چھپتا ہے۔ تو باغ کو سر سبز کرتا ہے چاندی سونا چھپکری کاں میں پرورش پاتے ہیں۔

اے شاہ حکیم! میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ آپ کی مراد پوری ہوگی۔ اس نے وعدہ بیمار کو خوف سے ایمان کر دیا ہے۔

وعدہ اہل کرم گنج رواں وعدہ نا اہل شد۔ رنج دواں
وعدہ را باید وفا کردن تمام درخواہی کرد۔ باشی سر و خام
الغرض طبیب کنیز کے پاس سے آگے مگر بادشاہ کے پاس آیا۔ اور بتایا کہ میں نے معلوم کر لیا ہے۔ فلاں زرگر کو سمرقند سے روپیہ کالا لچ دے کر بلاو وہ ایک گانو کنیز محتیاں ہوگی۔
زرخرو را والد و رشید اکنت خاصہ مفلس را کہ خوش روا کند
زر اگر چہ عقل نمی آرد و دیک مرد عاقل باید او۔ انیک نیک

بادشاہ نے اپنے دو خاص دانا مصاحب سمر قذیحیجے۔ جو اس سارے سہ اور اس کو اطلاع دی۔ کہ بادشاہ تمہاری بہن مندی کا شہرہ نگر بڑا خوش ہوا ہے۔ اس نے تمہارے لئے بیش قیمت خلعت اور سیم و زر بھیجا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ تم اس کے پاس آؤ اور اس کے خاص مصاحبوں میں شامل ہو جاؤ۔

بادشاہ کی یہ عنایت دیکھ کر زرگر بڑا خوش ہوا۔ اور اسی وقت اپنا وطن اور زن و فرزند چھوڑ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہو چکا جب بادشاہ کے پاس پہنچا تو بادشاہ نے اٹھ کر اس کی تعظیم کی۔ اور سونے کا خیر انداز اس کے حوالے کر دیا اور کہا بھگیدی سے ہمارے پاس رہو۔ اور بادشاہوں کے لائق سونے کے زیورات اور برتن تیار کرو چنانچہ وہ بڑی خوشی سے اپنے کام میں لگ گیا۔

بادشاہ نے اس کے کام پر بڑا اظہار خوشنودی کیا۔ اور کہا۔ کہ میں اس کے صلہ میں تمہیں اپنی خاص کینزک عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ وہی کینز جو اس زرگر کے فراق میں سوکھ کر کانتا ہو گئی تھی۔ اسے دے دی۔ جب کینز اپنے محبوب کے پاس پہنچی۔ اس کا دکھ درد سب جاتا رہا مدت شش ماہ فی راند نہ کام۔ تا بصحت آمد اس دختر تمام چھ مہینے میں وہ بالکل صحیح و سلامت ہو گئی۔

اس کے بعد اس طبیب نے اس زرگر کے لئے ایسا شربت تیار کیا جسے پی کر وہ کھل کھل کر رہ جائے۔ طویل بیماری کے سبب زرگر کا رنگ جاتا رہا۔ آنکھیں اندر کو ٹھس گئیں چہرے کی سرخی جاتی رہی۔ مردنی چھا گئی۔ یہ حالت دیکھ کر کینز کی محبت بھی رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔

عشق تپتا ہے کز پے رنگے بود عشق بود عاقبت نگے بود
چنانچہ جب زرگر نے جان دی۔ کینز کا دل اس کے عشق سے خالی ہو چکا تھا۔
زانکہ عشق مردگاں پایندہ نیست زانکہ مردہ سوئے ما پایندہ نیست
عشق زندہ در رواں و در بصر ہر دمے باشد ز خنجر تازہ تر
اس ترکیب سے طبیب نے کینز کے مرض عشق کا علاج کیا اور اسے تندرست کر کے بادشاہ کے دل کو مسرور اور آنکھوں کو پر نور بنا دیا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ظاہری صورت کا عشق آخر کار بدنامی اور بے عزتی کا موجب

اور معشوق کا رنگ و روغن اسکی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔

دشمن طاؤس آند پیر او اے لہا شہ را بکشتہ فر او
مور کے لئے اس کے خوبصورت پر ہلاکت آفرین ہیں۔ آہوئے تن کو شکاری مشک
حاصل کرنے کے لئے مارتے ہیں۔ نوٹھی کو پوتین کے لئے ہلاک کیا جاتا ہے۔ ہاتھی کا
خون ہاتھی دانت کے لئے گراتے ہیں۔ پس عشق اسی کا سر اور اور سود مند ہے جو زندہ
و پائندہ ہے۔ یعنی اللہ کا ہے

عشق اُس زندہ گزیر کو باقی است وز شراب جان فرایت ساقی است
عشق اُن بگزیر کہ جملہ انبیاء یافتند از عشق او کا رو کب
تو مگر مارا بدارا شہ باز نیست بر گریاں کار ہا دشوار نیست

ایک چمار عطر فروشوں کے بازار میں

ایک چمار عطاروں کے بازار میں سے گزرا۔ اس کا دماغ بدبو سے مانوس تھا خوشبو
نے اسے بیہوش کر دیا۔ اور حکیر اگر گریا۔ بوجھ اُدھر سے لوگ دوڑے آئے۔ ہر ایک
اس کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا۔ کوئی اس کے دل پر ہاتھ ملنے لگا۔ کوئی اس
کے ہاتھوں کی پھیلیوں اور پاؤں کی تلیوں کو سہلانے لگا۔ کوئی اس کا سر دبانے لگا
کسی نے بخور و عود سدا گرا سے سنگھانا اور کسی نے اس پر کلاب چھڑکنا اور لکھنے کرنا شروع
کر دیا۔ کوئی کہتا تھا۔ اس کے سانس کی طرف دیکھو۔ کوئی کہتا تھا۔ اس کا منہ سونگھو اس
نے شراب پی ہے یا بنگ نوشی کی ہے۔ ایک دوڑا دوڑا گیا۔ اور اس کے بھائی کو بلا لایا۔ بھائی
نے پوچھا۔ وہ کہاں بے ہوش پڑا ہے۔ جواب ملا عطر فروشوں کے بازار میں۔ بھائی سمجھ گیا
کہ بے ہوشی کی کیا وجہ ہے۔ وہ حقیر اساکتے کا گوہ استین میں چھپائے لایا۔ لوگوں سے کہا
اس کے پاس سے بہت تباؤ۔ مجھے اس کی بیماری کا پتہ ہے۔ جب مرض کی تشخیص ہو
جائے تو علاج آسان ہو جاتا ہے۔

چوں بدانتی سبب را سہل شد دانش اسباب دفع بھل شد
بھائی نے دل میں کہا۔ کہ اس کا دماغ رات دن بدبو سونگھنے کا خوگر ہے عطر کی خوشبو نے
اسے بے ہوش کر دیا ہے۔ قرآن شریف میں صاف مذکور ہے کہ خبیثات خبیثوں کے لئے

اور طیبات طیبوں کے لئے ہیں۔

مرغیناں راناز و طیبات !
چوں ز عطر و جی کثر گشتند و نم
بدفعان شان تطیوناً بکمر
گوبیا غازید نصیحے آشکار
ما بلبو و لعب فربگشتہ ایم
در نصیحت خویش را سرشته ایم
ہیں کہ دباغ و فتادہ بے خود است

کافروں کو دھوکا عطرنا خوشگوار معلوم ہوا۔ اور انہوں نے پیغمبر سے کہا کہ تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ یہ لوگ لہو و لعب میں پلے تھے۔ نیکی کی نصیحت ان کو بری معلوم ہوتی تھی اسی طرح چار نے بد بو میں نشو و نما پائی تھی۔ جب وہ عطر و خوشوں کے پر خوشبو بازار میں سے گزرا بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

دباغ و چرنگ کا بھائی خلقت کو پاس سے بٹا کر بے ہوش کر فریب پہنچا اور ایمانہ اس کے کان سے لگا دیا۔ گویا کہ وہ کچھ افسون پھونک رہا ہے۔ مگر دراصل وہ گمراہ سنگ جو اس نے اپنی ہتھیلی میں مل لیا تھا۔ اسے سنگھار یا عطا۔ جو نبی بدلو اس کے دماغ میں پہنچی وہ بلنے لگا۔ اور آخر ہوش میں آگیا۔ لوگوں نے اسے بھائی کی کرامت سمجھا کہ اس نے مردے کو جلا دیا۔

سرکار مشک نصیحت سودنیت
کرم کو زاد است از سرگین ابد
جز بدیں بوئے بدش بہبودنیت
نی نگر داند بعینہ بوئے خود
جن اشخاص کو نصیحت کی خوشبو نا خوشگوار معلوم ہوتی ہے وہ اس کیڑے کی طرح ہیں۔ جس نے گندگی میں پرورش پائی ہو۔

ایک صوفی اور اس کا گدھا

خربرفت و خربرفت و خربرفت

ایک صوفی صاحب سواری کے لئے گدھا لئے سفر کو نکلے۔ شہر میں پہنچے۔ اور صوفیوں کی ایک خانقاہ میں ڈیرا جمادیا۔ گدھے کی خوب طرح مائش کی اور اسے دانہ چارہ کھلا کر خانقاہ سے پاسبان سے کہا۔ کہ اہلی نگہبانی کرنی۔ اس نے کہا۔ میرا کام ہی اور کیا ہے

غم روزی سے لاغر ہونی والی گائے

ایک سرسبز جزیرے میں ایک گائے ہے اس کا معمول ہے کہ وہ صبح سے لیکر شام تک گھاس چرتی رہتی ہے۔ اور خوب موٹی تازی ہو جاتی ہے تمام گھاس شام تک ختم ہو جاتا ہے وہ رات بھر مفکر رہتی ہے۔ کہ میں صبح کو کیا کھاؤں گی۔ اسی غم میں وہ صبح تک سوکھ کر کاٹا ہو جاتی ہے۔ سویرے اٹھ کر کھچرنگل کو سرسبز پر گیاہ پاتی ہے۔ وہ پھر جوع البقر کی مرصعہ بڑی حرص سے چارہ کاٹ کر پیٹ میں ڈالتی جاتی ہے تا آنکہ سورج ڈوبنے تک تمام غزار چرجاتی ہے پھر اسے وہی غم روزی فردا لاحق ہو جاتا ہے۔ جو صبح تک اسے کھلا کھلا کر بال کی طرح دبلا پتلا کر دیتا ہے۔ اسی حالت میں اسے کئی سال گزر گئے وہ بالکل نہیں سوچتی کہ کسی دن میں بھوک کی نہیں رہی۔ ہر صبح مجھے کھانے کو چارہ مل جاتا ہے میں روزی کا تم کیوں کروں مگر وہ بیوقوف پھر رات کو فکر سے لاغر ہو جاتی ہے۔

کچھ سمجھے کہ اس قصہ گائے کی تان کہاں ٹوٹتی ہے۔ اؤ سنو! مولانا فرماتے ہیں یہ نفس امارت کا دانت اُن دشت میں جہاں کہہ ہی لاغر شود از خوف ناں گائے سے مراد اُن کا نفس ہے۔ اور غنجل سے مدعا یہ دنیا نفس روٹی کی فکر میں گھلا جاتا ہے۔ کہ میں کل کیا کھاؤں گا۔ اور نہیں دیکھتا۔ کہ وہ رزق کھا کھا کر اتنا بڑا ہوا ہے نہ اس کے کھانے سے رزق کم ہوا ہے نہ ہو گا۔ اسے زمانہ ماضی پر دھیان کرنا چاہیے۔ اور مستقبل کو خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔ کہ جس نے اپنا تک دیا ہے آئندہ بھی دے گا۔

سہا خور دی و غم نامد ز خور ترک مستقبل کن و ماضی نکر

ایک بہرہ اور ہمسایہ کی عیادت

ایک بہرے کا ہمسایہ بیمار ہو گیا۔ کسی نے کہا بھائی! تم نے سنا نہیں کہ تمہارا ہمسایہ بیمار ہے۔ جاؤ اس کی بیماری پر پیسی کر آؤ۔ کیونکہ بیمار کی عیادت کو جانا سنت نبوی ہے اس سماعت سے بے بہرہ شخص نے دل میں کہا۔ میں سن تو سکتا نہیں بیمار کی پاستا کیا سمجھوں گا ہمسایہ مدت کا بیمار ہے۔ اس کی آواز بھی کمزور پڑ گئی ہوگی۔ تیرے جانا ضرور چاہیے جب اس کے سبب میں میں سمجھ نہ سکا۔ اُن نے میرے ساتھ گفتگو شروع کر دی۔ میں پوچھوں گا۔

کیا ضرر ہے بڑھ کچھ اچھا ہوں۔ میں کہوں گا۔ الحمد للہ۔ پھر میں دریافت کروں گا۔ کہ کوئی
دوا اور غذا کھاتے ہو۔ وہ بتائیگا فلاں شربت۔ فلاں آتش استعمال کرتا ہوں۔ میں
کہوں گا۔ یہ بہت اچھی چیزیں ہیں پھر میں پوچھوں گا۔ کونسا طبیب علاج کرتا ہے۔ وہ
کی کا نام لیتا ہی۔ میں کہوں گا۔ وہ بڑا مبارک قدم ہے۔ جہاں جاتا ہے کام ٹھیک
ہو جاتا ہے۔ میں نے بھی اسے آزمایا ہے۔ اس کے دم قدم میں برکت ہے۔

یہ سوالات اور جوابات ذہن میں بچتے کر کے بہرہ بیمار کے پاس گیا۔ اور اس کے
پاس بیٹھ کر اس کی سر پر ہاتھ پھرنے لگا۔ بیمار کو یہ ناگوار معلوم ہوا۔ اس کی پیچھے بھی
اس سے کچھ موافقت نہ تھی۔ مریض کے ہونٹ جو بے توبہ نے جھٹ سلسلہ گفتگو
شروع کر دیا اور پوچھا کیا حال ہے۔ بیمار بولا م رہا ہوں۔ بڑے نے کہا۔ اللہ کا شکر اور
اسان ہے۔ یعنی یہ علامہ شکر بڑا ملوں ہوا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ واقعی میرا دشمن ہے پھر حال
ہوا دوا اور غذا کیا ہے۔ بیمار بھنجھکا کر بولا۔ زہر۔ بہرے نے کہا یہ بڑی خوشگوار چیز ہے یہی
کھانے۔ یہ خدا مبارک کرے۔ اس۔ مریض اور بھی بگڑا۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ یہ
شخص میرا بانی دشمن ہے تیسرا سوال بہرے نے معالج سے متعلق کیا۔ بیمار نے کہا۔ غزرائیل
(ملائکوت) کے زیر علاج ہوں۔ بہرہ بولا۔ کہ وہ بڑا ہی اچھا طبیب ہے جہاں اس کا قدم
جاتا ہے مصیبت کٹ جاتی ہے۔ تمہیں خوش ہونا چاہئے۔ کہ اب اچھا معالج لا ہے میں
ابھی اس کے پاس تمہاری شفا کر کے آیا ہوں۔ کہ وہ علاج اچھی طرح کرے۔

یہ کہیں ختم کر کے بہرہ وہاں سے رخصت ہوا۔ وہ دل میں بڑا خوش تھا۔ کہ بیمار پر خوشی
طرح کر آیا۔ مگر اپنی دگر اس گوشہ نقالت سمع۔ بہرہ بن، اکی وجہ سے اسے دوسرے کی
نکوائی کا پتہ نہ لگا۔ اس کا ہر کلمہ مریض کے لئے سوان جہان تھا۔ مگر اس نے اسے خوشگوار قیاس کیا۔
مولانا فرماتے ہیں کہ جو لوگ دنیاوی اغراض کیلئے عبادت کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے
نیکی کی ہے وہ اس بہرے طرح ہیں جس نے اپنے دل میں سمجھ لیا کہ میں نے بیمار کی
خیر خواہی کی۔ مگر فی الحقیقت اس نے ربور کو اپنا دشمن بنالیا ہے

بس کہاں کا ایشاں عبادت تھا کند
تا برضوان و ثواب آں رسد
خود حقیقت معصیت باشد خفی
بس کدر کا نرا تو پنداری صفی
پچواں کر کہ یہی پنداشت است
کہ نکوئی کرد و آپ خود بد بدست

اونٹنستہ خوشی کہ خدمت کردہ ام
بر خود او آتش افروخت است
حق بمسایہ بجا اور وہ ام
درد دل رنجور خود را سوخت است

غلے والا کنوار اور علم والا نادار

ایک اعرابی اونٹ پر کچھ لادے جبار لائقہ کہ اسے ایک مفلس عالم صاحب راہ میں ملے
اور بعد سلام و مننون اور دریافت حال وطن یوں گویا ہوئے۔
عالم صاحب کہو بھائی۔ اعرابی بابر دو جوال (گول) میں کیا بھر رکھا ہے؟
اعرابی حضرت! ایک گول میں ریت ہے۔ دوسری میں گندم۔
عالم صاحب۔ ریل دریک اس لئے ڈالی ہے۔
اعرابی۔ وزن پورا کرنے کے لئے۔

عالم صاحبائی! تم نے ناحق اونٹ کو بوجھ سے مار دیا۔ ریت والی گول خالی کر دو۔ اور
دوسری طرف سے نصف گندم نکال کر اس میں ڈال دو۔ وزن برابر ہو جائیگا۔
اعرابی۔ اے دانانازی! اشتباہش۔ تم نے خوب عقل کی بات بتائی! افسوس۔ تم ہمیشہ رقیقہ
رس حکیم سرور پارہ پیادہ پائی کی رحمت اٹھا کے داعرابی کے دل میں رحم آیا کہ اسے اونٹ
پر بٹھالینا چاہیے۔ مگر اس ارادہ کو پورا کرنے سے پیشتر اس نے کچھ اور محاللات دریافت کرنا
ضروری سمجھا۔ چنانچہ وہ بولا، جتنے عقلمند تم ہو اس سے مجھے گمان ہے کہ تم اول تو بادشاہ
وزیر و وزیر تو ضرور ہو گے۔

عالم صاحب۔ میں نہ بادشاہ ہوں نہ وزیر۔ بلکہ ایک معمولی آدمی ہوں کیا تم میرا حال
اور کپڑے نہیں دیکھتے؟

اعرابی۔ تمہارے پاس نشی گامیں اور کتنے اونٹ ہیں؟
عالم صاحب۔ نہ اونٹ ہیں نہ گامیں۔

اعرابی۔ پھر تم دوکاندار ہو گے۔ کہو دوکان میں کس قسم کا مال ہے۔

عالم صاحب۔ نہ میری دوکان ہے نہ مکان مجھے کوئی کام نہیں ملتا اس لئے
روٹی کپڑے کا محتاج ہوں۔

اعرابی۔ تمہارے پاس نقد روپیہ تو ضرور ہو گا۔ اس وقت پاس نہ ہو مگر گھر تو دکھائی ہو گا۔

تم اتنی بڑی عقل سے مالک ہو کہ تم جیسا کوئی اور شاید ہی ہو۔ پس تم نے یقیناً جو ہر عقل و دانش سے بہت سا مال جمع کیا ہوگا۔

مالم صاحب۔ اے بھائی اعرابی۔ یقیناً جہان کہ واللہ میرے پاس رات کھا نیو کھی کچھ نہیں۔ ننگے سر اور ننگے پاؤں جا رہا ہوں۔ تاکہ کہیں سے روٹی ملے۔ مجھے اس حکمت اور فضل و ہنر سے سوائے خیال اور دردِ سر کے اور کچھ حاصل نہیں۔

اعرابی۔ جب یہ حال ہے تو تم بڑے منحوس ہو۔ مجھ سے دور ہو جاؤ تاکہ تمہاری بدبختی کا سایہ مجھ پر نہ پڑے۔ تمہاری حکمت منحوس۔ تمہارا علم بھی منحوس۔ تم ادھر جاؤ میں ادھر رہتا ہوں۔ مگر تم کو اگے جانا ہے تو میں واپس پھل جاتا ہوں۔ مجھے اتنی عقل سنی کافی ہے کہ ایک کون گندم بھریوں۔ اور دوسری میں ریت۔ تم جیسی بھوکا مارنے والی بڑی عقل مجھے درکار نہیں۔ میں احمق ہوں۔ مجھے میری احمقی مبارک کہ اُسودگی سے تو گزارہ کرتا ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ شقاوت و بدبختی دور ہو تو گوشت کھش کرو کہ تمہاری دانائی کم ہو جائے۔ لو۔ السلام علیکم۔ الوداع۔

یہ لیکر اعرابی اونٹ دوڑا کر عالم سے اس طرح بھاگا کہ جس طرح دانا احمق سے گھر اگر دوڑتا ہے۔ یا رزاق تیزی سے نیازی کے قربان۔ نادانوں کو تو داناؤں سے پہلے روزی پہنچاتا ہے اگر عقل پر روزی کا دار و مدار ہوتا تو سب بے وقوف بھوکے مر جاتے۔ مگر تو سب کا یکساں روزی رساں ہے کیا خوب فرمایا ہے سعدی علیہ الرحمۃ نے یہ

اگر روزی بدانش بر خرد دے ز نادان تنگ تر روزی ز بودے
بنادان اک چنار روزی رساند کہ دانا اندراں حیراں بساند

انسان اور لہجہ کی دوستی

ایک بہت بڑا ارڈو لہجہ کو منہ میں لئے اپنے غار کی طرف بھاگا مبارکباد لہجہ کی پیچنیں لٹک رہی تھیں۔ مسلمان آدمی جب کئی کو ٹھیکہ فدی میں دیکھتا ہے تو وہ بے تاب ہو جاتا ہے۔ اور اسے رہائی دلا کر دم لیتا ہے۔ ایک مسلمان نے لہجہ کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر اسے چھڑانے کا غزم کر لیا۔ اور کسی تدبیر سے اسے ارڈو کے منہ سے غلصی ملا دی۔ لہجہ اس مسلمان کا بڑا احسان مند ہوا۔ اور دوں وجہان سے اس کا غلام بن گیا۔ کتے کی طرح اس

کے ساتھ لگا رہتا۔ اور اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے دیتا۔ جب یہ ٹھک کر سوجھاتا تو ریچھ
پہرہ دارین کو کھڑا رہتا۔

ایک شخص نے اسے ریچھ کے ساتھ رہتے دیکھ لیا اور پوچھا بھائی۔ تیرا اس سے
کیا رشتہ ہے۔ جواب ملا۔ کوئی رشتہ نہیں۔ میں نے اسے اژدہا کے منہ سے چھڑایا۔ یہ میرا
مطیع بن گیا۔ اس شخص نے کہا بھائی! ناجنس اور بے وقوف کی محبت اچھی نہیں
انسان و حیوان کا میل ملاپ نہایت نامناسب ہے۔ حیوان کا ساتھ چھوڑ کر انسانوں
میں بود باش رکھ۔ ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہو گا۔

دوستی زابلہ بتراز دشمنی است اوز ہر جلیلہ کہ دانی ندانی است
میں بیابان پر اسے خرس را خرس را گزیریں مہل نا جنس را
وہ سادہ لوح بولا۔ ناصحا! اپنی راہ لے۔ اور مجھے میرے مال پر چھوڑ دے تیری نیت
میں کچھ خلل معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہو را جواب سن کر وہ خیر خواہ لاکڑوں پر صفا ہوا نصحت ہو گیا
ایک دن وہ مسلمان جنگل میں سو رہا اور ریچھ پاس بیٹھا لکھیاں ہٹا رہا تھا۔ ایک ککھی
بڑبڑیلی تھی۔ وہ اسے اڑاتا مگر وہ اڑ کر پھر مسلمان کے منہ پر آ بیٹھتی۔ اس سے ریچھ
بڑا رنج اور وق ہو ا۔ اس نے اسے کچل ڈال کر مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ وہ اٹھا
اور ایک بڑا پتھر اٹھا لایا۔ پتھر ناک کر لکھی پر مارا۔ جو مسلمان کے منہ پر اس سختی سے پڑا کہ اس
کا سر پاش پاش ہو گیا۔ اور وہ اسی صدمہ سے مر گیا۔

نادان دوست دشمن سے بھی بُرا ہوتا ہے۔ جس کسی کے ہمنشین برے ہوں
وہ آخر تباہ ہو جاتا ہے۔

مہر آید مہر خرس آمد یقین کیس او مہر است مہر است کیس

راہ میں سویا ہوا شخص اور سپاہی

ایک سپاہی اپنے گھوڑے پر سوار ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص راستہ میں غافل
پڑا سو رہا ہے اور اس کا منہ کھلا ہے۔ ایک چھوٹا سا سانپ اپنے کسی دشمن کے خوف
سے دوڑتا ہوا آیا۔ اور اس سوئے ہوئے شخص کے منہ کو بل سمجھ کر اس میں گھس گیا۔
سوار نے یہ باجوہ دیکھا۔ تو اس نے سوچا کہ سانپ اس کے پیٹ سے کس طرح نکالنا چاہئے

فوراً سے تذبذب سوچی۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر اس نادان غافل کی گدی پر چند
 گنگے تان کر رکائے۔ وہ دبلا کر اٹھا۔ اور گمبرا کر بھاگا۔ پاس ہی چند سیب کے درخت تھے
 وہاں جا کر کھٹھ گیا۔ سوار بھی فوراً سر پر پہنچا۔ اور بولا۔ اے بیوقوف! اگر تو اپنی خیر چاہتا
 ہے تو جس قدر درختوں کے نیچے بوسیدہ سیب گرے پڑے ہیں۔ ان کو کھالے ورنہ
 میں ابھی تلوار سے تیرا کام تمام کر دوں گا۔ وہ کھانے لگا۔ جب کھا کر تھک گیا۔
 اور اس کے معدے میں گنجائش نہ رہی۔ تو سوار نے کہا اب میرے گھوڑے کے آگے
 آگے دوڑا پل۔ اگر کہیں دم لیا۔ تو میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا جب یہ دوڑتے دوڑتے
 تھک کر ذرا سستہ لگتا۔ تو سوار تڑا ق سے اس کے کوزا سید کرتا۔ وہ پھر بھاگتا
 آنکہ وہ نکان سے چور ہو گیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ ہوالدار صاحب! میں نہ چور ہوں نہ چور کا
 بھائی مجھے آپ کس جرم کے عوض عذاب دے رہے ہیں۔ سپاہی نے پھر دو تین ڈنڈے بڑھائے
 اور کہا نوک دم بھاگ۔ پیچا رہ پھر دوڑنے لگا۔ اس تیزی سے بھاگنے سے صفر اسیجاں میں
 اسے قے پرتے آنے لگی۔ آخری قے جو زور سے آئی تو سانپ بھی ساتھ ہی باہر نکل
 آیا۔ جب اس نے سانپ کو دیکھا تو اس کو سمجھ آئی کہ سپاہی نے کس غرض سے اسے
 مارا پٹیا۔ اور دوڑا یا بھاگایا ہے۔ اس نے سوار کا دل و جان سے شکر یہ ادا کیا اور
 کہا خدا تجھے جزائے خیر دے۔ کہ تو نے میری جان بچالی۔ تیری سختی چونکہ میرے فائدہ
 کے لئے تھی۔ اس لئے وہ عین نوازش اور مہربانی تھی۔

ماں باپ اور استاد جو لڑکے پر سختی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اس کیلئے مہربانی
 ہوتی ہے۔ مگر لڑکا اپنی نادانی کی وجہ سے اس سے برا مانتا ہے اور بھاگتا ہے۔ سعادتمند
 لڑکا وہی ہے۔ جو ان کا حکم فوراً مان لے اور تعمیل سے گریز نہ کرے۔
 دشمنی عداوت زبیاں بود ز ہر ایشاں را تہاج ہاں بود

”میں“ کہنے والے کی نامرادی

ایک عاشق در معشوق پر پہنچا اور دستک دے کر بولا۔ دروازہ کھولے۔ اندر
 سے آواز آئی۔ کون ہے؟ عاشق نے عرض کی۔ ”میں“ ہوں نا خریدہ غلام۔ باجی شہم گریاں
 وسینہ بریاں حاضر ہوا ہوں۔ کہ بار کی اجازت ملے۔

معشوق نے جواب دیا۔ میرے دوستوں میں کوئی "میں" نہیں۔ تیری میں سے ابھی
عزور کی ہوا آتی ہے۔ تو ابھی عشق میں پختہ نہیں ہوا۔ کچھ دنوں اور آتش بھر سے نہانی
کو دور کر۔ اور "میں" مٹا کر آ۔

عاشق نے سال بھر فراقِ یار میں حیران و سرگردان پھر کر پھر معشوق کا دروازہ کھٹکھٹایا۔
بانگِ زدیارش کر بردر کیت اک گفت بردر ہم توئی اے درتیاں
دور وں خانہ سے آواز آئی۔ ہمارے دروازہ پر کون ہے، جواب ملا۔ کوئی نہیں آپ ہی
ہیں معشوق یہ سنکر بہت خوش ہوا اور اسے اندر بلا لیا۔ اور بولا۔ معاف کرنا کہ میں اس
دو "میں" نہیں سما سکتے تھے۔ اب میں اور تو ایک ہو گئے تو اب نباہ ہو جائیگا۔
پچوں یکے باشد ہمہ بنود دوئی ہم معنی بر خیزد آنجا ہم توئی
نیت سوزن را سر رشته دوتا چونکہ یکتائی دریں سوزن در آ
یہ لوگ نام و نمود کے لئے کام شروع کرتے ہیں وہ فائز المرام نہیں ہو سکتے۔ کامیاب
وہی ہوتے ہیں جو خالص اللہ کام کرتے ہیں۔ خلوص دل سے جو کام ہوا اس میں
کامیابی بھی ہے اور نام بھی۔

ایک چور اور باغ کا مالی

ایک چور ایک باغ میں ٹھس گیا۔ ایک آدموں کے پیر پر چڑھ کر اس نے اسکی شکلوں
کو اس قدر چھڑھڑایا کہ تمام آدمی بچے اڑے۔ اتفاقاً باغبان بھی آگیا اور چور کو دیکھ کر
کہنے لگا۔ کچھ نڈا کا بھی خوف کرنا چاہئے۔ تجھے اتر کرنا۔ اور پھر سب کتاب کے لئے قیامت کے
دن اٹھنا ہے۔ خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ چور بولا۔ تم تو ان ہو۔ یہ باغ خدا ہے اور میں خدا کا
بندہ۔ وہ کھاتا ہے۔ تو میں کھاتا ہوں۔ اس کے حکم کے بغیر تو تپتی بھی نہیں بل سکتا تجھ
سے جہاں نہ کلام نہ کر معلوم ہوتا ہے۔ تجھ میں نری جمالت ہے۔ عقل نام کو بھی نہیں۔
باغبان نے سرگردل میں کہا۔ چور بڑا منطقی ہے۔ میں اسی کی منطق میں ایسا باصواب
جواب دوں گا کہ عمر بھر نہ بھوے گا۔

باغبان بولا حضرت! بچے آئیے۔ ہم پر کرم فرمائیے۔ آپ کی صحبت عنایت ہے
نرت کے بعد آپ جیسا بزرگ ملا ہے جس نے توحید کا نکتہ حل کر دیا ہے۔ پروردگار

تشریف لائیے۔ اور ہمیں راہ نجات دکھائیے۔ چور نیچے اتر آیا باغبان نے وہیں پکڑ لیا۔ اور سام کے درخت سے خوب مضبوط بانڈھ کر پلے تونگوں سے اس کی تواضع کی۔ جب تھک گیا تو لاٹھی لیکر اس کی خوب مرمت کی۔ جب مار نے چور کو ڈھکیلا کر دیا۔ تو لگا فریاد کرنے کہ اے ظالم! خدا سے ڈر میں نے تیرا کیا نقصان کیا ہے کہ بے گناہ کو یوں بے دردی سے پیٹ رہا ہے۔ باغبان نے ہنس کر جواب دیا۔ حضرت! اسی جلدی اپنا دعویٰ بھول گئے۔ کیا اس لاٹھی کو خدا نے نہیں پیدا کیا؟ کیا مار نے والا ہاتھ اور مار کھانے والا جسم خدا کا ہی پیدا کر دیا ہے۔ آپ کیوں ناحق گلہ کرتے ہیں۔ اس میں آپ کا کیا نقصان ہے۔ اس کے حکم کے بغیر تو پتہ بھی نہیں مل سکتا۔ یہ آپ کی فریاد بالابلانہ ہے۔ چور نے کہا۔ میں نے بکو اس کی۔ اچھا، ماری۔ مجھے اب چھوڑ دے آئندہ میں کبھی ایسی بات منہ سے نہ نکالوں گا۔ اور نہ کبھی چوری کا نام لوں گا۔

تو لوگ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر معاملہ اللہ، خدا ہی کی طرف سے ہے۔ وہ یہودہ بکتے ہیں اللہ تعالیٰ خیر ہے۔ شر اس کی پاک ذات سے دور ہے۔ انسان فعل مختار ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اپنی ذمہ داری پر کرتا ہے اور اس کا وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہوگا۔

تین چور اور ایک باغبان

ایک باغبان کو پتہ نہ چلتا تھا۔ کہ کون اس کے باغ میں چوری چھپے کھس کر چھل کھا رہا ہے۔ ایک دن اس نے چور پکڑ لئے۔ یہ تین نوجوان لڑکے تھے۔ ایک سید زادہ تھا۔ دوسرا قاضی کا بیٹا۔ اور تیسرا ایک صوفی بزرگ کا فرزند۔ باغبان نے سوچا کہ میں اکیلا ہوں۔ اور نہ میں ان سے کسی طرح پٹنوں۔ ایک کا دو سے لڑنا مشکل ہے اور دو کا تین سے اور یہاں تو ایک کا تین سے مقابلہ ہے۔ آج جلد سے کام لیں۔

باغبان ان کے قریب گیا اور کہا۔ صاحب زادو۔ سلام عرض ہے زبے نصیب۔ کہ آپ نے یہاں قدم نہ بخر فرمایا۔ میرے باغ کو تیرا برکت سے بھر دیا۔ صوفی صاحب آپ ذرا میرے گھر جائیں اور وہاں سے بوریائے آمیں تاکہ سب بیٹھ کر اطمینان سے چائے کھائیں اور چھوٹیوں سے گلہ تے بنائیں۔ اس کے چلے جانے کے بعد ان دو سے کہا۔ کہ آپ دونوں تو ہمارے سردار ہیں جو یہاں کھائیں مگر صوفی زادے کا مچہ پر کیا حتیٰ ہے کہ میرے باغ میں کھسکر

اسے ویران کرے۔ یہ سن کر دونوں خوش ہوئے کہ باغبان ہم پر مہربان ہے صوفی سے جو سلوک پنا ہے کرے ہمیں نہیں بولنا چاہیے۔

باغبان جھپٹ کر صوفی کے پاس پہنچا۔ اور اس کی خوب طرح کندی کی۔ اسکو پیٹتا اور پوچھتا تھا۔ کہ بتاؤ کس تصوف کی کتاب میں لکھا ہے کہ غیر کامل یوں بے دریغ اڑانا روا ہے۔ اس کو مار مار کر نیم مرده کر دیا۔ اور پھر سنتا ہوا ان دونوں کے پاس آیا۔ سید زادے سے کہا شاہ صاحب اذرا تکلیف کر کے میرے گھر جائیں۔ اور کھانا کھا لائیں۔ تاکہ بیمار بلجھکر سب کھا لیں۔ سید صاحب چلے گئے تو باغبان قاضی زادے صاحب کو کہنے لگا۔ مولوی صاحب آپ تو عالم عجیب انبیاء کے وارث۔ آپ کی تعظیم تو ہم پر فرض ہے مگر یہ سید زادہ خدا جانے کیا بد ہے۔ جو کوئی اٹھتا ہے۔ اپنے آپ کو نبی و علی کی اولاد میں سے ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر دیتا ہے۔ اور نہیں سوچتا۔ کہ اس کی ناقص عقل کہاں کہاں نہیں پھرتی رہی۔ فقیر زادے نے خیال کیا۔ کہ باغبان واقعی سچ کہتا ہے ہر ایک یوں ہی سید زادہ کہلاتے لگتا ہے۔ باغبان اس کو باغ میں چھوڑ کر سید زادے کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا اے گدھے تمہیں کس نے کہا تھا۔ کہ اس باغ میں اوسے

گفت اے خزانہ میں باعث کہ خواند زردی از پیغمبرت میراث ماند
شیر زانچہ بھی ناند باد تو بر پیغمبر چہ فی مانی بگو !
بتاؤ کیا تمہارے باپ دادا پور تھے یا تم کہو گے وہ پور نہ تھے۔ تو پھر جواب دو کہ تم نے پوری کاپیتہ کس سے ورثہ میں آیا۔ شیر کے بچے کے عادات و اطوار شیر کی طرح ہوتے ہیں بتاؤ تیری کوئی بات نبی و علی سے ملتی ہے کیا سید زادوں کو روا ہے کہ غیروں کا مال بے فکر و غم اڑا جائیں سید زادہ کیا جواب دینا۔ کاتو تو لہو نہیں بدن میں۔ باغبان نے پڑ کر اس کا خوب بھر کس نکالا۔ سید زادہ فقیر زادے کو سختی طلب ہو کر بولا کہ افسوس تو نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب تو بھی مار کھانے کو تیار ہو جا۔ تو اگر چوٹیں کھا کھا کر ڈھول کی فریاد نہ کرے۔ تو مجھے کہنا ہے

شد از وفارغ بیاد کالے فقیر
یوسفی اے تونگ بر سفیر
یوسفی ز داد ایں فتوے ترا شافی گفت است ای اے نامترا
یعنی باغبان اس سے فارغ ہو کر فقیر زادہ کے پاس آیا اور بولا۔ بتاؤ فقیر کی کوئی کتاب

میں لکھا ہے۔ کہ دوسرے کے باغ کا پھل بے اہانت کھانا بھانڑے، یہ کہا اور ایک
ڈنڈا رسید کیا پھر پوچھا کہ کتنے اور دیار سے جواب دو۔ کہ یہ لوٹ مار بھانڑے، وہ جواب کیا
دیتا خاک حبب باغبان اسے ڈنڈا رسید کرتا تو وہ کہتا۔ مارتیرا حق ہے۔ جو شخص اپنے
یاروں سے بے وفائی کرے۔ اور دشمن کے دھوکے میں الجھائے۔ اسی کی یہی سزا ہے مجھے
اگر اس سے سوگنا بھی سزا ملے تو کم ہے کیونکہ میں نے دوستوں کو چھوڑ کر دشمن کی بات کا اعتقاد
کیا۔ القصد باغبان نے اسے مارتے مارتے جھس کر دیا اور باغ سے باہر نکال دیا۔
ہرگز تنہا ماند از یاران خود ایں آید مرا و را جملہ بد

ایک بڑھیا اور سنار

ایک سنار سے پاس ایک بڑھیا آئی۔ اور کہا۔ بیٹیا مجھے ذرا اپنا کانٹا دو مجھے گھر لے جا
کر سونا تو لٹا ہے۔ سنار نے کہا۔ اماں! میرے پاس پھلنی نہیں۔ بڑھیا بولی۔ بیٹیا مجھے ترازو
درکار ہے۔ نہ کہ پھلنی۔ سنار بولا۔ مائی! جھارو میرے گھر بے دوکان پر نہیں۔ بڑیا جھلا
کر اچھاری۔ شیر رکھیں کار مجھ سے دل لگی کرتا ہے۔ کیا مجھے خدا کا خوف نہیں وہ اس
بات پر قادر ہے کہ تجھے مجھ جیسا کمزور کر دے اور تیری جوانی مجھے دے دے اگر تو بہرہ
ہے تو میں باواز بلند کہتی ہوں کہ مجھے کانٹا چاہیے کانٹا۔ پھلنی اور جھارو کی ضرورت
نہیں۔ سنار نے کہا۔ اماں میں نے سن لیا جو تو نے کہا۔ کہ تجھے سونا تو لینے کے لئے کانٹا
چاہیئے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ کہ نرے میں سونے کے پیرے پڑیا میں بندھے ہیں۔ تجھے
رشتہ کا عارضہ ہے۔ تو وہی بھی ہے۔ تیری نظر بھی کمزور ہے مجھے یقین ہے کہ جب تو
تولنے لگے گی۔ تو تیرے ماتھے سے سونے کے ریزے ادھر ادھر گر پڑیں گے۔ پھر تجھے نظر نہ
آئیں گے۔ پھر انہیں اکٹھا کرنے کے لئے تو جھارو تلاش کرے گی۔ اور خاک اکٹھی
کر کے اسے پھلنی میں چھپانے گی۔ پھر مجھے بلائے گی۔ کہ بیٹا اگر دیکھنا کہ کوئی ریزہ
پڑا تو نہیں رہ گیا۔ تجھے اتنی فرصت نہیں۔ کہ اس بکھیرے میں پڑوں۔ اماں معاف
کیجئے۔ میں کانٹا نہیں دے سکتا۔

انسان کو چاہیئے۔ کہ کوئی کام کرنے سے پہلے اس کا انجام سوچ لے۔
ہرگز اول میں بود اعمی بود ہرگز آخر میں بہ معنی بود

ہرگز اول نگر و پایاں کار اندر آنر او نہ گرد و نہ مسار
عاقبت بیناں بوند اہل رشاد و نگر و اللہ اعلم بالستاد

ایک مختصر و لے پہلوان کی کہانی

ایک قزوین میں یہ برادرانچ تھا کہ وہ جسم گودتے اور اس پر تصویریں بنواتے تھے اس جگہ کا ایک پہلوان حجام کے پاس گیا۔ اور اسے کہا کہ میرے جسم پر بھی تصویر بنا دے اس نے پوچھا کہ کس کی تصویر۔ بولا۔ میں شیر پہلوان ہوں۔ میرا طالع بھی اسد ہے۔ میرے شانے پر شیر کی تصویر سجے گی۔

نانی نے ابھی سوئی ہے کہ گودنا شروع ہی کیا تھا کہ پہلوان بکارا۔ اف ظالم نے ما ڈالا۔ نانی! کھڑ جا۔ پہلے مجھے بتا۔ تو شیر کا کون عضو گود رہا ہے، نانی نے جواب دیا صاحب دم بنا رہا ہوں۔ تم اس قدر بے قرار کیوں ہوئے ہو۔ کہا۔ مجھ میں اتنی برداشت نہیں۔ دم نہ بنا شیر بے دم زیادہ دلیر رہے۔ جب نانی نے پھر سوئی لگائی۔ تو پہلوان پھر چلایا۔ اور پوچھنے لگا استاد! اب کون عضو بنا رہا ہے ہو؟ میری جان نکلی جاتی ہے۔ تیرے ماتھے میں سوئی نہیں نشتر ہے۔ نانی بولا۔ صبر کر۔ میں کان بنانے لگا ہوں۔ پہلوان نے کہا۔ ماتے تو نے مجھے مار ڈالا۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ کتے کے کان اس لئے کاٹ ڈالتے ہیں کہ اس کی صورت عجیب ہو جائے۔ ایسا شیر بنا جس کے کان نہ ہوں۔ تاکہ دیکھنے والا اس کی صورت دیکھ کر ڈر جائے۔

نانی نے جب پھر سوئی سے کام شروع کیا۔ تو پہلوان پھر بھیج مار کر پوچھنے لگا کہ اب کیا بنانے لگا؟ کہا۔ شیر کا پیٹ۔ پہلوان بولا۔ اگر شیر بے شکم بن جائے تو کیا حرج ہے نانی نے اس کی بڑا لڑنا بات سن کر سوئی پھینک دی۔ دوات توڑ دی اور کہا۔ پہلوان صاحب تم بھی عجیب بزدل ہو۔ تم نے کبھی دیکھا یا سنا ہے کہ کوئی شیر بے دم۔ بے کان اور بے شکم کے بھی ہوتا ہے تو سوئی کی نوک سے کاٹتے ہو اور اپنے آپ کو شیر کہتا ہے اس حوصلہ پر میدان جنگ کے خواب دیکھنا حماقت کہیں تو اور کیا ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ پہلے اپنے آپ کو اچھی طرح آزمائے اور پھر میدان میں آئے تاکہ اسے وقت پر شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

چوں نداری طاقت سوزن زدن از چہیں شیرِ زیاں پس دم مزن
اے برادر صبر کن بر درد نیش تار ہی از نیش نفس گر غولیش

ایک بودار ہتھیار بند سوار

ایک نوجوان مہیب صورت۔ نیز تیر۔ تلوار اور ڈھال سے آراستہ جنگل میں اکیلے
گھوڑے پر سوار ہوا تھا۔ وہ ایک پیدل نجف البدن شخص سے دوچار ہوا جس کے
پاس سوائے تیر و کمان کے اور کچھ نہ تھا۔ اس پیدل کو خوف ہوا کہ یہ اس پر سوار کہیں
حملہ کر کے اس کا کام تمام نہ کر دے۔ اس لئے اس نے تیر کمان میں جوڑ کر سوار کی طواف نشانہ
بانو سوار اپنے آپ کو نشانہ بنتا دیکھ کر پکار اٹھا۔ خدا کے واسطے مجھے نہ مارے مجھے نہ مارتا
دیکھ کر خوف کھائیں۔ میں لڑائی میں بوڑھی عورت سے بھی کمزور ہوں۔ پیدل نشانہ انداز
بولا۔ تو نے بروقت بتا دیا۔ ورنہ میں اپنی حفاظت کیلئے تجھے ایک منٹ میں تیر پار کر گزادیتا
اے بودے جوان! جب تو ہتھیار چلانے کی جرأت نہیں رکھتا۔ تو تو نے کس لئے انہیں اپنے
جسم پر سجا رکھا ہے۔ مگر جا کر ان ہتھیاروں کو اتار ڈال۔ ورنہ یقین رکھ کہ ایک دن یہ تیری
جان کر لے کر رہیں گے۔ تو شکر کر کہ تو نے بروقت اپنی کمزوری کا اظہار کر کے جان بچالی۔ اگر
تو ذرا کڑفون کرتا تو پشت زین سے زمین پر سر کے بل گر رہتا ہے

گر بوشی تو سلاح رستماں ! رفت جانت چوں نباشی مرداں
چونکہ مردی نیست خنجر ہا پر سود بھوں نباشد دل ندار و سود خود
رستمی گر بایدت خنجر بگیمر در خنجرے مانلی پادر بگیمر
جو شخص ہتھیار چلانے کی طاقت نہیں رکھتا اسے ہتھیار لگائے پھر نابے سود ہے۔

ایک عطار اور اس کا طوطا

کسی شہر میں ایک عطار نے طوطا پال رکھا تھا۔ جو عام مہین مٹھوؤں کی طرح رہتا تھا جو بات
سکھادی دہرا دی۔ بلکہ وہ انسان کے بچے کی طرح سجدار تھا۔ عطار کا دل پیٹھی پیٹھی باتوں
سے خوش رکھتا اور جب عطار دوکان سے غیر حاضر ہوتا۔ تو وہ اس کی خوب طرح نگہبانی
کرتا۔ اور کسی کو کوئی چیز اٹھانے نہ دیتا۔

ایک دن عطار بغیر حاضر تھا کہ ایک بڑی بلی دوکان میں اگھسی بلی کیا تھی شیر برکی
 بہن تھی جتنے دوکان میں چوہے تھے اس نے مار مار کر ڈھیر کر دیئے یہاں دیکھ کر طوطا
 ہم گیا۔ اور خوف کی حالت میں پھر پھر کر پتھر کے کی تیلیاں توڑ ڈالیں۔ اسی عالم بے
 خودی میں اس نے جو جہت کی۔ تو پتھر کے کوئے اڑا جس سے پتھر کے کے پاس سے
 رکھے ہوئے روغن بادام کے شیشے ٹھیس لگ کر ٹوٹ پڑے۔ اور روغن بہ کو ضائع ہو گیا۔
 عطار نے واپس آکر دیکھا کہ فرش تمام روغن بادام سے تر ہو رہا ہے شیشے ٹوٹے
 پڑے ہیں۔ قفس کی تیلیاں بھی سلامت نہیں۔ حیران رہ گیا۔ الہی ایہ کیا ماجرا ہے اسی
 پریشانی کی حالت میں اس کے دل نے فیصلہ کیا کہ سب حضور طوطے کا ہے پس
 غصہ میں اس نے پتھر ہاتھ میں لیا۔ اور اسے زمین پر ٹک ٹک دیا اور مار مار کر طوطے
 کا سر گنجا کر دیا۔ طوطا شرم یار بج کے مارے گنگا بن گیا۔ اور قفس کے ایک گوشہ میں
 دبک کر بیٹھ رہا۔ اس کی شیریں بیانی اور شکر فانی بالکل جاتی رہی۔ اس کی چپ سے
 مالک کا دل بھی گھبرایا اور اپنے کے پر پھٹتا یا کہ میں نے کیوں اسے مار کر خاموش کر دیا
 اب لگا طوطے کو چوری کھلا کر خوش کرنے اور نیتیں ماننے۔ کہ اگر وہ پھر بولنے لگ جائے
 تو میں اتنے روپیہ درویشوں کو بطور شکرانہ دوں گا۔ اسی طرح تین دن گزر گئے
 مگر طوطا نہ بولا۔

ایک دن عطار کے نصیب جاگے۔ ایک گنجے فقیر نے دوکان کے پاس آکر صدائی کہ
 ”اگر بھلا چاہے اگر اپنا بھلا“ اس گنجے فقیر کی شکل دیکھ کر طوطے کو ہنسی آگئی وہ فقیر مار
 کر مینا۔ اور بوجھنے لگا۔ اے سائیں! مجھے بتا! تیرا سر کس طرح گنجا ہوا؟ سچ سچ کہنا۔ کیا
 تو نے بھی کسی عطار کے شیشے ٹھوکر مار کر توڑ ڈالے تھے؟ کیا تو نے بھی روغن بادام گرا
 دیا تھا؟ جس کی پاداش میں مارا کر تیری چندیا پر سے بال اڑا سکے گئے؟
 دوکاندار طوطے کے پھر شکر ریز ہوتے پر بہت خوش ہوا۔ اس نے گنجے سائیں کو
 منت کا روپیہ عطا کیا۔ اور کہا کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ تیرے آئیے میرا پیارا طوطا پھر
 ہر سکوت توڑ کر گویا ہوا۔ اور میری دوکان کی رونق پھر قائم ہو گئی۔ مگر لوگ طوطے کے
 قیاس پر بہت ہنسے۔ کہ اس نے فقیر کو اپنے جیسا سمجھ لیا۔
 مولانا فرماتے ہیں اے بے سمجھ انسان! اپنے بزرگوں کو قیاس نہ کر اور یہ نہ کہہ

کہ وہ بھی بشر میں بھی بشر۔ دیکھو بشر اور بشر کے الفاظ ایک ہی طرح کے ہیں مگر ان کے معنوں میں فرق ہے۔ بشر دودھ آدمی کی خوراک ہے اور بشر آدمی کو بھی کھا جاتا ہے۔ ایک عام بہن ہے کہ گھاس کھا کر میٹھی نکالتا ہے۔ اور ایک غنّ کا بہن ہے جو وہی گھاس کھا کر مشک پیدا کرتا۔ وہی روٹی کھا کر بندہ نفس خرمستان کرنے لگتا ہے اور بندہ خدا جہاد اور مجاہد کرتا ہے۔ ایک کے جسم میں روٹی نے ظلمت کفر و طغیان پیدا کی اور دوسرے میں نور رحمان مولانا کے اشعار یاد کرنے کے قابل ہیں یہ

کارِ پاکاں را قیاس از خود بگیر	زانکہ ماند در نوشتن شیر و شیر
اشقیار ابدیدہ بنیاد بود	نیک و بد در دیدہ شاں یکساں بود
تہسرتی با انبیاء برداشتند	اولیاء را ہجو خود پنداشتند
گفت اینک ما بشر ایشان بشر	ما و ایشان بستہ خواہیم و خور
این ندانستند ایشان از عما	ہست فرقہ در میان بے منتہا
ہر دو یک گل خوردہ ز نور و نخل	لیک زیں شنیش و زان دیگر عمل
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب	زیں یکے سر گس شد و زان مشک تاب
ہر دو نے خوردند از یک آبجور	اُن یکے خالی و اُن پر از شکر
صد ہزاراں ایں چنینی الشباہ بین	فرق شان ہفتاد سالہ راہ بین
ایں خورد و گرد پدید می زیں جدا	واں خورد و گرد ہمہ نور خدا
ایں خورد و زاید ہمہ بخی و حسد	واں خورد و زاید ہمہ عشق احمد
ایں زمین پاک و اُن خورست و بد	ایں فرشتہ پاک و اُن شیر است و دود
ہر دو صورت گر ہم ماند و راست	آب تلخ و آب شیریں را صفاست

چڑھی مار اور چڑیا

ایک چڑھی مار نے ایک دن کھیت میں جا کر جال بچھایا۔ اور دانہ ڈالا۔ ایک چڑیا دانہ دیکھ کر جال میں پھنسی گئی۔ چڑھی مار نے اسی کو غنیمت سمجھا اور جھٹ دوڑ کر اس کو قابو کر لیا۔ وہ چڑیا بڑی سیانی نکلی۔ خدا نے اس کی رہائی کے لئے اسکی زبان میں قوت گویائی

پیدا کر دی۔ اس نے کہا۔ اے شکاری! تو نے بڑے بڑے جانور شکار کئے اور کھائے پھر بھی تو سیر نہ ہوا۔ چھوٹی سی چڑیا تیری جھوک کیا مٹا سکتی ہے! میرے پر الگ کر کے ہو گوشت نکلے گا اس سے تیرے پر پر کا ایک کہ نہ بھی نہیں بھر سکتا۔ اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں تجھے تین الپی مفید باتیں بتاؤں۔ جو ہمیشہ تیرے کام آئیں۔ ایک بات تو تیرے ہاتھ پر پر کی کھدوں کی نصیحت کا دوسرا موتی تجھے اس وقت بتاؤں گی۔ جب تو مجھے چھوڑ دے گا۔ اور میں دیوار پر ہا بیٹھوں گی۔ پتھر گوہر ہند شاخ درخت پر ممکن ہو کر تیرے کان میں ڈالوں گی۔

شکاری نے گور کیا۔ کہ چڑیا سچ کہتی ہے۔ اسے کھا کر میری کیا بسر و فاقات ہو گی۔ ہاں اس کی کام کی بات البتہ مفید ہو سکتی ہے۔ بولا۔ چڑیا! تجھے تیری شرائط منظور ہیں۔ یہ لے میں تجھے چھوڑتا ہوں۔ چڑیا اس کے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔ بھائی!

(۱) جو بات ان ہوئی ہو اس کا یقین نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی کوئی بات سن کر سوچنا چاہیے کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ نہیں یہ کہہ کر وہ دیوار پر ہا بیٹھتی۔ اور بولی

(۲) اگلی گزری بات کا نہ ذکر کرنا چاہئے۔ نہ ختم۔ کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اٹی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر چڑیا نے کہا۔ اے شکاری! تو بے شک بڑا بد قسمت ہے۔ کہ میں تیرے ہاتھ سے نکل گئی۔ اگر تو مجھے فوج کر کے پر پر ہلاک کرنا تو مجھے اس میں سے پاؤ بھرو زنی موتی ملتا۔ جس کی قیمت سے پونزوں تک خوشحال رہتے۔ مگر جو چیز قسمت میں نہ ہو۔ نہیں ملتی۔

یہ بات سن کر شکاری چھٹانے اور کہنے لگا۔ اے عیار! تیرا تو نے مجھے دھوکا دیا۔ اور میرے ہاتھ میں آئی ہوئی دولت نکل گئی۔ چڑیا نے یہ سنا تو کہا۔ چڑیا مار! تو بھی عجیب انسان ہے۔ کہ اس قدر جلد میری دونوں نصیحتوں کو بھول گیا۔ کیا یہ بات ان ہوئی نہیں کہ میرا کل وزن تو ہو چھٹانک بھر اور اس میں پاؤ بھرا کا موتی! کیا یہ ممکن ہے! اگر بفرض محال اسے ممکن مان بھی لیں تو بھی تجھے دوسری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اس کا غم نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ جب میں تیرے ہاتھ سے نکل چکی تو اس کا ذکر غم فصول ہے۔ صیاد چڑیا کی بات سن کر بڑا شرمندہ ہوا۔ اور بولا کہ چڑیا تو نے سچ کہا۔ ہاں اب میری نصیحت کے پھول بھی برساتی جا۔ چڑیا نے دم ہلائی۔ ایک ٹھجھر میا لی اور پھر سے یہ کہتی ارٹ گئی۔ کہ جو بے وقوف کسی کی نصیحت پر عمل نہ کرے اسے اور نصیحت کرنا

فصول سے ۷

ہند گشتن با جہول خواہناک تخم افگندن بود در شورہ خاک
زانکہ جابل جہل را بندہ بود چونکہ تو بندش دہی او نشود

وہ خرگوش جس نے تدبیر سے شیر کو ہلاک کیا

ایک سرسبز جنگل کو ہر قسم کے جنگلی جانوروں نے اپنا گھر بنا رکھا تھا۔ وہاں انہیں اپنی خوراکی با فراط میسر تھی۔ سب بے خوف و خطر شکم سیر ہو کر اچھلتے کودتے نظر آتے۔ نہ ہرنوں کو شیر اور چیتے کا خوف تھا نہ خرگوشوں کو بھڑیے کا ڈر۔ کیونکہ وہ جنگل درندوں سے بالکل پاک تھا۔

قصداً کار ایک اور جگہ سے ایک شیر کہیں اس جنگل میں آ نکلا۔ اس نے شکار کی کثرت دیکھ کر اس جگہ مستقل رہائش کا ارادہ کر لیا۔ وہ صبح و شام نکلتا اور بطور شکار و تفریح بھی کئی ہرن اور گور خرمار گرتا۔ کچھ کھانا اور باقی بونہی مار گھونٹتا۔

جنگل کے رہنے والے جانور اس سے بہت گھبرائے کہ اگر یہی میل و نہار رہے تو ہمارا جلد خاتمہ ہو جائیگا۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم شیر کے ناشتہ کا خود ہی بندوبست کریں تاکہ رائگاں نقصان جان نہ ہو۔ یہ تجویز کر کے وہ دڑتے دڑتے شیر کے پاس حاضر ہوئے اور بولے۔ جہاں پناہ! حضور ہمارے بادشاہ ہیں اور ہم رعایا کا فرض ہے کہ بادشاہ کی آسائش کا خیال رکھے۔ ہندگان عالی کو اپنی خوراک مہیا کرنے کے لئے تکلیف فرمانے کی حاجت نہیں۔ خوان شاہی کے لائق کھانا خود ہی حضور کی خدمت میں پہنچ جایا کریگا۔ شیر نے کہا۔ ہم ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کچھ کھانا حلال نہیں سمجھتے۔ پہلے کوشش اور پھر تو کھلی ہمارا خاصہ ہے۔ حرکت میں برکت ہے۔ ہمیں اللہ نے ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ ہم ان سے کام لیں گے۔ اور غیر کامار انہیں کھائیں گے۔ جانوروں نے عرض کیا حضور کے پاس زندہ شکار مقررہ وقت پر پہنچ جایا کریگا۔ آپ خود ہی اسے ماریں اور کھائیں۔ کوئی اور شکار کر کے نہیں بھیجے گا۔ شیر نے کہا۔ یہ ہمیں منظور ہے۔ الغرض جانور واپس چلے گئے وہ ہر روز فریاد ڈالتے۔ جس جانور کا نام فرقہ میں نکلتا۔ اسے شیر کے پاس بھیج دیا جاتا چونکہ اسے باقاعدہ کھانا مل جاتا۔ اس لئے وہ اور کی ہوس نہ کرتا۔ جانوروں کو ناسحق نہ ستاتا۔

ایک دن قرعہ ایک بڑے شیر خروگوش کے نام پڑا۔ اس نے شیر کے پاس جانے میں بہت دیر کر دی۔ تمام جانور اسے سمجھانے لگے۔ کہ بھائی! اپنے عہد پر قائم رہنا چاہیے اگر شیر کو وقت پر کھانا نہ ملا تو وہ غضب صاویگا۔ ہم سب کی جان ہلاکت میں پڑ جائیگی خروگوش بولا۔ میں شیر کو کیا سمجھتا ہوں۔ میں آج اسے ہی ہلاک کر دوں گا۔ جانوروں نے کہا۔ اتنی سنجھی نہ بکھار دیکھا یہی کیا یہی کا فتور باء ارے اس کے آگے تو ہاتھی کا زہرہ بھی آب آب ہوتا ہے۔ گنبد گئے جیسا منصوبہ جانور بھی اس کے پنجہ کی ضرب کی تاب نہیں لاسکتا۔ تجھ پر تھجو ٹاسا منہ بڑی بات کی مثل صادق اور تیرے بڑے بول پر ہنسی آتی ہے جو تدبیر تو نے سوچی ہے ہمیں بھی بتانا کہ عیب و ثواب روشن ہو۔

خروگوش نے کہا۔ تم شیر کے خوف سے کیوں مرے جاتے ہو۔ دلیر بنو۔ خدا ہاتھی کو چھوٹی سے مردا سکتا ہے۔ ہر فرعونے راموسی میں ابھی جاتا ہوں۔ اور اس کو ہلاک کر کے آتا ہوں۔ جو تدبیر میں نے سوچی ہے۔ وہ میں ابھی نہیں بتانا چاہتا۔ کیونکہ دیو اور ہم گوش دار دراز ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ اس میں جان کا خطرہ ہے۔

ادھر شہر کا حال سنو۔ اس کو وقت پر کھانا نہ ملا۔ وہ غصہ سے اُگ بگولا ہو گیا۔ طیش سے زمین پر پھینچے مار مار کر اس نے زمین کھود ڈالی۔ اس کا سانس پھولنا نہ سکتا تھا۔ اسکا منہ دیوانوں کی طرح جھاگ سے پڑھا۔ حالت غضب میں دم زمین پر مار رہا تھا کہ خروگوش ہانپتا کانپتا اسکے پاس پہنچا اور یوں گویا ہوا۔ اے جنگل کے شیر بادشاہ۔ تم پر ہم سب جانور قربان کوہ میں اور میرا ایک بھائی درخوگوش انوان شاہی کی حاضری سے اپنی اکبر و بڑبڑانے کے لئے روانہ ہوئے۔ راہ میں ایک اور شیر نے گھیر لیا۔ ہم نے کہا۔ آپ ہمارے بادشاہ نہیں ہم اپنے شیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے ہمارے ہیں۔ وہ بولا۔ بادشاہ میں ہوں نہیں اور کسی کے پاس جانی ضرورت نہیں۔ ہم نے کہا آپ ایسا نہ کہیں۔ ہمارا بادشاہ بڑا زبردست ہے آپ اس کا مقابلہ کریں گے۔ تو نقصان اٹھائیں گے۔ وہ یہ سن کر بہت جھلایا اور میرے بھائی کو اچک لے گیا۔ میں نے بڑی تدبیر سے اس سے جان بچائی۔ اور ادھر جھاگ ادھر بھاگ بچا کر حضور کی خدمت میں پہنچا ہوں کہ حضور کی حاضری میں دیر نہ ہو۔

شیر یہ بات سن کر بڑا غضبناک ہوا۔ اس کی گردن کے بال کھڑے ہو گئے اور بولا وہ کون کتا ہے جس نے میری عمارت میں قدم رکھا۔ اور میرا شکار پھین لیا خدا کی قسم میں

جب تک اسکا کام تمام نہ کر دوں گا۔ کھانا حرام سمجھو نکا۔ اسے خرگوش میرے ساتھ چل اور
اس ناکار کا پتہ دے۔ خرگوش شیرے آگے آگے روار ہو پڑا۔ اور ایک کنویں کی من پکڑا
ہو کر اور کنویں میں جھانک کر وہ خوف سے کانپتا ہوا پیچھے ہٹا اور بولا صغور! مجھے آپ
اٹھالیں۔ میری تو ڈر سے جان لگی جاتی ہے۔ وہ اپنی جان کا بیری اسی کنویں میں ہے۔
ملاحظہ فرمالیں۔ شیر نے جو جھانکا تو اسے اپنا اور خرگوش کا عکس کنویں میں دکھائی دیا۔
اس نے سمجھا کہ واقعی کوئی اور شیر خرگوش کو پکڑے کھڑا ہے۔ اس نے آؤد بکھانا تو
جھٹ خرگوش کو کنارے پر چھوڑ کر کنویں میں کود پڑا۔ کنواں بڑا گہرا تھا۔ اس نے بہتیری
کوشش کی کہ چھلانگ مار کر باہر نکلے۔ مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ اس کی طاقت زائل ہو گئی۔ اور
کنویں ہی میں مر گیا۔

عکس خود را اعدوئے خویش دید
آن توئی آن زخم بر خود می زنی
در خود ایں بدرائی بینی عیاں
جمله بر خود می کنی اے سادہ مرد
شیر را در قعر پیدا شد کہ بود
اے بدیدہ فال بدر روئے غم
خرگوش دشمن کو مار کر زندہ سلامت اپنی قوم میں پہنچا اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ سب نے
اس کی عقل کی داد دی۔ اور اسے اپنا نجات دہندہ اور سردار تسلیم کر لیا۔ خرگوش بولا
بھائیو! میں تمہارا خادم ہوں۔ سردار نہیں۔ جو کچھ ہو۔ خدا کے فضل سے ہوا۔ میں کیا اور
میری ہمت کیا؟ اگر وہ مجھے سمجھ نہ عطا کرنا۔ تو میں شیر کو کس طرح زیر کر سکتا۔
ان ان اگر کوئی اچھا کام کرے۔ تو اللہ کا شکر کرے کہ اس نے کار خیر کی توفیق دی
تو اس سے نیکی سرزد ہوئی۔

موقع نہ پہچاننے والا شخص

ایک شخص استنجا کرتے ہوئے یہ دعا پڑھا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِیْ رَاحَۃَ الْجَنَّةِ یعنی
اے اللہ مجھے جنت کی خوشبو سگھا۔ ایک اور شخص نے یہ سن کر کہا کہ یہ تو یہ بھی تھا

ہی مگر دوسرے موقع کی ہے۔ انوس تو نے موقع نہ پہچانا اور یہ نہ سمجھا کہ خوشبو نہ کھنکھنے کا سوراخ کونسا ہے۔ اسے یہ دعا تو استنشا ق دوسو کرتے ہوئے ناک میں پانی ڈالتے وقت پڑھنے کی ہے۔ طہارت کے وقت کی دعا تو اللہم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المستنصرین ہے۔

راکھ جنت زبینی یافت کر
راکھ بینی کے آید از دُر
از پے سوراخ بینی رست گل
بود طیفہ بینی آداے عشق
بوئے گل بہر مشام است لے لیر
جائے آں بونیت ایں سوراخ زیر
گے ازیں جا بونے گل آید ترا
بوز موصع جو اگر باید ترا
جو شخص بات کا موقع و محل نہیں پہچانتا وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے مثلاً خسیوں اور کمینوں کے ساتھ تکبر سے اور بادشاہوں کے ساتھ تواضع سے پیش آنا چاہیے مگر جو کوئی اس کے خلاف عمل کرے۔ وہ یقیناً ذلت اٹھائے گا۔

بچیں حب الوطن آمد درست
تو وطن بشناس اے خواجہ درست
اسی طرح حب الوطن کا مسئلہ ہے انسان کو پہلے اپنا وطن پہچانا چاہیے۔

تین مچھلیوں کی کہانی

ایک دریا کے پاس ہی چند گڑھوں میں پانی جمع تھا۔ شکاری دریا میں سے مچھلیاں پکڑنے آئے تو گڑھوں کی مچھلیاں بھی دیکھ گئے۔ انہوں نے گڑھے پر کھڑے ہو کر کہہ کہ کل اسی جگہ لاکھ صاف ہو۔ ایک مضبوط سا بال لائیں اور تمام مچھلیاں پکڑے جائیں اس گڑھے میں صرف تین مچھلیاں تھیں۔ ایک بڑی سیاتی۔ دوسری درمیانی عقل کی اور تیسری بالکل بے وقوف۔

عقل مند مچھلی نے کہا بہنو! تم نے شکاریوں کی بات سنی، میرا مشورہ ہے کہ ہم راتوں رات گڑھے سے نکل کر گرتی پرتی دریا میں پہنچ جائیں۔ نیم عاقل مچھلی بولی۔ گوا میں نے سنا ہے کہ وطن کی محبت جہز ایمان ہے۔ میں یہیں جیوں گی۔ اور یہیں مروں گی عقل مند مچھلی نے جواب دیا۔ تم نے غلط فہمی سے اس عارضی پانی کو اپنا وطن سمجھ لیا۔ ہمارا اصلی وطن تو دریا ہے۔ آہ۔ سیلاب نے ہم کو اپنے اصل سے جدا کر دیا۔ چلو اپنے وطن کی

طرف کہ ہم کو دنیا و پس مل سکتی ہے سے
 از دم حب الوطن بگزر مایست کہ وطن اُن سواست جہاں میں سوئے نیت
 گروطن خواہی گزر آں سوئے شط ایں حدیث راست را کم خواں غلط
 احمق مچھلی بولی مجھے صیاد نہیں پکڑ سکتا۔ مجھے ان کے کھات سب معلوم ہیں۔ میں نہ
 میں چھپ کر تھان بچا لوں گی۔

عقل مند مچھلی ان دونوں کو پھوڑ کر لیس لڑ نسان الہا سخی دہمت مرداں
 مدد خدا کہتی ہوئی دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔ پانی سے باہر نکل کر اس دم ٹھٹھنے لگا۔ مگر اس
 اس مدد صنی تکلیف کی پرواہ نہ کی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ مادر وطن اسے جلد اپنی محبت بھری
 گود میں لے لے گی۔ پس وہ تڑپتی اور پکڑ گئی ہوئی دریا میں جہا پہنچی سے

رجبا سبار وید و عاقبت رفت آخر سوئے امن و عافیت
 صبح اگر شکار یوں نے جہاں ڈالا۔ اور باقی دونوں مچھلیاں پکڑی گئیں۔ نیم عقل مکر سے
 مردہ بن گئی۔ صیاد نے کہا مری ہوئی مچھلی کو ہم کیا کریں۔ پس اسے دریا کی طرف پھینک
 دیا جہاں سے وہ جہت کر کے دریا میں جہا پہنچی سے

مرگ میں از مرگ ایں است اے فتی ایں جنس فرمود مارا مصطفیٰ
 گفت مَوْتُوْاْ لَکُمْ مَتْنِ قَبْلِ اَنْ تَیَاتِیَ الْمَوْتُ مَوْتُوْاْ بِالْفَتْنِ
 تیسری احمق مچھلی کو کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ اور شکاریوں کے ہاتھ میں تڑپ تڑپ کر سرد
 ہو گئی۔ دم توڑتے ہوئے اسے اپنی بے وقوفی کا پتہ لگا۔ مگر اب بچتا نا اور شرمانا بے
 سود تھا۔

از کمی عقل پروانہ خیس یاد نا روز آتش و سوز جنس
 چونکہ پرش سوخت تو بے می کند ازو سنانش بر آتش می زند
 جو شخص نفس کو عقل کے تابع رکھے۔ وہ شیطان کے جہاں میں اسی طرح نہیں پھنس
 سکتا۔ جس طرح دانا مچھلی نہ پھنسی۔

جو شخص شروع میں غافل رہے اور انجام کار سمجھ جائے۔ وہ اس نیم عاقل مچھلی
 کی طرح ہے جو عاقبت کو ٹھیک ہے اور بچ گئی۔
 جو شخص نادان مچھلی کی طرح تمام عمر غفلت میں کھودے۔ وہ شیطان کے دام میں

پھنکر ہاگ ہو جاتا ہے۔

جو لوگ اس دنیا کو اپنا وطن سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ بے وقوف مچھلی کی طرح ہیں۔
مومن کا اصل وطن بہشت الفردوس ہے۔ وہ اس خاکی جسم کو بھی روح کا قید خانہ سمجھتا
ہے اور اسی اشتیاق میں رہتا ہے۔ کہ کب اس قید سے چھوٹے اور آزادی کے مزے لوٹے

کوئے کا اعتراض اور ہمد کا جواب

حضرت سلیمان علیہ السلام کو خدا نے یہی بادشاہی دی تھی۔ اور کسی کو نہیں دی تمام
چرند و پرند۔ انسان اور جن یہاں تک کہ ہوا بھی آپ کے تابع فرمان تھی۔ ایک دن
آپ نے تمام پرندوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ حکم پہنچتے ہی ہنسی و تہی کے تمام جانور
حاضر دربار ہو گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام تمام جانوروں کی بولیاں جانتے اور سمجھتے تھے۔ آپ نے
فرمایا۔ جو جو کمال کسی پرندے میں ہو وہ بیان کرے۔ ہر پرندہ اپنا کمال بیان کرتا تھا جتنا تھا۔
ہمد کی باری آئی۔ تو اس نے کہا۔ یا حضرت! مجھ میں جو جو ہر ہے۔ وہ کسی اور میں نہیں
میری نظر بڑی تیز ہے۔ مجھے ذرہ ذرہ دکھائی دیتا ہے۔ اگر میں ادنیٰ آسمان پر اڑ جاؤں
پھر بھی میں زمین کی ذرہ ذرہ کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہوں۔ پانی کا پتہ لگانے میں تو
مجھے بڑی کمال حاصل ہے۔ زمین کے نیچے چھپا ہوا پانی بھی مجھے نظر آ جاتا ہے۔ میں یہ
بھی بتا سکتا ہوں۔ کہ پانی میٹھا ہے کڑوا۔ اس کا رنگ کیا ہے۔ اس کا نقاس کہاں
سے ہے میں تو اس قابل ہوں کہ حضرت مجھے اپنی خدمت میں رکھیں۔

کوئے نے یہ بات سنی۔ تو وہ حسد سے جل کر کوئلہ ہو گیا۔ اور بول اٹھا۔ کہ ہمد کا دعویٰ
غلط ہے۔ اگر یہ ایسا ہی دور بین اور تیز نظر ہے۔ تو شکاری کے پھندے میں کیوں
پھنستا ہے۔ اسے زیر زمین آپ تو دکھائی دے سکتا ہے مگر حال نظر نہیں آتا یہ کیا
بوجہ ہے۔ کوئے کا یہ اعتراض بظاہر صحیح تھا۔ تمام جانور اس کے ہم نوا ہو گئے۔
اور کہنے لگے۔ یا حضرت! ہمد کا دعویٰ بے دلیل ہے وہ کوئے کی بات کا جواب دے
ہمد نے کہا۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ میری نظر کا امتحان لے لو۔ میں بالکل سچ کہتا
ہوں۔ حال میں پھنسنے کی بات الگ ہے۔ وہ تقدیر کا معاملہ ہے۔ جب تقدیر آئی

تدبیر کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کو کون مانے ”تدبیر کند بند و تقدیر
 کند خند“ مشہور ضرب المثل ہے۔ انسان اکثر مخلوقات ہے۔ مخلوقات میں سے
 کوئی اس کی عقل کو نہیں پہنچ سکتا۔ مگر اس کی عقل بھی تقدیر کے سامنے کچھ کام نہیں
 دے سکتی۔ اس کی ہر تدبیر کامیاب نہیں ہوتی۔ کیونکہ خدا اپنی مصلحت کے مطابق
 اس کی تدبیروں کو توڑ دیتا ہے۔ جب بددے یہ جواب دیا۔ سب کی زبانیں
 بند ہو گئیں۔ حضرت سلیمان نے بھی فرمایا کہ بددے نے سچ کہا۔ قصا کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔
 چوں قصا آید شود دانش بخواب مہ سہ گرد بگیرد آفتاب
 از قصا این تعبیه کے نادراست از قصا داں کو قصار امنکر است

سوداگر کا طوطا اور آزادی کا سبق

باہر کا سوداگر ایک دفعہ ہندوستان آیا۔ اسے یہاں سے ایک طوطا ملا۔ جس کی
 باتیں بڑی میٹھی۔ جسکی ادائیں بڑی دلپسند اور جس کی شکل بھتی۔ وہ اسے اپنے ملک میں
 لے گیا۔ دوسری دفعہ پھر جب وہ ہندوستان آنے لگا۔ تو اپنے بچوں سے پوچھا کہ تمہارے
 واسطے کیا کیا سوغات ملاؤں۔ سب نے اپنی دلپسند اشیائیں نوٹ کر ادیں۔ طوطے سے کہا۔
 تم بھی بتاؤ۔ طوطا بولا۔ آقا! میری ایک فرمائش ہے۔ وہ پوری کر آنا۔ پوچھا وہ کیا بلوطے
 نے کہہ جب تم فلاں دریا کے پار ہو گئے تو تمہیں ایک پر فضا پہاڑی ملے گی۔ وہاں ایک
 طوطوں کا جھنڈ نظر آئے گا۔ انہیں میرا سلام پہنچا کر کہنا ہے۔

ایں روایت کہ من در بند سخن گزشتا بر سبزہ گلے برد رخت

ایں چنین باشد وفائے دوستان من دریں جنس دشادار بوستان

کہ تمہارا مدت کا ہنسیں فلاں طوطا اس وقت پتھرے میں بند ہے تم تو آزادی سے
 باغوں اور سبزہ زاروں میں اڑتے پھرتے ہو۔ اور اپنے غریب ساتھی کی کچھ خبر نہیں
 اس کے ملنے کا بھی کچھ چارہ کرو۔

الغرض وہ تاجر ہند میں وارد ہوا۔ اور طوطوں کے مقام پر پہنچا۔ گھوڑا کھڑا کیا۔ اور
 کہا اے طوطا! اپنے ایک بھڑے ہوئے بھائی کا پیغام سن لو۔ جو میرے گھر میں ہے۔ وہ
 سلام کہتا ہے اور افسوس کرتا ہے۔ کہ تم کو اس کے بغیر شاخوں پر جھولنا اور سبزے پر

ٹوٹا کس طرح بھاتا ہے۔ کوئی اسی کی ملاقات کی بھی فکر کرو۔

یہ پیغام سن کر ایک طوطا درخت سے زمین پر گرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔
 طوطے از طوطیاں لرزید و پس اوفتا دو مرد و بگشتن نفس
 سوداگر اس پیغام رسانی پر بڑا شرمندہ ہوا۔ کہ میں نے ناحق اپنی تیغ زبان کو حرکت دیکر
 ایک کی جان گنوا دی۔ تلوار کا زخم تو بھرا آتا ہے۔ مگر زبان کا زخم نہیں بھرا ناہ
 ایں زبان چوں آہن دش است آنچه چہد از زبان چوں آتش است
 الغرض وہاں سے افسوس کرتا ہوا رخصت ہوا۔ اپنے کاروبار سے رخصت پا کر جب طہر
 پہنچا۔ اور سب کو تحفے تقسیم کر چکا۔ تو طوطا بولا! اقا! ہمارا کام! سوداگر نے کہا طوطے!
 کیا بتاؤں میں تو تیرا پیغام دے کر بہت بچتا ہوں۔ اب تک اس کی مذمت میرے دل میں
 ہے کاش! میں پیغام نہ پہنچاتا۔ طوطے نے پوچھا۔ آخر ہوا کیا! کہا کیا بتاؤں مجھے بھی سن
 کر صدمہ ہو گا۔ خدا جانے اس جھنڈ میں تیرا کوئی سگا بھائی تھا۔ جو پیغام سنتے ہی پیچھے گرا
 اور تڑپ تڑپ کر مرد ہو گیا۔

طوطے نے کہا۔ ہائے۔ اور اسی طرح وہ بھی پھر کئے لگا۔ حتیٰ کہ اس کی پھر پھر ہارٹ
 بند ہو گئی۔ اور وہ پیچھے سے میں مردہ بن کر پڑ گیا۔ سوداگر کو اور بھی افسوس ہوا۔ کہ میں نے
 قاصدین کو دو خون کر دیئے۔ افسوس میرے گھر کی زینت اور دل کا بہلاؤ اوطوطا میری
 یوقونی سے جان بحق ہو گیا۔ سوداگر خوب جی بھر کر روچکا تو طوطے کو پیچھے سے نکالا
 اور ایک طرف ڈال دیا۔ دیکھتا کیا ہے۔ کہ طوطے نے ایک جھجھری لی اور اڑ کر
 درخت پر جا بیٹھا۔ سوداگر یہ دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا۔ طوطے! یہ کیا؟
 ساختی مکرے و مارا سوختی سوختی مارا خود از خود ختی

طوطا بولا تم نہ سمجھے کہ میرے بھائی طوطے نے مجھے کیا سبق دیا۔ میں نے اپنے عمل سے
 بتایا کہ میں قید سے رہائی پاسکتا ہوں۔ تم نے دیکھ لیا۔ کہ میں نے تمہارے سامنے
 مرکز آزادی حاصل کر لی۔ افسوس! میری زبان نے مجھے پیچھے سے قید کرایا

گفت طوطی کو بفعلم بند داد کہ رہا کن نطق و آواز و کشاد

زانکہ آہ ازت ترا در بند کرد خویش را مردہ پئے ایں بند کرد

یعنی اے مطرب! بندہ باعام و خاص مردہ شو چوں من کہ بتایا بی خلاص

داند باشی مرغ کانت پر چسند غنچہ باشی کود کانت بر کنسند
 داند پنہاں کن بگی دام شو ! غنچہ پنہاں کن گیاه بام شو
 ہر کہ داد او حسن خود را بر مراد صد قفا سے بد سوئے اور و نہاد
 چشما و خشمہا در شکہا ! بر سرش بارد چو آب از مشکہا !
 دشمنان اور از غیرت می درند در ستاں ہم روز گارش می برند
 کیا سی خوب فرمایا ہے۔ بانی اسلام علیہ سلوٰۃ والسلام نے کہ مَنْ سَكَّتْ سَكَمَ وَمَنْ
 سَكَمَ فُحَا۔ پس نے زبان کو روک لیا۔ وہ محفوظ ہو گیا۔ ہاں میری ایک نصیحت دل
 کے کانوں سے سن لو۔ کہ آزادی بڑی نعمت ہے۔ اگر آقا شہنشاہ اور باب سے بھی
 زیادہ مہربان ہو۔ پھر بھی غلامی لعنت ہے۔ رب العالمین کے سوا اور کسی کا غلام
 نہ بننا چاہئے۔ یہ کہا اور طوطا اڑ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

شیر کے سامنے شکار کی تقسیم

ایک شیر بھڑیا۔ اور نومڑی تینوں مل کر شکار کی تلاش میں نکلے۔ بڑی تگ و دو کے
 بعد انہیں ایک ہرن ہاتھ لگا۔ پھر ایک خرگوش ملا۔ اس کے بعد ایک بیل گائے (روجھا)
 کا بھی شکار کیا۔ جب شیر تین ہرن اور دو بچکا۔ تو بھڑیے سے کہا۔ آج تیری عقل کا امتحان
 ہے۔ ان کو خوب سوچ سمجھ کر تقسیم کر۔ بھڑیا بولا۔ بیل گلے آپ کھالیں۔ ہرن مجھے
 دے دیں۔ اور خرگوش نومڑی کو عطا کریں گے

شیر گفت اے گرگ چوں بگفتی بگو چونکہ من باشم تو گوئی ما و تو
 گرگ خود چہ رنگ بود کہ خویش دید پیش چوں من شیر بے مثل و ندید
 شیر نے کہا تو بڑا بے کیا۔ بے ادب اور بد سلیقہ ہے۔ میری نراقل ہے شیر غیظ و غضب سے
 اٹھا۔ اور ایک تھڑ مار کر بھڑیے کا کام تمام کر دیا۔ شیر نے پھر نومڑی سے کہا۔ اب میں تیری
 عقل آزماتا ہوں۔ بتا شکار تقسیم کس طرح ہوں ! وہ بڑے ادب سے سر جھکا کر بولی۔ حضور ! بیل
 گائے تو آپ ابھی کھالیں۔ ہرن رات کے لئے رہنے دیں۔ اگر درمیان میں اشتہار ہو تو خرگوش
 نقل فرمائیں۔ شیر یں کر برا خوش ہوا۔ اور پوچھنے لگا۔ تو نے یہ سلیقہ کس سے سیکھا نومڑی
 بولی۔ بھڑیے کے واقعہ نے مجھے سبق دیا۔ کہ بادشاہوں کے حضور خود عرضی اچھی نہیں یہ

جواب دیکر وہ بڑے سلیقہ سے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ بشر کو اس کا یہ جواب ادب اور سلیقہ بڑا پسند آیا۔ اس نے کہا۔ یہ نینوں شکار ہم نے تجھے دے دئے۔ ہم اور ہمارے لیں گے۔ نوٹھی نے شیر سے جدا ہو کر سجدہ شکر ادا کیا۔ کہ اگر پہلے شیر مجھ سے سواں کرتا اور میں بھیڑیے جیسا جواب دیتی تو میرا بھی وہی حشر ہوتا۔ جو بھیڑیے کا ہوا۔

اس حکایت سے تین اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں (۱) ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ کہ میں اس نے آخر وقت میں پیدا کیا۔ اگلی امتوں پر عذاب نازل ہوئے جن سے ہم عبرت حاصل کر کے بدیوں سے بچ سکتے ہیں (۲) نشانِ عقلمندی یہی ہے کہ دوسروں کی کمزاری سے حاصل کریں۔ (۳) خود عرض آؤنی محروم رہتا ہے۔ اور بے عرض اخلاص سے کام کرنے والے کی ہر جگہ عزت ہوتی ہے۔ ۵

بس سپاسی اور اکہ مارا درجہاں کرد پیدا از پس پشینیاں
تا کہ مانہ حال آں گرگان پیش بچو رو بہ پاس خود و ارمیم پیش
عاقل از سر بہند این ہستی و باد چوئی شنید انجام فرعون و عاد
ورنہ بہند دیگر آں از حال او عبرتے گیرند از افعال او

اونٹ کا رہبر چو ہاؤ

ایک اونٹ جنگل میں پھلا جاتا تھا۔ اس کی ہمار زمین پر گھسیٹتی چلی جاسکتی تھی۔ ایک چوہے نے اسے دیکھا۔ تو دل میں کہا کہ اس کو یوں کھلا چھوڑنا ٹھیک نہیں۔ اس کی ہمار تمام لینا چاہئے۔ تاکہ یہ شہر بے ہمار نہ کہلائے۔ پس اس نے دوڑ کر اس کی ہمار منہ میں لے لی اور آگے آگے روانہ ہو پڑا۔ اونٹ نے بھی اس سے مذاق کیا۔ اور پیچھے پیچھے بنے نکلے ہو گیا۔ راہ میں دریا آگیا۔ چو اتنا پانی دیکھ کر ٹھٹکا۔ اور اونٹ کا منہ نکھار مارا۔

اونٹ نے تجاہل عارفانہ سے پوچھا۔ اے میرے راہبر! تو اس قدر کمیوں ڈر گیا چوہے نے شرمندگی سے کہا۔ بھائی! یہ پانی دیکھ کر میرا دل دہل گیا ہے۔ اونٹ نے کہا تو نہ ڈر۔ میں ابھی دیکھ کر بتاتا ہوں۔ کہ پانی کتنا ہے۔ اونٹ دریا میں پھلا گیا اور بولا چوہے! آج۔ پانی پیا ب ہے۔ دیکھو میرے زانو تک نہیں ڈوبے۔ تو کیسے ڈوب سکتا ہے چوہے نے کہا۔ واہ بھائی! تم غری کرنا چاہتے ہو۔ جو پانی تیرے زانو تک

گہرا ہے۔ وہ میرے سر سے سوگزا دینی پہنچے گا۔

گرتا زانو است اے پڑھنتر مر مر اصد گز گزشت از فرق سر
اونٹ نے طنز سے کہا۔ واہ چوہے واہ۔ اسی رتے پر تم میرے پیشوا بنے تھے۔ !!
ایندہ دعلوی ہمہری اپنے جیسے چوہوں سے گزنا کسی اونٹ کے منہ نہ آنا ہے
تو میری ہاشمیل خود موٹاں لیکن ہاشمیر موش را بنود سخن
چوہے نے کہا۔ میری توبہ۔ آئندہ ایسی جرأت نہیں کروں گا۔ اب خدا کے لئے مجھے
پار اتار دے۔ اونٹ کو رحم آگیا۔ بولا کہ آمیری بیٹھ پر بیٹھ جا۔ میں تیرے جیسے
لاکھوں چوہوں کو پار اتار سکتا ہوں۔

اپنی گزشتن شد مسلم مر مرا بگزرا تم صد ہزاراں چوں نرا
مولانا فرماتے ہیں

چوں پیمبر نیستی پس روبراہ تارسی از چاہ روزے تو بجا ہ
تور عینت باش چوں سلطان نہ نک مراں چوں مرد کشتیمان نہ
چونکہ از ادیت نامد بندہ باش ہیں مپوش اطلس رودر زندہ باش
انصوار گوش کن خاموش باش چوں زبان حق تلشتی گوش باش
در بگوئی شکل استفسار گو! ہاشمیشاہاں تو مسکین وار گو
خدمت اکسیر کن مہس دار تو! جو رمی کش اے دل از دلدار تو
یعنی جب تم بادشاہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو رعیت بنکر گزارہ کرو اور
خدمت گزار ہی سے عزت حاصل کرو۔

نوار زم شاہ اور اس کا مصاحب

نوار زم شاہ کا ایک مصاحب بڑا فداکار اور جہان نثار تھا۔ اس کو بادشاہ سے ایسا
ہی عشق تھا جیسا کہ پروانہ کو شمع سے۔ ایک دن اس سے ایک نعرش ہو گئی۔ جس پر
بادشاہ سخت ناراض ہوا۔ غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اور نوار کھینچ کر آگے بڑھا۔ تاکہ
مصاحب سے ستر تن سے جدا کر دے۔ یہ دیکھ کر دربار میں ایک سٹاٹا سا بھاگیا۔ کیونکہ
قصور اتنا بھاری نہ تھا۔ کہ مصاحب و اسب القتل ٹھہر نہ سبھی چاہتے تھے۔ کہ بادشاہ

کو قتل سے روکیں۔ مگر اس کے خوف سے کسی کو جرأتِ شفاعت نہیں ہوتی تھی۔
 اس وقت دربار میں عماد الملک بھی تھا۔ جسے بڑھاپے نے نہایت ناتواں کر رکھا
 تھا۔ وہ لپک کر آگے بڑھا۔ اور غضبناک بادشاہ کے سامنے اپنی گردن خم کر کے کہنے لگا میں
 حضور کو مصاحب کی طرف نہیں بڑھنے دوں گا جہنم کے پیلے مجھے قتل نہ کر لیں میں
 نے بادشاہ کا منگ کھا کھا کر سر سفید کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ بادشاہ کی گردن پر
 نالائق خون چڑھے۔ امید ہے بادشاہ میری عرض کو قبول فرماتے ہوئے لہ اودہ قتل
 پر باز رہے گا۔

یہ سنکر بادشاہ کا قہر دھیمّا پڑ گیا۔ اس نے تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور عماد الملک
 کو اٹھ کر گلے سے لگالیا۔ اور اس سے ہاتھوں کو چوبا۔ اور کہا میں نے مصاحب کی
 خطا معاف کی۔ بے شک تعجیلِ شیطانی کام ہے۔ اور میں اس پر نادم ہوں
 مصاحب کو عماد الملک نے موت کے منہ سے بچایا تھا۔ اس کیلئے لازم تھا۔ کہ
 اس کے پاؤں دھو دھو کر پیتا اور تا عمر اس کا خادم بنارہتا۔ مگر اس نے اس کے
 برعکس عمل کیا۔ عماد الملک سے کلام کرنا ترک کر دیا۔ لوگوں میں اس کا ہیر چا ہوا تو
 سب اسے لعنت ملا مت کرنے لگے کہ تو عجب آسمان فراموش اور ناشکر ہے کہ
 اپنے نجات دہندہ سے منحرف ہو بیٹھا۔ مصاحب نے کہا یہی خوب عاشقانہ جواب دیا کہ
 شاہ آقا اور میں بندہ شاہ کا جو وہ کرتا مجھ کو سب منظور تھا
 بخشایا مارتا اس کی خوشی اس نے میری بات کر دی کر کری

ایک بھینگی اور ابن سینا

ابن سینا سے ایک راوی صادق بیان کرتے ہیں کہ میں (ابن سینا) کبھی کسی سے
 قائل نہیں ہوا۔ مگر ایک خاکروب (بھینگی) نے مجھے لاجواب کر دیا۔ واقعہ یوں ہے۔
 کہ میں ایک صبح سیر کو بہار تھا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک بھنگی کوڑی پر سے گندگی دھو
 رہا ہے۔ اور بڑے شوق سے اس مضمون کے شعر پڑ رہا ہے۔
 بھانک مت اے نفسِ ذلت کی طرف جی اگر جینا ہے۔ باغِ و نثر
 بچھ کو اودہ و ناعت سے کبھی ہونے میں دوں گا نہیں نازندگی

میں یہ شعر اس سے سنکر بڑا متعجب ہوا۔ کہ یہ شخص کام کیا کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے ؟
 غلاظت ڈھونا اور دعویٰ شرافت کرنا عجب حماقت ہے مجھ سے رہا نہ گیا جتنا بچہ میں نے
 اسے کہہ ہی دیا۔ کہ اپنا کام دیکھ اور سوچ کہ تو اس دعویٰ میں کہاں تک حق بجانب ہے
 بھنگی یہ سنکر بولا کہ اے ابن سینا! آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ اس طرح بات کریں۔
 اتنے بڑے فاضل۔ عاقل۔ کامل۔ فلسفی اور ادیب ہو کر آپ بادشاہوں کے حضور قصور
 داروں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں اور کچھ عزت اور شرم محسوس نہیں کرتے۔
 اہ! آپ نے اپنے علم و ہنر کو بے لگا دیا۔ اور شرافت کی لٹیا ڈھونڈی۔ اگر خود داری رکھتے تو بادشاہ
 اور وزیر خود آپ کے پاس پیچھے پلے آتے۔ دیکھو میں کسی کا غلام نہیں۔ اپنی نیند سوتا ہوں اور
 اپنی نیند اٹھتا ہوں۔ شریف وہی ہے جو اپنے دست و بازو سے کما کر کھائے اور کسی کے آگے
 ہاتھ نہ پھیلائے۔ مزدوری کا کام خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو وناوت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔
 شرافت انسان کی ذات میں ہے۔ کام میں نہیں۔ انسان کو ایسا وطیرہ اختیار کرنا چاہیے۔
 جس سے لوگوں کی نظروں میں خوار نہ ہو۔ خاکروبی ذلیل پیشہ سمجھا گیا ہے حالانکہ نوکری
 اس سے ذلیل تر ہے۔ اور گدا کی سب سے ارذل۔ اے ابن سینا! انوس۔ آپ کو ابھی
 تنگ عزت و دلالت میں تمیز نہیں۔ یہ سنکر میں لاجواب ہو گیا۔ اور میرے پاؤں بٹنم کے
 مارے زمین میں گر گئے۔ اس آواز کو ناس (دعلاں خور) نے جو کہا اس کی تردید میں کسی
 خوشامدی اور غلام کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

محنت مزدوری۔ نوکری اور درپوزہ گری سے بدرجہا بہتر ہے

چانٹا لگانے اور کھانے والا !

ایک شخص نے دوسرے کے ٹانٹ پر اس زور سے چانٹا لگایا کہ اس سے تڑاق کی آواز
 نکلی۔ اس کو ضرب بڑی شاق گزری۔ شدت درد سے بیتاب ہو کر وہ بہت تڑپا اور مرنے مارنے
 پر تیار ہو گیا۔ اس نے استغاثیں چڑھالیں۔ اور آگے بڑھ کر اسے جواب میں چانٹا سید کرنے
 ہی کو کہا کہ مارنے والا کہنے لگا۔ کہ میں مار کھانے کو حاضر ہوں۔ مجھے پہلے اس بات کا جواب
 دے کہ یہ تو تڑاق کی آواز تو نے سنی۔ وہ ترے نزدیک کسی چیز کی تھی۔ وہ میرے ہاتھ سے
 نکلی۔ یا ترے سر سے پیدا ہوئی۔ مار کھانی والا بولا۔ کہ مجھے درد ہو رہا ہے میری جان پر بنی

نی ہوئی ہے ایسی حالت میں تجھے اتنا سوچنے کی فرصت کہاں۔ کہ آواز نکلنے کے مقام کا پتہ لگاؤں۔ مجھے حلد ایک چائٹا لگانے دے تاکہ تجھے بھی غور و فکر کا موقع ملے پھر ہم دونوں چائٹے کھائے ہوئے مل کر یہ مسئلہ حل کر لیں گے۔ کیونکہ اپنی گردن جیھی دکھائی دے سکتی ہے۔ جب بالمقابل دو شیشے دکھے جائیں۔
دوسرے کی تکلیف کا احسان جیھی ہو سکتا ہے۔ جب خود تکلیف میں پڑیں

نفع و نقصان سے بے پرواہ شخص

ایک شخص نے ایک درویش سے پوچھا کہ شاہ جی! آپ کی زندگی کس طرح گزرتی ہے آپ نے جواب دیا۔ کہ اس کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی حکومت کو زوال نہیں جس کے احبار سے پر دنیا چلتی ہے۔ آسمان۔ دریا۔ سارے اور ہوا۔ رات دن جس کے حکم میں ہیں آدمی دھول و طہور اور جن ملک جس کے تابع رہنا ہیں جس کے ارادہ پر تمام دنیا کے کاروبار کا انحصار ہے۔

سائل نے سن کر کہا۔ کہ واقعی آپ کا رتبہ اس سے بھی بڑھ کر ہے مگر اس کلام کی ذرا تشریح کر دیجئے۔ تاکہ میری سمجھ میں آجائے۔
آپ نے فرمایا بات بالکل سیدھی ہے اس میں کچھ پیچیدگی نہیں۔ جو یہ یقین رکھتا ہو۔ کہ خالق کے حکم سے باہر کوئی نہیں۔ نہ اس کے حکم بغیر پتہ ملنا ہوتا ہے۔ وہ دم بھر میں عدم کو موجود اور جہاں کو فنا کر سکتا ہے۔ جو دوستی اور دشمنی جیسے لکھ کر جو خدا ہی کے لئے جئے۔ اور مرے۔ جس کے دل میں نہ دوزخ کا خوف ہو نہ جنت کی خواہش۔ بس ایسا بے ریا انسان کل دنیا پر حکمران ہوتا ہے۔ جو شخص نفع و نقصان میں راضی برضائے الہی ہو وہ نہ آرام سے بگڑتا ہے نہ تکلیف سے گلہ و شکایت کرتا ہے مسلم وہی ہے جو منائے خدا کے سامنے گردن تسلیم خم کر دے۔ اس کی کشتی اگر دریا سے پار ہو جائے تو وہ شکر کرے گا اور اگر بیچ میں ہی ٹوٹ جائے۔ تو وہ ذرہ بھر میل دل پر نہ لائے گا۔ کیونکہ اس کے دل میں یقین کامل ہو گا کہ قادر مطلق برا نہیں کرتا ہے

مہر نوشت مابہرست خود نوشت خوش نویس است اوخواہد بد نوشت



بے نماز آقا کا نمازی غلام

اگلے وقتوں میں کہیں ایک امیر بڑا نیک تو نیک رو اور قابل تھا۔ مگر شامت اعمال سے اس میں کاہلی رستی بہت تھی۔ امور دینی میں وہ اور بھی کابل تھا۔ خالق کے اگے سر بسجود ہونے سے وہ بڑا دم چڑاتا اور بھول کر بھی مسجد میں قدم نہ رکھتا۔ اس کا ایک منہ بڑا غلام سنقر نام سستی اور دینداری میں بالکل آقا کی ضد تھا۔ ایک صبح غسل کا ارادہ کر کے آقا غلام کی جانب نیل رومال اور صابن لے کر روانہ ہوا۔ راہ میں مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ سنقر نے کہا آقا! مجھے فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دیجئے۔ میں ابھی فارغ ہو کر واپس آتا ہوں۔ امیر نے کہا۔ میری طرف سے بے فرض ادا کرنے کی نصیحت ہے۔ میں باہر بیٹھتا ہوں۔ میرے لئے بھی دعا کرنا۔

امیر نے گھڑی بھر اس کا انتظار کیا۔ مگر سنقر نہ آیا۔ اور سب نمازی فارغ ہو کر نکل آئے ایک گھڑی اور انتظار کر کے امیر نے در مسجد پر جا کر آواز دی کہ اے سنقر! تیرا دامن وہاں کسی نے سی دیا۔ سنقر بولا۔ ایک ساعت ٹھیرے۔ مجھے باہر آنے نہیں دیتے آقا نے پوچھا۔ کون آنے نہیں دیتے۔ سنقر نے کہا۔ مجھے وہی باہر آنے سے روکتا ہے۔ جو تجھے اندر آنے نہیں دیتا ہے۔

آئندہ نگذار و نرا کا کئی دروں	فی نہ بگذار و مرا کا کیم بروں
ماہیاں را بخر نگذار و بروں	خاکیاں را بخر نگذار و بروں
اصل مای ز آب حیوان از گل است	حمیلہ و تدبیر آنجا باطل است
فصل زلفت است و کشا بندہ خدا	دست و تسلیم زن و اندر رضا
چوں فراموش شد و تدبیر خویش	یابی آن بخت جوں از پیر خویش
از خودی بگذر کہ تا یابی خدا	فانی حق شو کہ تا یابی بہت
گر ترا باید وصال راستین	موشو و اللہ علم بالیقین

یعنی سب کچھ اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے۔ حمیلہ و تدبیر سے کچھ نہیں ہو سکتا جو ان خودی پھوڑ دے۔ وہی واصل باللہ ہو کر بہت حاصل کر سکتا ہے۔

ایک چور اور اس کا ساتھی

رات کے پچھلے پہر ایک شخص کو اپنے گھر میں کسی کے پہننے پھرنے کی آہٹ محسوس ہوئی
انکھ کھول کر اس نے دیکھا کہ چور بچر رہا ہے۔ اور اس جستجو میں ہے کہ کوئی چیز بے تواسے
اڑا کر لے جائے۔ اس نے ہمت کر کے چور کو پکڑ لیا۔ چور نے زور لگایا۔ اور دامن چھڑا کر
بھاگ گیا۔ یہ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ اور آخر اس کو گردن سے پکڑ کر اپنے آگے دھک لیا۔
چور کا ایک ساتھی بھی چھپا کھڑا تھا۔ اس نے اس گھروالے کے مکان کے پاس کھڑے
ہو کر آواز دی۔ کہ صاحب! دوڑ کر آؤ۔ میں اکیلا ہوں۔ اور چور دو ہیں۔ یہ سن کر
اس نے گرفتار شدہ چور کو تو چھوڑ دیا۔ اور گھر کی طرف دوڑ آیا۔ کہ کہیں چور اس کے بال
بچوں کو زمار ڈالیں۔

گھر کے پاس اس نے ایک آدمی کھڑا پایا۔ پوچھا۔ چور کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا
یہیں کہیں ہونگے یہ دیکھو ان کے قدموں کے نشان۔ آؤ دونوں مل کر ان کو ڈھونڈ لیں
اس نے نشان دیکھے تو معلوم ہوا کہ ایک تو اس کے اپنے پاؤں کے نشان ہیں اور دوسرے
اس چور کے جس کو ابھی اس نے چھوڑا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص یا تو چور
کا ساتھی ہے اور اس نے مجھے جک دے کر اپنے ساتھی کو بھڑایا ہے۔ یا بے وقوف ہے
اور کف دست پاکے نشان دیکھ کر اپنی طرف سے بطور خیر خواہی مجھے بلایا ہے خواہ کوئی
صورت بھی ہو۔ قصور میرا ہی ہے۔ کہ میں نے قابو میں آئے ہوئے چور کو چھوڑ دیا ہے
اس پر پتہ تھا سب سے دھیر نہ رہا اے فلاں! من حقیقت یا قسم یہ بود نشان
صنع بنیدم در محبوب از صفات در صفات اُس سے کہ گم کرد ذات
واصلال چوں غرق ذات اندا اے سپر کے کند اندر صفات او نظر
یعنی میں نے حقیقت کو پالیا تھا۔ مگر نشان کے پیچھے لگ کر اسے چھوڑ دیا صنعت پر
اسی شخص کی نظر ہوتی ہے۔ جو صنعت اور صنعت والے سے خوب ہو اور جو اس میں
گم ہو وہ صفات کی طرف دھیان نہیں کرتا ہے

چونکہ اندر قعر جو باشد سمرت کے رنگ اب اُفتد منظر
چو شخص دریا کی تہ میں بیٹھا ہو۔ اس کو پانی کا رنگ نظر نہیں آتا۔

ایک دنبہ والا اور چور

ایک شخص نے شوق سے دنبہ پال رکھا تھا۔ دنبہ اس سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ جہاں یہ جاتا دنبہ اسی کے پیچھے پیچھے دوڑا کرتا۔ ایک دن وہ اس کے پیچھے اس طرح چلا جا رہا تھا کہ ایک اچکے نے دیکھ لیا۔ اور دنبہ کو لے اڑا۔ اس نے پیچھے مڑ کر جو دیکھا۔ تو دنبہ غائب تھا۔ اس نے تلاش میں ادھر ادھر بھاگنا شروع کیا بد معاش نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اور فوراً ایک کوئیں پر بیٹھ کر رونے لگا۔ دنبہ والا اس کے پاس آیا اور پوچھا اس قدر روتے کیوں ہو۔ کہا۔ کیا تاؤں تمام عمر کی کمائی لٹ گئی۔ ساری عمر میں پانچ سو دینار جمع کئے تھے چو ایک تھیلی میں بند تھے۔ کوئیں سے پانی نکالنے لگا۔ تو تھیلی اس میں گر پڑی۔ اگر کوئی غوطہ زن اسے نکال دے تو اُدھے دینار دینی یعنی اڑھائی سو ملے۔ دنبہ والے کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کہ خدا نے میری قسمت کھول دی۔ ایک دنبہ گیا اور بیسیوں مل گئے۔ اسی دم جوتا اور کپڑے اتار کر کوئیں میں اتر گیا۔ اور لگا غوطے مارنے۔ چور نے موقع کو غنیمت جانا اور وہ دنبہ جھت پالوش اور پارحیات لے کر ہوا ہو گیا۔

دنبہ والا ڈکیاں لگا لگا کر تنگ کیا۔ بولا۔ تھیلی والے تھیلی نہیں ملتی۔ اوپر سے کوئی جواب نہ آیا۔ باہر آیا تو دیکھا کہ نہ صرف وہ آدمی غائب ہے بلکہ اس کے کپڑے اور نعلین کا بھی پتہ نہیں اب لگانے پاؤں اور برہنہ تن ادھر ادھر بھاگنے لگے حرامی ہاتھ نہ آیا اس نے طمع سے دنبہ بھی گنوا یا اور دوسری چیزوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ جو شخص تھوڑی چھوڑ کر زیادہ کالا بچ کر رہا ہے وہ بالکل محروم رہتا ہے۔

ایک ہاتھی اور چار شوقین

چند ہندوستانی ملک ایران میں نمائش کے لئے ایک ہاتھی لے گئے۔ اسے ایک ایک تاریک گھر میں داخل کیا گیا تاکہ اسے کوئی بے دے نہ دیکھے۔ چار شوقین رات کو ہاتھی دیکھنے آئے۔ انہیں کہا گیا کہ یہ دیکھنے کا وقت نہیں ہے انہوں نے اصرار کیا کہ ہم ابھی دیکھیں گے۔ اور بخدا دیکھ کر ٹلےں گے۔ یہیں چراغ کی حاجت نہیں جو مانگو لے لو۔ مگر ہاتھی

ابھی دکھا دو۔ چنانچہ ایک ان میں سے ہاتھی کے قریب گیا۔ اس کا ہاتھ اس کی سونڈ
 (درخوٹوم) سے جبا لگا۔ وہ باہر آکر کہنے لگا۔ ہاتھی نلکے کی طرح گول مخروط اور لمبا ہے دوسرا
 اندر گیا۔ تو اس کا ہاتھ اس کی ٹانگوں پر پڑا۔ وہ بولا۔ میں نے ہاتھی دیکھ لیا۔ ہاتھی سنتوں
 کی طرح ہے تیسرے نے اس کے کانوں کو چھوا۔ اور کہا ہاتھی تو بٹیکے اور پھاج کی طرح ہے
 ہاں کچھ چوڑا اور نرم سا ہے۔ چوتھے کا ہاتھ اس کی پشت پر پڑا۔ تو وہ بولا۔ کہ ہاتھی تو
 تخت کی مانند ہے۔ اگر ان کے ہاتھ میں شمع ہوتی تو ان میں اختلاف نہ ہوتا۔
 درگھ ہر کس اگر شمعے بدے اختلاف از گفت شاں بیرون شدے
 دنیا داروں میں جو باہمی اختلاف ہے۔ وہ بہالت کی تائیدی کی وجہ سے ہے اگر وہ
 نورِ علم سے مستیز ہوں۔ تو نہ لڑیں نہ جھگڑیں۔

مکان کی تلاش میں ایک دوست کی مدد

ایک امیر آدمی ایک شہر میں وارد ہوا۔ وہ ایسے گھر کی تلاش میں تھا جو ہر طرح آرام دہ ہو
 اسے کثرت ہو۔ دار۔ اونچی پھتوں والے سایہ دار درختوں سے آراستہ۔ فوارہ دار خوش سے
 پیرائے مکان کی ضرورت تھی۔ وہ ایسا گھر لینا چاہتا تھا۔ جس میں نوکروں کے کمرے بھی ہوں
 دیوان خانہ اور اصطبل بھی ہو۔ اس نے سارا شہر چھان مارا۔ مگر کوئی مطلب کا گھر نہ ملا۔
 اتفاقاً ایک کوچے میں ٹکڑا ہوا۔ اسے ایک پرانا ہم جماعت دوست مل گیا۔ دونوں
 بڑے تپاک سے گلے ملے۔ اور ایک دوسرے کو مل کر بڑے خوش ہوئے۔ دوست نے
 پوچھا۔ بھائی مجھے کوئی خدمت بتاؤ۔ اس نے کہانی الحال مجھے ایسے مکان کی تلاش ہے
 جو میری تمام ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ دوست نے کہا۔ یہ کونسا بڑا کام ہے۔ میرے
 ہمسایہ میں سی ایک ایسا مکان ہے جس کی تمہیں تلاش ہے اگر وہ ویران اور خراب
 نہ ہو گیا ہوتا۔ تو وہ اپنی نظیر آپ تھا۔ شہر بھر میں اس جیسا لمبا چوڑا آرام بخش مکان نہ تھا
 اگر اس کے بڑے والان پر چھپت ہوتی۔ اگر اس کا باورچی خانہ اور دبیز سی سالم ہوتی۔
 اگر اس کا مردانہ ثابت اور زنا نہ قائم ہوتا۔ اگر اس کا تہ خانہ گرنے پڑھتا۔ اگر اس کی پھلی دیوار
 منہدم نہ ہو جاتی۔ اگر اس کا غسل خانہ شق نہ ہوا ہوتا۔ اگر اس کا چمن اور لہلہاتے ہوئے
 پھول پڑمردہ نہ ہو گئے ہوتے تو اس سے بہتر مکان ملنا دشوار تھا۔

دوست کی یہ بات سن کر اس متلاشی مکان نے جواب دیا۔ بھائی! میں اپنی مہربانی کا ممنون ہوں۔ مگر مجھے تو مکان چاہیے۔ اگر مگر سے میری ضرورت پوری نہیں ہو سکتی آپ نے تو ب میری مدد کی! یہ

گر مگر کہنا نہیں مردوں کا کام
کام ہیں شرطوں سے رہتے ناتمام
ہے یہ قول خاتم پیغمبر ال
لفظ یہ کم ہمتی کے ہیں نشان

گدھوں کی بیگار اور انسان کا خوف

ایک طرف مرد اپنے گھر کے دروازے میں کھڑا تھا۔ دیکھتا کیا ہے۔ کہ ایک شریف مٹو انسان "الفربہ خواہ مخواہ معتبر" مشین شکیل۔ دراز ریش۔ عالموں کا سامعہ زیب سر۔ شملہ چھوٹا ہوا تاکر۔ لمبا جببہ پاؤں تک لٹکائے۔ قبلہ منائے مٹی اٹکائے دوڑتا اپنتا ہوا آ رہا ہے۔ ظریف نے پوچھا۔ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ جس کے خوف سے بدن کانپ رہا ہے۔ لب خشک اور پھرہ زرد کیوں ہے۔ مگر وہ شخص اس قدر خوف زدہ تھا کہ بات بھی اس کے منہ سے نہ نکلتی تھی۔ آخر حوصلہ اور تسلی دینے پر بولا۔ صاحب! میں نہ چور ہوں نہ خون۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ گدھے بیگار میں پکڑے جا رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے بھی نہ پکڑ لیں۔ خدا کے لئے مجھے بچا لو۔ یہ

گفت می گید خراسان علم چوں نہ خرد و ترازیں حیثیت غم
ظریف نے کہا۔ کہاں گدھے کہاں تم حیثیت! نذر معتبر انسان۔ کیا بیگار پر پکڑنے والے گدھے ہیں۔ کہ تمہیں گدھا سمجھ کر پکڑ لیں گے؟ اس نے جواب دیا۔ سب آدمی آپ جیسے مردم شناس نہیں ہوتے۔ اگر وہ مجھے پکڑ کر لے جائیں اور سرکار میں جا حاضر کریں واسطہ بے تمیزوں سے پڑھ جائے۔ تو میں پھر آپ کو ڈھونڈنا پھروں گا۔ کہ حضرت آئیے۔ اور مجھے چھڑوائیے یہ

چونکہ بے تمیز و ناداں سروراند صاحب خراسان بجائے خر برد
انسان کے لئے ہر حال احتیاط لازم ہے۔ خواہ کوئی خود کتنی ہی نیک ہو اسے بروں سے بچھ بھی ڈرتے رہنا چاہئے۔ تاکہ وہ نیش زنی نہ کر سکیں بچھو کسی دشمنی کی وجہ سے ٹنگ نہیں مارتا بلکہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر مارتا ہے۔

اپنے پر نوچنے والا مور کا

دشمن طاؤس آمد پر او ! اے ہاشمہ راہبشتہ فر۔ او
ایک طاؤس دمور اہنگل میں کھڑا اپنے خوبصورت پر نوچ نوچ کر چھینک رہا تھا۔ ایک
عقلمند یہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا۔ اور بولا۔ اے طاؤس! تیرا دل کس طرح گوارہ کرتا ہے
کہ تو اپنے ایسے خوبصورت پروں کو اکھاڑ کر چھینکے۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ لوگ ان پروں
کو بڑے ذوق شوق سے اکھاڑ کر ان مجید جیسی مقدس کتاب کے اندر رکھ لیتے ہیں۔
اور محبوبان جہاں ان کے پیکے بنا کر اپنے خوبصورت پروں کو مودیتے ہیں۔ یہ تیری بڑی
ناشکری اور گستاخی ہے۔ کہ صالح کی ایسی رفیقش و نگار خیز کو باقدر و بقدرت ہی کھانے کر رہا ہے
مور یہ سن کر منہ سے کچھ نہ بولا۔ ہاں۔ اس کی آنکھوں سے خود بخود آنسو رواں ہو گئے چونکہ
وہ درود دل کا پتہ دیتے تھے۔ اس لئے سب اس اشک ریزی سے متاثر ہوئے۔
گریہ باصدق بر جاہل زندقہ تاکہ چرخ و عرش را گریاں کند
گریہ بے صدق بے شورش بود دیوزاں بر گریہ اش خنداں شود
جب آنکھوں کی راہ وہ اپنے دل کی آگ نکال چکا۔ تو بولا۔ اے دانا انسان اب میری
بات بھی سن لے۔ تو میرے خوشنما پروں کو دیکھتا ہے۔ مگر میں اپنے عیبوں کو دیکھ کر شکار
ہوں۔ نہ میرے گوشت میں مزہ ہے۔ نہ پائوں میں خوبصورتی۔ لوگ میرے پروں کی تعریف
کرتے ہیں۔ اور میں اپنی زشت پائی سے تھیل (شرمندہ) ہوں۔ صرف میرے پر ہی میں شکار
لئے شکاری میری تلاش میں رہتے اور مجھے مار گراتے ہیں۔ کاش! گوشت اور پائوں کی طرح
میرے پر بھی خراب ہوتے۔ اور میرا نیلگوں گردن بھی بد صورت ہوتی تاکہ میں شکار یوں
کانش نہ بنتا۔ میں اپنی دم کے پر نوچ نوچ کر چھینک رہا ہوں تاکہ مجھے لذت و رادیکھ کر
شکاری میری جان ستانی کے درپے نہ ہوں۔

چوں زگریہ فارغ آمد گفت رو کہ تو ہستی رنگ و بوئے را گرو
آں نمی بینی کہ ہر سو صد بلا سوئے من آید پیئے ایں بالہا
چوں ندارم ز در ضبطہ خوشنما زیں قضا و زیں بلا و زیں قتن
آں نہ آید کہ شوم زشت و کرہیہ تا بوم امین دریں کہار و ریشہ

نزد من جاں بہتر از بال و پر است جاں بماند باقی و تن ابرتر است
پس بہز آمد ہلاکت خام را کز پیے دائرہ بند دام را
اختیار آن را نکو باشد کہ او مالک خود باشد اندر اَعُوْذُ اللہُ حَقَّ تَعَالٰی
چوں نباشد حفظ و تقوای زینہار دور کن آلت رہا کن اختیار
جلوہ گاہ و اختیارم این راست برکنم رر را کہ در قصد سر است
یعنی بہز اور اختیار انہی کو سود مند ہے۔ جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں ورنہ یہ بہز اور
اختیار ان کے لئے ویسا ہی وبال جان بن جاتا ہے۔ جس طرح مور کے لئے پر۔

چوہے اور مینڈک کی دوستی

اے فغان از یارِ ناجنس اے فغان ہم نشین نیک جوئید اے مہاں
ایک چوہا اور مینڈک بڑے یکے دوست بلکہ پگڑی بدل بھائی بنے ہوئے تھے۔ انکی گہری
دوستی کو دیکھ کر دیکھنے والے کہتے تھے۔ کہ وہ دو قالب ایک جان ہیں۔ ان میں اس قدر
محبت تھی۔ کہ وہ ہر وقت اکٹھے رہا کرتے تھے۔ اور ایک لحظہ بھی جدائی کو ارا نہیں کر سکتے
تھے۔ ایک دن چوہے نے کہا بھائی مینڈک! جب تو پانی میں چلا جاتا ہے۔ تو میں کنارے پر
کھڑا تجھے بلاتا رہتا ہوں۔ مگر میری آواز تجھے نہیں پہنچتی۔ میرا چلاتے چلاتے گلا بیٹھ جاتا ہے
جب تیری طرف سے کوئی جواب نہیں آتا۔ تو میری جان کو بڑا عذاب ہوتا ہے۔ مجھے ایک
تجویز بھی ہے اگر تو بھی اسے پسند کرے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے
ایک سرے میں میری ٹانگ بندھی ہو۔ اور دوسرے میں تیری۔ جب میں ملنا چاہوں۔ تو
ذرا سا اسے کھینچ دوں اور تو اشارہ پا کر باہر نکل آئے۔

مینڈک نے کہا یہ تجویز معقول ہے۔ وہ دیکھ سامنے جو لاپے کا گھر ہے۔ اس کے
تالے سے ایک لمبا اور مضبوط تار کاٹ لا۔ اس سے ہم اپنی ایک ایک ٹانگ باندھ لیں
گے۔ چوہا فوراً دوڑا گیا اور وہاں سے ایک تار لے آیا۔ دونوں نے ٹانگیں باندھ
لیں۔ چوہا تو بل میں ٹھس گیا اور مینڈک پانی میں چلا گیا۔

ایک کو اسب ماجرا دیکھ رہا تھا۔ وہ خوش ہوا کہ خوب زباں لگا۔ وہ فوراً لپکا اور
تار چوینچ میں لے کر اوپر اڑا۔ اس سے دونوں اپنی جگہ سے کھینچے پھلے آئے۔ دیکھنے والے

تعجب کرتے تھے کہ کوئے نے اینڈک کو پانی سے کس طرح نکال لیا۔ ایک دانہ آدمی پاس کھڑا تھا۔ اس نے کہا یارو! اس کو ناہنس کی صحبت لے ڈوبی ہے۔ پانی میں رہنے والے نے خشکی کے بانور سے یار اندگانہ نتیجہ یہ ہوا کہ بہان گنوا بیٹھا۔ اب کو اس کو بھی پوچھ کے ساتھ نوچ نوچ کر کھانے لگا۔ اس واقعہ سے سبق حاصل کرو۔ کہ ناہنس کی صحبت ہمیشہ ہلاکت اور نقصان کا موجب ہوتی ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔

گدھا گھوڑوں کے اصطبل میں

ایک غریب سقے کا بڑا دبلا تیل گدھا تھا۔ وہ اتنا لاغر ہو گیا تھا کہ اگر زور سے سواہلتی تو اڑا کر دور پھینک دیتی پشت پر جا بجا زخموں کے غار پڑ گئے۔ اور ان میں بے شمار کپڑے پھیل رہے تھے۔ وہ دو قدم بھی بغیر ٹھوکر کھانے کے نہیں چل سکتا تھا۔ ایک اصطبل کے داروغہ نے اسے دیکھ کر سقے سے پوچھا کہ تمہارا گدھا اس قدر ناتوان کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں مفلس آدمی ہوں۔ جب مجھے کھانے کو نہیں ملتا۔ تو گدھے کو کیا کھلاؤں؟ فاقوں نے اسے تحیف کر رکھا ہے۔ داروغہ نے کہا اسے ایک مہینہ میرے اصطبل میں چھوڑ جاؤ۔ پھر دیکھنا یہ گدھا کیا رنگ لاتا ہے۔ چنانچہ وہ گدھے کو اپنے اصطبل میں لے گیا اور اسے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر گھاس اور دانہ کھلانے لگا۔ وہاں گھوڑوں کے ساتھ ہر روز اس کی بھی مالش ہونے لگی۔ بھنگی اگر اس کے کھڑے ہونے کی جگہ صاف اور سقے چھڑکاؤ کر جاتے۔ پس خوردہ خرید اور لید فوراً اٹھالی جاتی اور اسے تازہ تباڑہ پہاڑ کھلایا جاتا۔ یہ کھاٹھ دیکھ کر بے چارہ گدھا دل میں کہنے لگا کہ اے خدا! اگر یہ نتیجہ سے پوچھنا داخل بے ادبی ہے۔ مگر میں پوچھے بغیر رہ نہیں سکتا۔ کہ مجھ میں اور گھوڑوں میں کیا فرق ہے؟ وہی ہاتھ پاؤں میرے وہی ان کے۔ دونوں کے پیٹ کھانا مانگتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ ایک دوسرے میں اس قدر فرق کیوں رکھا گیا ہے۔ کہ ان کی قسمت تو گھاس دانہ اور مصالحہ اور میری قسمت کوڑیوں پر چرنا اور ڈنڈے کھانا؟

انہی دنوں ایک لڑائی پر اصطبل کے تمام گھوڑے بھیجے گئے۔ جب واپس آئے تو تمام زخموں سے چور تھے۔ وہی بدن جن میں ریشم سی چمک اور چمک جتنی کان سے لیکر دم تک خون میں لکھڑا کر خراب ہو رہے تھے۔ تمام کے جسم تیروں سے پھلنی ہو رہے تھے۔

اور تو ان کی طرح نہ ٹھنکنا تھا۔ تیر جموں میں پوست ہو رہے تھے۔ جن کو نکالنے کے لئے
گھوڑوں کو باندھ کر پھیلا اور تیزوں کو نکالا گیا۔

چوں خراساں را دید پس گفت ای خدا
من بفقیر و عافیت و ادم صفا
ز ان نوامیز ارم و زین زخم زشت
ہر کہ خوابد عافیت دنیا بہشت
گھوڑوں کی یہ تکلیف دیکھ کر گدھا خود بخود پکار اٹھا اور کہنے لگا یا اللہ ابو گدھے میں نے پہلے
شکایت کی تھی۔ وہ سب بکو اس تھی۔ میری اس گستاخی کو معاف کر دے۔ تجھے سقے
کی کھچال۔ کوڑھی پر چرنا۔ بھوک سے مرنا۔ منظور۔ مگر طویلی میں رہنا۔ گھاس اور دان کھنا
اور پھر لڑائی پر جا کر زخمی ہونا گوارہ نہیں۔ خدا یا مجھے بلند طویلی سے نکال۔
انسان کو پتا ہے۔ کہ اپنی استعداد سے اونچا نہ اڑے۔ اور یہ خیال رکھے کہ
”ہر کسے را بہر کارے ساختند“ او ہر کارے و ہر مردے“ بھی پیش نظر رکھے۔

شیر۔ لومڑی اور گدھا

ایک شیر اور ہاتھی آمنے سامنے ہو پڑے۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ ہاتھی
تو شیر کے زخموں کو برداشت کر گیا۔ مگر شیر بری طرح خستہ ہوا اور شکار کرنے سے بھی رہ گیا
کئی دن بھوک میں گذر گئے۔ شیر کے ساتھ دو لومڑیاں رہا کرتی تھیں۔ جو اس کا پس خورد و چھوٹا
کھا کر پیٹ بھر لیا کرتی تھیں۔ جب شیر شکار سے عاجز آ گیا۔ تو یہ باقی خود بھی بھوک میں لگیں۔
شیر نے کہا اگر یہی حالت رہی تو نہ تم جیوگی نہ میں۔ کچھ حیلہ کرنا چاہئے۔ تم ہی سے ایک روباہ
(لومڑی) اس سرسبز جنگل سے پار چلی جاوے۔ اور کسی گدھے یا گائے کو باتوں میں لگا کر
میرے پاس لے آئے۔ میں اسے مار کر کھاؤں گا اور بچا کھچا تم کھا لینا۔

ایک روباہ جو بڑی حیلہ باز اور چالاک تھی۔ آداب بجا لا کر نصرت ہوئی۔ اور ایک
دھوبی کے گدھے سے ملی۔ جو سنگلاخ زمین میں گری پڑی چیز کھا کر اور پانی پی کر موت کے
دن پورے کر رہا تھا۔ بوجھ اٹھا اٹھا کر اس کی پیٹھ زخمی ہو گئی تھی۔ اور فاقوں کے مارے
پیٹ پیٹھ کے برابر ہو گیا تھا۔ روباہ گدھے کے پاس پہنچی۔ اور دونوں میں جو گفتگو ہوئی
وہ سننے کے لائق ہے۔

لومڑی۔ اے بھائی لاغر گدھے سلام۔

گدھا۔ بواؤ علیک السلام۔

لوٹری۔ کب تک اس سنگلاخ اور خشک جگہ میں پڑے مصیبتیں جھیلو گے۔
گدھا۔ اگر میں غم و الم میں مبتلا ہوں۔ تو میں اللہ پرشاکر ہوں جو اس نے قسمت کر
دیا میں اسی پر خوش ہوں۔ خواہ مجھے خیر یا شر میں دوست کا شکری ادا کرتا ہوں گا۔ کیونکہ فقرا
سے عدول ممکن نہیں۔ خدائے اقام نے جو مقدر کر دیا اس کا کلمہ کرنا کفر ہے صبر اکابر
اجر ہے۔ صبر سی سے کشائش ملتی ہے۔ اور صابروں کو جو روج نہیں پہنچتا۔ پرنے پھلیاں
ساںپ اور چوٹیاں اپنی اپنی قسمت کھاتی ہیں۔ سب کار و زی رساں وہی ہے اس کے
خزانے میں کمی نہیں بھوکا کوئی نہیں مرتا۔ نو اگر زندہ دل ہے۔ تو راضی بفقرا ہو۔ دوست
اللہ ہی ہے باقی سب دشمن ہیں۔ وہ احمق ہے جو دشمن کے پاس دوست کا کلمہ کرے تو شکر کرنا
کہ تیری حالت اس سے بدتر نہ ہو جائے۔ ورنہ تو ایسی ہو جائیگی جیسا گدھا دلہل میں
پھنسا ہو۔ مجھے جب وہ دورغ رو ہی دنیا سی مفید سمجھتا ہے۔ تو میں انگبین دشہد کہوں
مانگوں، جتنی نعمت زیادہ ہوگی۔ اتنی ہی غم بڑھے گا۔ خزانے کی طرف جاؤ گے تو ساںپ
کالنے کو دوڑے گا۔ پھول کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے۔ تو کاٹا چھے گا۔ اس دنیا میں
خوشی کے ساتھ غم لگا ہوا ہے۔

گنج بے مار و گلے بے خازنیت شادی بے غم وریں بازارنیت

لوٹری۔ بھائی گدھے! حلال رزق کی تلاش فرض ہے۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے
یہاں بغیر کوشش کے رزق نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ
یعنی اللہ کے فضل سے روزی کی تلاش کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ رزق بند دروازوں اور قفلوں کے اندر ہے۔ یہ قفل اور بند درجھی کھلتے ہیں جب
آدمی کوشش اور کسب کرے۔ بغیر طلب کئے روٹی ملنا اللہ کی سنت نہیں۔ اگر
تو کنویں میں بیٹھا رہے۔ تو تجھے وہاں رزق نہیں پہنچے گا۔

عالم اسباب در رزق بے سبب می نیاید پس مهم باشد طلب
بے کلید این درخت دن نیست بے طلب ناں سنت اللہ نیست
گر تو نبشتی بجای اندرون رزق کے ابدیت اے ذوقی

گدھا۔ بواؤ لوٹری۔ خدائے کوئیں میں بھی روزی پہنچا دیتا ہے بشرطیکہ پورا تو گلی ہو جس

نے جان دی ہے وہ نہ لکھی دے گا۔ دام وودر چوپائے اور ورنڈے سب رزق کھاتے ہیں۔ مگر وہ نہ تو کوئی کسب کرتے ہیں۔ نہ رزق کو اٹھائے پھرتے ہیں سب کو رزاق روزی دیتا ہے۔ اور ہر ایک کی قسمت اسے مل جاتی ہے۔ جو صبر کرتا ہے روزی پالیتا ہے۔ رنج اور کوشش بے صبری کی وجہ سے ہے۔

جملہ راز راق روزی می دہد قسمت ہر کس پر پیش می بند
رزق آیدش ہر کہ صبر جست رنج و کوشش ہا بے صبری تست
لومڑی۔ بھائی گدھے! ایسا تو کل کون کر سکتا ہے۔ یہ تو نادربات ہے نادر کے گرد پھر نا نادانی ہے۔ ہر ایک بادشاہ نہیں بن سکتا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ قناعت ایک خزانہ ہے۔ ہر ایک کو بخشی خزانہ نہیں مل سکتا۔ تو اپنی قدر پہچان اور اپنی قدر سے بڑھ کر قدم نہ رکھ۔ تاکہ تو منہ کے بل نہ گرے۔ کوشش کر اور روزی کی تلاش کے لئے باہر نکل۔ تجھے تو کل کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی۔

صد خود شناس و بر بالا میر! تا بیفتی در نشیب شور و سحر
جہد گن و اندر طلب سعی نما چوں ندر می در تو کل صبر ہا
گدھا بہن لومڑی! تو کیسی الٹی باتیں کر رہی ہے۔ طمع میں بڑی خرابیاں ہیں۔ قانع آدمی کو کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیشہ طمع ہی کی جان بھاتی ہے لالچ سے کوئی بادشاہ نہیں جاتا۔ رزق تو کتوں اور سوروں کو مل جاتا ہے۔ بتاؤ تو سہی کہ یہ بارش جس پر کل رزق کا دار مدار ہے۔ کس کی کوشش اور کسب کا نتیجہ ہے۔ جس طرح تو رزق پر عاشق ہے۔ اسی طرح رزق بھی تجھے پر عاشق ہے۔ اگر تو اس کی طرف نہ دوڑے پھر بھی تجھے مل جائیگا۔ اگر کوشش کرے تو بھی پہنچ جائے گا۔ مگر دوسرے ساتھ سے

آنجنابل کہ عاشقی بر رونق وزار ہست عاشق رزق ہم بر رزق نوار
گر تو نشنا بی بر آید بر درت در تو بشتابی دہد و در دسرت
(گدھا لومڑی کو تاریخی کہانی سناتے)

ایک زاہد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ کوئی پیا ہے یا نہ پیا ہے رزق اس کے پاس عاشق کی طرح خود ہی پہنچ جاتا ہے۔
گر تو خواہی ورنہ خواہی رزق تو پیش تو آید دواں از عشق تو

یہ زائد کرنا کے لئے پہاڑ کے پاس ایک بیابان میں بھلا گیا۔ اور وہاں بھوکا لپٹ لپٹا دیکھا کہ ایسی خطرناک جگہ ایک آدمی پڑا ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ یہ مردہ ہوگا۔ زندہ ایسے پر خطر مقام پر جہاں دشمنوں اور بھڑائیوں کا خطرہ ہے۔ کیوں پڑا سوتا۔ چنانچہ انہوں نے پاس آکر اسے ہلایا اور بلایا۔ مگر جان بوجھ کر چپ رہا۔ نہ ہلانہ بولا۔ چونکہ وہ سانس لے رہا تھا۔ اس لئے کاروائیوں نے سمجھا کہ ہے تو زندہ مگر اسے بھوک سے مکتہ ہو گیا ہے۔

وہ کھانا لائے تاکہ اس کا منہ کھول کر اس میں ڈال دیں۔ اس کے عہد مضبوطی سے دانت بند کر لئے۔ اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ اسے ضرور مکتہ ہی ہے۔ انہیں اس کی حالت پر اور بھی رحم آیا۔ وہ چھری لائے۔ جسے اس کے دانتوں میں دے کر اس کا منہ کھولا گیا۔ جب منہ کھلا۔ تو انہوں نے فوراً شور بادل کر بذریعہ حلق اسکے پیٹ میں پہنچا دیا۔ زائد نے دل سے کہا۔ تو چپ ہے۔ راز دان ہو کر ناز کرتا ہے۔ دل نے جواب دیا۔ میں قصداً ایسا کر رہا ہوں تاکہ تجھے یقین ہو جائے کہ جان و تن کا اللہ ہی رازقی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا امتحان ہوگا۔ تو نے دیکھ نہیں لیا کہ صابروں کی طرت رزق خود اڑ کر جاتا ہے۔ اب تو توکل پر جم جا۔ زائد نے کہا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس کی تصدیق ہو گئی ہے

امتحان زمین بیشتر خود بخود بود رزق سوئے صابراں خود می رود
لومڑی بھائی گدھے ایہ قحط چھوڑ دو۔ اور اصرار و صبر لاکھ پاؤں ہمارے فقر و فاقہ دور
کرو۔ دنیا کا کام ایک دوسرے کی مدد سے چلتا ہے۔ ہر آدمی خود ہی سب کام نہیں
کر سکتا۔ کوئی بڑھئی کا کام کرتا ہے۔ کوئی پانی دینے کا کوئی کپڑا بننے کا۔ اگر سب توکل
کر لیتے ہیں۔ تو دنیا کا نظام کس طرح چلے گا

ہر کسے در بکے پائی نہ بد یاری یاران دیگر می کنند
گدھا۔ بوا لومڑی! تو نے کیا جج جج لگا رکھی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ توکل سے بڑھ
کر بھی کوئی کسب ہے

خود توکل بہترین کسبہا است زانکہ در ہر کسب است بر خدا است
بتنا اس کا شکر کرو گے۔ اتنا رزق زیادہ ملے گا۔ اے خدا مجھے توکل میں ثابت
قدم رکھ۔ کیونکہ توکل سے کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ نہ اس پر کوئی

لگان ہے نہ خراج ۔

جب وہ اس سوال و جواب سے تھک گئے تو لوٹری نے اور گفتگو کا یہلو بدل لیا اور کہنے لگی کہ تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں سنا کہ لَا تَلْقُوا يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِلَى التَّهْلُكِمْ یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ آخر تک صحرا اور سنگلاخ زمین میں کرنا اور خدا کی فراخ زمین کو چھوڑ دینا احمق ہے ۔

صبر در صحرائے خشک و سنگلاخ احمق باشد۔ جہاں حق فراخ بہاں پاس ہی مرزا در چراگاہ ہے جس کے درمیان نہر جاری ہے ۔ آواں جاگر چارہ کھا۔ اس جنت جیسی سرسبز چراگاہ میں بہاں اونٹ بھی ناپید ہو جاتا ہے جو حیوان جا پہنچے ۔ وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے ۔

گدھے کو اتنی سمجھ نہ آئی جو اس سے پوچھتا کہ جب وہاں الی شادابی ہے تو نو دہاں رہ کر کیوں ایسی مردہ بنی ہوئی ہے ؟ تجھ میں کیوں فربہی و فروشا طمانام نہیں ؟ تیرا جسم کیوں اتنا لاغر و نحیف ہے ؛ اگر تیرا بیان غلط نہیں تو پھر تیری آنکھ کیوں سرور سے غموں میں تیری گد آیشمی اور نا دیدگی تیری تقریر کا بطلان کر رہی ہے جب تو ایسے تروتازہ چشمہ پر سے آئی ہے تو تیرے جسم پر کیوں خشکی چھائی ہوئی ہے اگر تو ناقہ آہو ہے تو بوئے مشک کہاں ہے ؛ اگر تو گلزارِ جنت سے آرہی ہے ۔ تو تحفہ کے لئے تیرے پاس کون سا گلستا ہے ؛ جو کچھ تو نے کہا ۔ اس کی نشانی تیرے پاس ایک بھی نہیں ہے ۔

چوں رچشمہ آمدی چوئی تو خشک گرتواف آہوئی تو بوئے مشک

گرتومی آئی ز گلزار جہاں دستہ گل کو از برائے ارغماں

لوٹری کی مثال تو اس اونٹ کی سی ہے جس کی زانوؤں تک گرد و غبار چڑھا ہوا تھا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کہاں سے آرہے ہو تو اس نے جواب دیا کہ تمہارے محلہ کے گرم حمام سے ۔ پوچھنے والے نے کہا ٹھیک ہے ۔ جیسی تو تمہارے زانو اس قدر صاف ستھرے ہیں ؟

اں یکے می گفت اشتراکہ ہے از کجائی آئی اے اقبال پے

گفت از حمام گرم کوئے تو ! گفت خود پیدا است از زانوئے تو

گدھے نے دو تین بار تو لوٹری کی دلیلوں کو رد کیا ۔ مگر چونکہ اسے اپنی کوئی عقل

نہ تھی۔ اس لئے اس کے فریب میں آگیا۔ کھیلنے کی حرص کے
ساتھ اس کے پالنے والے گاؤں خورد ہو گئے جس شخص میں دانش و
خرد نہ ہو وہ دلا بیل سے کام لے سکتا ہے۔

ایک بزدل شخص کی کسی بد معاش نے بے عزتی کی۔ بزدل نے شخص
کو مرنے پر مجبور کیا تھا۔ اس نے پوچھا۔ یہ کس لئے بندھ رکھا ہے کہا کہ
اس شخص کا پیٹ بھاڑنے کے لئے ہو میرا بے عزتی کرے۔ بد معاش
بد معاش بولا! الحمد للہ کہ میں نے تیرے ساتھ ایسا نہیں کیا۔

چونکہ مزدی نسبت خجور یا چھ سود چوں ندری دل نادر سود و
رستی کہ بابت خجور بکیر و در خجورے مالی چادر بکیر
الغرض۔ لومڑی چارے کا چکر دے کر گدھے کو شیر کے پاس لے چلی
شیر گدھے کو آتا دیکھ کر خوشی سے اچھلا اور گر جا گدھا شیر کو دیکھ کر
اٹھے پاؤں پہاڑ کی طرف بھاگا اور ہانپتا کانپتا اپنے مقام پر جا پہنچا شیر
شیر میں زیادہ چلنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے منہ تگتا رہ گیا۔ لومڑی نے
شیر سے کہا۔ واہ جناب! آپ نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ گدھے کو پاس
تو آنے دیا ہوتا۔ ذرا صبر نہ کیا۔ آپ کو معلوم نہ تھا۔ کہ تعمیل و شباب
مکڑ ہے۔ اور صبر و احتیاط رحمانی کام ہے۔

مکڑ شیطان است تعمیل و شباب لطف رحمان است صبر و احتیاط
گردھا دور تھا حملے کے آثار دیکھ کر بھاگ گیا۔ اس وقت آپ کے ضعف نے
آپ کا وقار کھو دیا۔

شیر نے کہا۔ میں نے سمجھا۔ کہ تجھ میں قوت عود کرائی ہے حقیقت یہ
ہے کہ میں اپنی کمزوری سے بے خبر تھا۔ بھوک اور احتیاج نے غلبہ کر کے
مجھ سے میرا صبر و عقل چھین لی۔ تیری بڑی مہربانی ہو گی۔ اگر تو اسے
بھرنے کا کسی حیلے سے یہاں لائے۔ اگر یہ گدھا مل جائے۔ تو مجھ میں
بہر شکر کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ اور میں تجھے کئی شکر
ماردوں گا۔

لومڑی نے کہا خدا کی توفیق سے میں اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے
یہاں لے آؤں گی۔ آخر کہہ رہی ہے۔ اس کے دل سے خوف جلد راسل ہو
جائے گا مگر اتنی مہربانی کرنا کہ جب تک کہ وہ بالکل قریب نہ آجائے
حملہ نہ کرنا تاکہ پہلی طرح پھرنا کامی کام نہ دیکھنا پڑے۔

بشر نے کہا۔ میں ایک دفعہ تجربہ کر چکا ہوں۔ اب جلدی نہ کروں گا اپنی
جگہ پر بیٹھا رہوں گا۔ تاکہ وہ میرے پاس نہ آجائے۔

روباہ نے جاتے ہوئے کہا۔ اے بادشاہ دعا کرنا کہ گدے کی عقل پر
غفلت طاری ہو جائے۔ گدے نے توبہ کی ہے کہ اب وہ کسی حل میں نہ
آئے گا۔ ہم کسی نہ کسی فن سے اس کی توبہ توڑ دیں گے۔ کیونکہ ہم عقل
اور عہد کے دشمن ہیں۔ گدے کے عہد اور اس کی سمجھ پر غلبہ پالینا
ہمارے بائیں ہاتھ کا کرنب ہے۔ جس نقص عہد اور شکست توبہ کا
جرم ہو جائے گا۔ تو اس کی بربادی یقینی ہے۔ اصحاب سب نے جب
یوم ممنوع مچلیوں کا شکار کر کے عہد توڑ دیا۔ تو ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں
اور وہ بند رہ گئے اب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی برکت سے شکلوں پر
تو بھگا نہیں پڑتی۔ مگر منکروں کے دل تو بے نور ہو جائے ہیں۔ گدے
عہد توڑ دے گا۔ تو اس کی عقل مسخ ہو جائے گی اور ہمارے منہ
چرہ جائے گا۔

نقص ہیشاق و شکست توبہ ہا موجب لعنت بود انتہا
العقہ۔ لومڑی ایسے خیال پکاتی ہوئی گدے کے پاس آئی۔

گدے۔ واہ بوا لومڑی! تو تو بڑی فریبی نکلی۔ تجھ جیسا دوست ہو تو دشمن
کی ضرورت نہیں۔ بنا میں نے تجھ سے کیا دشمنی کی تھی۔ کہ تو میری جان کی لا
لاگو بن گئی اور سوائے اس کے کیا کہوں کہ کثردم و محقر ب، کی طرح
ترا کام نیش زنی ہے۔ جب طرح شیطان بغیر کسی سابقہ حالت کے آدم
کا عہد بین کیا۔ اس طرح تو نے مجھ سے گناہ کے ساتھ کیا۔
لومڑی۔ بھائی گدے! تم آخر گدے ہی ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ درحقیقت

و ہاں کوئی شیر نہیں صرف جادو کا طلسم ہے۔ جو شیر کی شکل میں دکھائی
 دیتا ہے۔ اور یہ طلسم اس لئے بنایا گیا ہے۔ تاکہ ہر کس و نا کس چرندہ
 اس مرغزار میں نہ گھس آئے اور چوگاہ کو چرندہ جائے۔ ورنہ تم جانتے
 ہو کہ دنیا باقی اور گینڈے جیسے بڑے بڑے حیوانوں سے پر ہے
 اگر طلسم نہ ہو۔ تو مرغزار ایک ہی دن میں اجڑ جائے میں تجھے کہنے ہی والی
 تھی۔ کہ تمہیں شیر کا طلسم نظر آئے گا۔ اس سے خائف نہ ہونا مگر مجھے
 گنا یاد نہ رہا۔ کیونکہ میں اسی فکر میں تھی۔ کہ تمہیں جلد سے جلد لے کر کھلاؤں
 پلاؤں۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ تم سے بھی زیادہ کمزور ہوں۔ اگر شیر ہوتا تو
 مجھے کب زندہ چھوڑتا۔

گدھالے مکار تو مری! میرے سامنے سے دور ہو جا۔ میں تیری شکل
 دیکھنا نہیں چاہتا خدا نے تیرا منہ بھگا کر دیا تھا ہے۔ تو کس منہ سے میرے
 پاس آئی ہے۔ اے ظالم تیرے دانت گو کر گدھن رگینڈے سے
 بھی زیادہ تیر ہیں۔ تو میرے خون کی بھائی ہو کر بڑی بے شرمی سے
 کہتی ہے۔ کہ میں مرغزار کی طرف تیری رہم ہوں میں خدا خدا کر کے عزائم
 سے بچے سے رہا ہوا تو پھر مجھے بھانسا جا ہمتی ہے مان لیا کہ میں گدھا
 ہوں مگر جان ہر ایک کو عزیز ہے۔ جو خوف مجھے لاحق ہوا۔ اگر کسی رک
 کو ہوتا تو وہ بول بھامو جاتا۔ خوف سے میرے پاؤں بند ہو گئے اند
 میں جیش کرنے کے قابل نہ ہو اس حالت پاس میں میں نے خوالے تعالیٰ
 سے دعا کی۔ کہ اس دفعہ میرے قدم کھول دے میں پھر دشمن کا فریب
 نہ کھاؤنگا خدا نے میری سن لی۔ اور میں جان بچا کر بھاگا اب شیر نے
 مجھے میرے پاس بھیج دیا ہے۔ کہ مکرو فتون سے پھر مجھے گرفتار بلا کر
 داناؤں نے سب کچھ کہا ہے۔ کہ برے سانپ سے بچا کر بھاگا۔ تو ہری سانپ تو
 جان ہی لیتا ہے مگر برا دوست ساتھ ہی ایمان برباد کرتا ہے
 مارید جانے تساندا از سلیم یارید ارد سوئے نارہم حسیم
 مارید زخم زندہ بر جان زند یارید بر جان و ایمان زند!

لو مڑی اسے بھائی گدھے! میرے دل میں کچھ کھوٹ نہیں تھی نہ ہی
 دہم پڑ گیا ہے۔ اس کا علاج لقان کے پاس بھی نہیں۔ جہاں دہم کا
 دخل ہوا دوست دشمن نظر آنے لگے۔ یار اگر بطور استخوان کچھ سختی ہی
 کرے تو بدگمان نہ ہونا چاہیے۔

طن نیکو بزرگوان صفا گرچہ آید طائر از این لاجفا
 آل خیال و دہم بدچوں تبدیدیہ صدر اراں بار از ہم دریدا
 صدر اراں کشتی با بول و ہنہم تختہ تختہ کشتہ در دریاے دہم
 یقین جان لے کہ وہ شخص ظلم تھا جو تجھے نظر آیا بشیر دیر کچھ نہ تھا۔ دہم
 تو بڑوں بڑوں کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ
 علیہ السلام نے جو چاند سورج کو دیکھ کر جھنڈا دجرا دیا یہ میرا رب ہے
 کہ دیا۔ وہ بھی دہم ہی کی کسرتمہ سازی تھی۔ یہ جو دنیا میں بہتر فرقتے بن
 بن گئے ہیں یہ بھی دہم ہی کی وجہ سے ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 کے عہد میں جو ایک شخص کو اپنی ابرو کا ٹیڑھا بال بیکر چاند کا گمان ہوا
 وہ بھی دہم ہی سے تھا۔ اگر غور فاروقی راستہائی نہ کرتا۔ تو وہ شخص اسی
 دہم میں پڑا رہتا کہ بلال عید بنو دا رہو گیا ہے۔ لاکھوں کنٹیاں بول
 اور خوف سے دریائے دہم میں تختہ تختہ ہو گئیں۔ فرعون جیسے ہوشیار
 اور دانشمند شخص کا چاند سورج دہم میں خف زدہ ہو گیا دگنہا گیا تو
 تو گدھا کس شمار و قطار میں ہے۔

گدھے نے رو باہ کی باتوں کا جواب دینے کی بہت کوشش کی لیکن
 جو اکلبد بھوک کی بیماری اس پر غالب آئی حرص صبر پر غالب آ
 گئی۔ آہ از غیف دروٹی کے ٹکڑے، کے عشق نے کئی گلے کاٹ دیے
 بے صبروں کو فقر و فاقہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

حرص کو رو احمق و نادان کند سرگ بڑا حقاں آسان کند
 کا سہ بر کا سہ امدت و فوان برفاں امد از برائے اس شلم خود راں امد
 چو بگیری نادود در پیش سببیں کا سہ دہم بینوائی کشتہ خویش

تو بر فتنی مانند ناں بر خیز گیر - اے بکشتہ خورشید را اندر خیر
 بر سہ ہر لقمہ بنوشتہ عیاں گز فلان ابن فلان
 گر تیرا صبرے بڑے رزق آمدے خوش را چوں عاشقان پروردے
 گدھے نے کہا مان لیا کہ لومڑی کمر سے کام لے رہی ہے۔ اور مجھے ہلاک
 کرا دے گی۔ مگر جس غذا بک کر شکی میں میں اسیر ہوں اس سے موت
 بہتر ہے۔ گدھے نے گدھان کی وجہ سے تیرے توڑ و می حریف نہھا
 اور احمق بنا کر احمقوں کو با نسانی موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے
 گدھوں کی جان کے لئے مرگ آسان نہیں ہے کیونکہ ان کی جان -
 جادوانی کی آب نہیں ہوتی۔ جس بد بخت کو بند کی جادو حاصل نہ ہو
 اس کا موت کے لئے جرات کرنا احمقانہ فعل ہے۔ تو کوشش کرنا
 کہ تیری جان مخلد ہمیشہ رہنے والی ہو جائے تاکہ تجھے رور مرگ سے
 مل جائے۔

گدھے کو اپنے خالق پر اعتماد بھی نہ تھا کہ وہ غیب سے اس کی بھوک
 مٹانے کا سامان کر دے گا وہ بار بار بھوکا بھی رہا مگر چونکہ اس کا
 ایمان رازق پر نہ تھا۔ اس لئے اسے بھوکا رہنے نے کچھ فائدہ
 نہ دیا۔

خدا کے فقر و دست بند سے جوع (بھوک) سے بڑی لذت حاصل کرتے
 ہیں اس سے ان کی قوت دیا دہا ہوتی ہے۔ ایک شخص گندم کی
 چھان یا جو کے اٹے کی بوٹی کھاتا تھا۔ دوسرے نے پوچھا -
 تجھے اس سے کس طرح طاقت آتی ہے؟ اس نے جواب دیا جب بھوک
 صبر سے مل جاتی ہے تو میرے لئے نان جو حلوا بن جاتی ہے۔ نعمت جوع
 کہنے گداؤں کو نہیں دیتے۔ روٹی کے بندوں کے لئے آب تے باغ
 روٹیاں فراہم کر رکھی ہیں۔ اور ن بندگان نان کی زندگی بھر کا مرنے
 سے بدتر ہے

ایسے ایسے نکات بیان کرنے کے بعد مولانا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ رو بہا

خبر کو شیر پاس لے گئی وہ غرا کر اٹھا اور ایک نیچے سے اس کا کام تمام کر دیا کچھ نقل کو کے اسے پاس لگی تو وہ چشمہ پر پانی پینے گیا اس کے نیچے بومڑی کو موقع ملا اور وہ صیٹ گدھے کا دل اور جگر چٹ کر گئی شیر نے وہاں کر ان دونوں چیزوں کی تناس کی گھر کچھ نہ ملا آخر روباہ سے پوچھا کہ ہر جانور کا دل و جگر ہوتا ہے۔ گدھے کا کہاں ہے۔ روباہ نے جواب دیا اس گدھے کا دل تھانہ جگر اگر یہ دونوں اعضائے ریشہ اس کے وجود میں ہوتے تو جب ایک دفعہ موت کا منہ دیکھ کر بھاگ چکا تھا۔ تو پھر اس جگہ کیوں آتا۔

دل میں اگر نور نہ ہو۔ تو وہ دل نہیں۔ بدن میں اگر روح نہ ہو تو دمحض مٹی ہے

جس تندیل میں جتنی نہ جلتی ہو اسے زجاج نہ کہو بلکہ مار درہ بول کہو۔ مصباح دیراز کا نور اللہ کی عطا ہے۔ اور چینی اور لیمپ بندوں کی مصنوعات ہیں۔ جنے نور کو دیکھا۔ وہ مومن بن گیا۔ جسے لیمپ اور مومن کی نظر روح پر ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو خلیل اور مصطفیٰ ایک نظر آتے ہیں۔ یہودی کی نگاہ ظرف وجود ظاہر کم پر ہوتی ہے۔ اس لئے تشبیہ اور نوع کو دو وجود سمجھتا ہے۔

چوں بنا شد نور دل نسبت آں	چوں بنا شد روح جز گل نسبت آں
آن جہو داظر نہا مشرک شد است	نور دیدہ آن مومن و مددک شد است
چوں نظر بر روح افند مرد را	پس یکے بیند خلیل و مصطفیٰ
چونکہ آتش هست موجود آن بود	آدمی آست کورا جاں بود
پس نہ مردان اند انہا صورت اند	مردہ اند و کشتہ شہوت اند ؟

گھاس کا پولا اونٹ کے منہ میں!

ایک اونٹ بیل اور دنبہ اکٹھے جا رہے تھے کہ اسہنیں راہ میں گھاس کا ایک بڑا دکھائی دیا۔ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اسے چٹ کر جائے مگر ایک وہ سر

فارسی بول چال

آپ فارسی پڑھنا اور منشی فاضل
چاہتے ہیں یا منشی - منشی عالم اور منشی فاضل
کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں
دونوں صورتوں میں آپ کو ہماری
شائع کردہ اصلی اور مکمل فارسی بول
چال کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ فارسی
زبان دنیا کے مختلف حصوں میں
بولی جاتی ہے فارسی سیکھ کر آپ
ایران افغانستان وغیرہ کی سیر
ساعت بخوبی کر سکتے ہیں فارسی
بولنے والے اور پڑھنا سیکھنے والے کو
بول چال پڑھیں - اس سے بہتر اور
آسان کتاب آج - تک شائع نہیں
ہوئی - مارکیٹ میں اس کتاب کی قیمت
بچی ہوئی ہے - آپ بھی خریدیں
لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت صرف ۲۸
محصولہ ایک علاوہ

مرزا صاحبان! مصنف محمد دین صاحب
اس کتاب میں مصنف نے مرزا صاحبان
پوری مکانت بڑی محنت سے تصنیف کی
ہے - داد دینے کے قابل سے ضرور
پڑھیں قیمت ۱۲ علاوہ محصولہ ایک

عربی بول چال

مسلمانوں کی قومی اور مذہبی زبان
ہے - عربی زبان دنیا کے ملکوں میں
بولی جاتی ہے اس لئے آپ کا فرض
ہے کہ آپ بھی اس مقدمہ میں زبان سے
واقف رہے عربی کی ابتدا کی جماعتوں
میں ترغیب کرنے اور مولوی فاضل
تک کے امتحانات میں کامیابی حاصل
کرنے کیلئے آپ کے پاس ہماری
مطبوعہ کتاب اصلی بول چال کلاں کا
ہونا از حد ضروری ہے فاضل مصنف نے
یہ کتاب عربی محاکم کی سادہ
دورہ کرنے کے لئے اس انداز سے لکھی
گئی ہے کہ عربی کا پڑھنا اور بولنا بالکل
آسان ہو گیا ہے عربی زبان کے طلباء
کے لئے اس سے بڑا مشورہ در کیا
ہو سکتا ہے گرامر اور کتاب صرف کر کے
اصول پر مرتب کی گئی ہے - آپ اس
قیمت کو سے محروم نہ رہیں - آج
ہمارے ڈریسنگ کمر منگو میں آپ پڑھو
مصنف کی محنت کی داد دیں لکھائی چھپائی
دیدہ و زیب ہے -

قیمت ۲۸ روپے علاوہ محصولہ ایک

فرم منشی عزیز الدین نیکر کتب و مسالک پورہ کشمیری



تذکرہ الاولیاء بیت ہے
سوانح مختصر سیاحی
 جس میں مختصر سرگزشتوں کے
 ہمارے عزیزوں کی فوجوں کی
 زندگی کے حالات درج ہیں
 قیامت
 افسانہ فارسی بول چال

سوانح حیات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
 جس میں حضور سرگزشتوں کے
 کی زندگی کے حالات درج ہیں
 تحقیق کے ساتھ درج ہیں
 خیر و برکت ہے اس کے
 تحقیق کیساتھ درج ہے

قصص الانبیاء و ائمتہ
نہایت نام رسول مقبول
 جس میں انبیاء و ائمتہ کے
 اہمیت و محبت کے
 مفصل طور پر درج ہیں
 قیامت
 سیاحی بول چال

فان یوسفی
 قصیدہ
گورہ بانی نذیر
 شاعرانہ سول کرم و محبت
 کے نام نواں کہیں نہایت
 سے پھر ہو کلام درج ہے
 قیامت

حکایا اردو مشنوی مولانا م
 اس کتاب میں پر غلام
 شریف کی ان چیدہ چیدہ
 زمرہ میں سیں اور علم
 سے ایک ہے قیامت

وظائف پران
مجموعہ تعویذ
 تریز و توفیق مولانا
 قادری نقشبندی
 قیامت

ایک میں
شہر جلیہ انگریزی سیکھ لو!
 ہمارے سلی نقش و نگار
 استانی مد سے ایک
 سیکھ سکتے ہیں
 قیامت

اسلامی
قانون وراثت
 جو قسم کے ارشوں کے
 اطلاق کے مسلم شخصی
 کو پس کیا اور جو
 کی بارگاہ سے منظور
 قیامت

روزگار کا
من تجارتی پٹھ!
 اس کتاب نام جدید
 ہیں انگریزی و دیسی
 سازی و فوٹو لائی
 قیامت

استاد شاعری
کوک شام
 شہنشاہی و کشمیری
 معہ جہانگیر و لعل
 قیامت

من شاعری
 اس کے مطالعے سے
 ہی ایک کامل و مکمل
 بغیر استاد کے ایک
 نوز اس کتاب کو
 قیامت

علم الہی
مرصعہ کا جادو
 حاصل کی ہو تو اس کتاب
 حصہ کی ہو تو اس کتاب
 قیامت

مختصر تاریخ ہندوستان
 مختصر تاریخ ہندوستان
 مختصر تاریخ ہندوستان

سید محمد افضل انبیا
 سید محمد افضل انبیا
 سید محمد افضل انبیا

